بسم الله الرحمن الرحيم

دانش

اسلامی علوم ومعارف اور علمی و ثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان

شمارہ ۱۹۷ـ۱۹۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۵

گفتگوی ادیان

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران

۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی۔۱۱۰۰۰۱

فون : ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس : ۲۳۳۸۷۵۴۷

http://www.iranhouseindia.com

director@iranhouseindia.com

راہ اسلام

شمارہ ۱۹۷۔۱۹۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۵

چیف ایڈیٹر: محمد حسین مظفری

ایڈیٹر: ڈاکٹر سیداختر مہدی رضوی

مشاورین علمی

پروفیسر سید امیر حسن عابدی، پروفیسر اوصاف علی، پروفیسر شاہ محمد وسیم،
پروفیسر عبد الودود اظہر دہلوی، پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی،
ڈاکٹر سید علی محمد نقوی

مدیر اجرائی: علی غفاری

تزئین جلد وصفحہ آرائی : مجید احمدی، عائشہ فوزیہ وحارث منصور

کمپوزنگ: قاری محمد یاسین

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مضمون کے لئے مقالہ نگار خود ذمہ دار ہے۔

مقالہ نویس کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔

راہ اسلام مقالات و مضامین کے انتخاب و اصلاح وایڈیٹنگ اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہے۔ اور اس سلسلے میں ایڈیتوریل بورڈ کا فیصلہ آخری ہوگا۔

اشاعت کی غرض سے ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا لازمی ہے۔ عبارت کاغذ کے ایک طرف ہی لکھی جائے اور کاغذ A-4سائز کا ہوتو بہتر ہے۔

صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی ارسال کئے جائیں۔

تحقیقی مقالات کی آمادگی میں جن مأخذ ومدارک کا استعمال کیا گیا ہو۔ ان کا ذکر لازمی ہے۔

مقالہ کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی ضرور ارسال کیا جائے۔

راہ اسلام میں شائع شدہ مقالات کی نقل یا ان کے ترجمہ واقتباس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہے بشرطیکہ مأخذ کا ذکر کردیا جائے۔

پریس: جگدمبا پرنٹرس:– W7-530پالم ولیج،نیو دہلی ۔۱۱۰۰۴۵

فہرست

اداریہ :

گفتگو وسیلۂ تفاہم و اعتماد سازی	محمد حسین مظفّری	۷
پیغام حج :	آیت اللہ خامنہ ای	۱۳
گفتگو :		
ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو اور عالم اسلام	محمد حسین مظفّری	۲۰
انسان دوستی اور تمدّنوں کے درمیان گفتگو کا علمبردار داراشکوہ	عزیزالدین حسین ہمدانی	۴۳
عالمی دہشت گردی کا علاج۔گفتگو	سید اختر مہدی رضوی	۵۰
تصوف ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کا بہترین وسیلہ......	محمد تعظیم	۵۴
عقاید شناسی:		
مذہبی صحائف میں ایمان و عمل کا تصور	الطاف احمد اعظمی	۶۶
نبی کی معرفت، مقصد کی جانب عام ہدایت	محمد حسین طباطبائی	۹۳
حدیث شناسی:		
ایمان و معرفت کا تعلق	محمد رضا حکیمی	۱۰۵
تاریخ اسلام:		
ہجرت کے پانچویں سال کے واقعات	جعفر سبحانی	۱۱۵
سیرت حضرت فاطمہ زہرا (س)	مولانا طیب رضا	۱۲۱
امام العالمین سید الساجدین امام زین العابدین(ع)	سید محبوب الرحمٰن نیازی	۱۳۰
اقتصاد :		
معاشرہ و معیشت امام جعفر صادق(ع) کی نظر میں	شاہ محمد وسیم	۱۴۰
شعرو ادب :		
مراثی انیس میں باطل کردار کی عکاسی	وسیم حیدر ہاشمی	۱۴۶
شیخ علی حزیں کی شاعری	مسرور احمد خان	۱۶۸
کتابوں کا تعارف :		
اسلام کی رسائی	سید عباس ہاشمی	۱۸۴
محاصرۂ اسلام	سید اختر مہدی رضوی	۱۸۹
تاریخ عہد وسطی	محمد تعظیم	۱۹۲
ثقافتی سرگرمیاں		۱۹۴

گفتگو وسیلۂ تفاہم واعتماد سازی

عصر حاضر کو علوم ومعارف کی روز افزوں ترقی کا دور کہا جاتا ہے اور ہر روز نئے علمی انکشافات اور اطلاعاتی تکنیک کی ترقی اور اس کی تیز رفتار وسعت نے نہ صرف اس وسیع و عریض دنیا کو ایک عالمی گاؤں میں تبدیل کردیا ہے بلکہ پوری دنیائے بشریت کو حیرانی میں ڈال دیا ہے۔صورتحال یہ ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں رونما ہونے والی فکری اور ثقافتی تحریکوں کو اب ملکوں کی جغرافیائی اور سیاسی سرحدوں کے درمیان محدود نہیں رکھا جاسکتا بلکہ یہ نئے افکار وعقائد نہایت تیز رفتاری اور غیر معمولی سرعت کے ساتھ دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں پہونچ جاتے ہیں اور ان علمی ایجادات کا جائز وناجائز استعمال شروع ہوجاتا ہے اور تاریخ بشریت گواہ ہے کہ علمی وسائنسی ایجادات وابتکارات کا جائز استعمال کم ہی کیا گیا بلکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کا ناجائز استعمال زیادہ ہوا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسانی قدروں کی پامالی پر مشتمل قتل وغارتگری کی داستانوں کو تاریخ میں نمایاں جگہ نہ ملی ہوتی اور دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں زن ومرد اور بزرگوں ونونہالوں کو خاک وخون میں غلطاں کردینے والے حوادث رونما نہ ہوتے اور آج دنیا میں تباہی وبربادی پھیلانے والے اور انسانیت کو نابودی کے کنارے پر کھڑا کرنے والے مہلک اسلحوں کی فراہمی ودستیابی کے لئے بھاگ دوڑ نہ چل رہی ہوتی۔

لیکن یہ علمی ایجادات فقط منفی پہلوؤں کی حامل نہیں ہیں بلکہ اگر ان کے مثبت پہلوؤں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان ایجادات نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو عظمت وترقی سے مالامال کررکھا ہے۔ یہ انہیں علمی ایجادات کا کرشمہ ہے کہ آج ہفتوں کا سفر لمحوں اور گھنٹوں میں طے ہوجاتا ہے اور برسوں کے لاعلاج بیماریوں کا کامیاب علاج دستیاب ہے اور اعلیٰ انسانی قدروں پر مشتمل فکری، تہذیبی اور ثقافتی تحریکیں اپنے مشن کو پروان چڑھانے میں سرگرم ہیں۔ عالمی سطح پر انسانی حقوق کی حفاظت، خواتین کے حقوق کی بحالی، آزادی اور عوام الناس کے حقوق کی فراہمی کا شور ہمہ وقت سنائی دے رہا ہے۔ ان حقائق وشواہد کی موجودگی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر علمی وفکری ایجاد مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کی حامل ہوا کرتی ہے اور اصل کرشمہ تو ان کے تفاہم اوران کے درمیان

توازن کی ایجاد ہے جس کے ذریعہ اعتماد سازی کا مرحلہ طے کیا جاسکتا ہے اور اس اعتماد سازی کا بہترین اور موثر ترین وسیلہ گفتگو ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج دنیا کے ہر گوشہ میں تناؤ بدگمانی، لوٹ کھسوٹ، قتل وغارتگری اور تباہی وبربادی کا ماحول پایا جاتا ہے۔ یہ تناؤ انفرادی واجتماعی، علاقائی وملکی ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر دکھائی دے رہا ہے اور انسانی دنیا غیر معمولی کرب وبے چینی میں مبتلا ہے اور شاید انہیں حالات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے حکیم مطلق نے اپنی گرانقدر آسمانی کتاب قرآن مجید میں یہ ارشاد فرمایا ہے ''تَعَالَوا اِلَی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ'' یعنی آیئے گفتگو کریں اور ایک مشترک بات یا پیغام پر متفق ہوجائیں۔ جی ہاں! موجودہ حالات میں بھی تہذیبوں، تمدنوں، ثقافتوں کے درمیان گفتگو کی افادیت سے انکار ناممکن ہے اور یہ کہنا لازمی معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو ضروری ہے تاکہ مختلف ادیان ومذاہب کی پیروی کرنے والوں کے درمیان آپسی میل جول اور باہمی احترام کو فروغ حاصل ہوسکے اور تہذیبوں کے درمیان ٹکراؤ کی روک تھام کی جاسکے۔

جہاں تک ہندوستان کا سوال ہے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ثقافتی اور دینی تعلقات کی روایت بہت پرانی ہے اور دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان گفتگو کوئی نئی بات نہیں ہے اور اس سرزمین کی ثقافتی میراث اس شعبہ میں نہایت غنی اور گرانمایہ رہی ہے۔ نویں صدی ہجری میں کبیر جیسے نامور شاعر نے بھکتی تحریک کے سایہ میں یکتا پرستی اور تمام ادیان ومذاہب کے احترام کا پیغام دنیاوالوں کے سامنے پیش کیا۔ واضح رہے کہ اس زمانہ میں شہر جونپور کو دار العلم کی حیثیت حاصل تھی اور کبیر نے اسلامی علوم ومعارف میں اسی شہر سے مہارت حاصل کی تھی اور اسلامی عرفان وتصوف کے سمندر میں غوطہ لگانے کے بعد ہی انہوں نے بنی نوع انسان کو محبت، انسان دوستی، اخوت وبرادری، مذہبی خرافات سے علیحدگی اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت وبندگی کے ساتھ ہی ساتھ دینی تعصب اور فرقہ واریت سے دوری اختیار کرنے کی دعوت دی تھی۔

قرون وسطیٰ کے دوران فارسی، ہندی، اردو اور ہندوستان کی دیگر مقامی زبانوں میں لکھے گئے اشعار میں ہندواور مسلمان شعراء انہیں افکار وعقائد کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم رہے اور ان کی اس مخلصانہ اور انسان دوستانہ تبلیغات کا اثر صرف عوام الناس تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اکبر اعظم جیسا جلیل القدر اور نامور بادشاہ بھی اس مکتب فکر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس وسیع ملک میں زندگی بسر

کرنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان قومی اتحاد اور باہمی میل ملاپ کو مزید مستحکم بنانے کے لئے اکبراعظم نے اپنے دربار کے نامور وزیروں اور دانشوروں کی مدد بھی حاصل کی اور شیخ مبارک ناگوری، ان کے فرزند ابوالفضل علامی وفیضی، حکیم ابوالفتح گیلانی اور فتح اللہ شیرازی جیسے علماء ومفکرین کی مدد سے ایک نئے مشرب ومکتب فکر کی شروعات بھی کی جس کا نام دین الٰہی اور جس کا مقصد ومحور ''صلح کل'' کا قیام تھا۔ اکبر کی اس تحریک میں مختلف ادیان ومذاہب کے نامور علماء مثلاً مسلمان، ہندو، عیسائی پادری،، زردشتی وید، ہندو برہمن یہاں تک کہ ملحد جماعت سے وابستہ لوگ بھی شامل تھے۔ یہ تمام لوگ اکبر کے ''عبادت خانہ'' میں بیٹھ کر مختلف مذہبی موضوعات پر مناظرہ ومباحثہ کیا کرتے تھے اور اس گفتگو اور مباحثہ کا بنیادی مقصد گفتگو کے ذریعہ مختلف جماعتوں کے درمیان موجود غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے باہمی اعتماد واحترام کا ماحول پیدا کرنا تھا تاکہ انسان دوستی پر مبنی اس حقیقی الٰہی پیغام کو مقبول عام کیا جاسکے جس میں انسان کو اشرف المخلوقات اور لائق احترام قرار دیا گیا ہے۔ انسان کو انسان سے محبت کا درس دیا گیا نفرت وعداوت کا نہیں اور لوگوں کے درمیان دوستی اور میل ملاپ کی بات پرزور دیا گیا ہے دوری وعلیحدگی پر نہیں بلکہ مولانا روم کی زبان میں تو لوگوں کو در اصل وصل وملاپ کی طرف مدعو کرنے کے لئے پیغمبروں کو مبعوث کیا گیا ہے فاصلہ وجدائی پیدا کرنے کے لئے نہیں۔

تو برای وصل کردن آمدی
نی برای فصل کردن آمدی

انسان دوستی، باہمی احترام اور صلح کل جیسے آدرشوں پر مبنی یہ تحریک اکبراعظم کے دور تک ہی محدود نہ رہی بلکہ ملک گیر پیمانے پر تعمیر وترقی کے کاموں میں ہمہ تن سرگرم شاہجہاں کے فرزند ارجمند یعنی داراشکوہ جیسے بعض شہزادوں نے بھی ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کی اس راہ وروش کو جاری رکھا۔ داراشکوہ نے بذات خود سنسکرت زبان کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد اس نے ہندو مذہب کی مقدس کتاب اپنیشدوں کا فارسی زبان میں ''سراکبر'' کے نام سے ترجمہ کیا اور اس کی تفسیر پر مبنی ''مجمع البحرین'' نامی رسالہ کی تالیف کا کام بھی انجام دیا جس کا مطلب ہوتا ہے دو دریاؤں کا سنگم اور دو دریاؤں سے مراد اسلام اورویدائی ہند و مذہب ہے اور اس رسالہ میں دونوں مذاہب کے درمیان موجود مماثلتوں اور مشترک فکروں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

لیکن ادیان و مذاہب کے درمیان گفتگو کے سلسلہ میں جس چیز کی طرف توجہ دینا لازمی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے مفہوم اور اس کی سرحدوں کا باقاعدہ تعین کردیا جائے کیونکہ اگر گفتگو کا مفہوم اور اس کی وسعت پوری طرح واضح نہ ہوئی تو اس کے خراب نتائج برآمد ہوسکتے ہیں ۔قرون وسطیٰ میں دارا شکوہ نے ادیان و مذاہب کی جو گفتگو چھیڑی تھی اس کی افسوسناک شکست اور ناکامیابی کی وجہ شاید اسی بات میں پوشیدہ تھی۔ درحقیقت گفتگو کا مفہوم پوری طرح واضح ہونا چاہئے۔ ہماری گفتگو اور مباحثہ وحدت (debate for unification) وصلح کل(universal peace)کے درمیان کیا فرق ہے؟ گفتگو کی ابتدا سے قبل مشابہ اصطلاحات کی مکمل وضاحت کے ساتھ گفتگو کے حقیقی مفہوم کی نشاندہی لازمی ہے تا کہ کسی غلط فہمی کا امکان ہی نہ رہ جائے ۔گفتگو درحقیقت مباحثہ (debate) نہیں ہے کیونکہ مباحثہ میں شریک دونوں گروہ اپنے اپنے موقف کی حقانیت اور مد مقابل موقف کی تردید میں سرگرم رہا کرتے ہیں۔ اسی طرح گفتگو درحقیقت مماشات یعنی ہاں میں ہاں ملانا (to walk together) اور تنازل یعنی اپنے مسلک سے دستبرداری بھی نہیں ہے کیونکہ گفتگو میں شامل کوئی بھی گروہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ مد مقابل کی خوشی کے لئے اپنے مذہب کے بنیادی اصولوں سے دستبردار ہوجائے بلکہ وہ اپنے مذہب کے بنیادی اصولوں پر مکمل ایمان واعتقاد کے ساتھ ان امور کے سلسلے میں تفاہم کا خواہاں ہوتا ہے جو دونوں جماعتوں کے لئے مشترکہ طور پر نگرانی کا باعث ہوا کرتے ہیں ۔گفتگو کے دوران ان مشترکات کی مکمل نشاندہی کے ذریعہ دونوں جماعتوں کے درمیان باہمی تعاون کی راہ ہموار کی جاتی ہے تا کہ شدت اختلاف میں خود بخود کمی واقع ہوجائے۔

سرد جنگ کے اختتام اور عالمی سطح پر مشرقی اشتراکی بلاک کے بکھراؤ کے بعد مغربی سرمایہ دارانہ نظام نے خود بخود یہ باور کرلیا کہ وہ اس معرکہ میں کامیاب ہوگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی وکالت کرنے والے دانشوروں کی طرف سے بار بار یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ مغربی سامراجیت نے دنیا کے تمام دوسرے مکاتب فکر پر غلبہ حاصل کرلیا ہے اور اس کی برابری کرنے والے دیگر مکاتب فکر پوری طرح ناکام ہوچکے ہیں ۔فوکویامہ نے ایک پریس انٹرویو کے دوران یہ اعلان کیا تھا کہ موجودہ زمانہ میں لوگ ہاتھ کی انگلی سے ووٹ نہیں دیتے بلکہ اپنے پیروں سے ووٹ دیتے ہیں۔ مشرق سے مغرب کی طرف اور شمال سے جنوب کی طرف مہاجرت کے ذریعہ لوگ مغربی آزاد خیال جمہوریت کی حمایت وطرفداری میں ووٹ ڈال رہے ہیں۔ اہل مغرب کا یہ دعویٰ درحقیقت تمدنوں

کے درمیان گفتگو جیسے موضوع سے وابستہ اور درج ذیل دو باتوں کی وجہ سے لائق غور وفکر ہے۔

ا۔ مشرق سے مغرب یعنی ترقی پذیر ملکوں ترقی یافتہ ملکوں کی طرف مہاجرت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ لوگ نظام سرمایہ داری اور مغربی جمہوریت کو دنیا میں موجود دیگر نظام حکومت پر فضیلت دیتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سامراجی ممالک نے دیگر ممالک کی لوٹ کھسوٹ کے ذریعہ غیر معمولی ترقی حاصل کرلی ہے۔ واضح رہے کہ جس ترقی کی بنیاد دیگر اقوام عالم کی لوٹ کھسوٹ اور تباہی وبربادی پر منحصر ہو وہ ترقی کبھی بھی فخر ومباہات کا سرمایہ نہیں بن سکتی ہے۔

۲۔ مختلف ادیان ومذاہب اور تہذیب وتمدن کے درمیان گفتگو میں شریک جماعتوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی عقائد اور اپنے ثقافتی معیاروں کو مد مقابل عقاید واقدار سے زیادہ اچھا تصور کریں۔ پس اگر مغربی سرمایہ دارانہ جمہوری نظام اپنی فضیلت پر نازاں ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اس نظام کی فضیلت وبرتری کو دنیا کی دوسری قوموں پر مسلط کرنا گفتگو کے بنیادی اصولوں کی اعلانیہ خلاف ورزی ہے۔ گفتگو کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ وہ گفتگو میں شامل دوسرے دین ومذہب کے بنیادی اصول اور تہذیب وتمدن کی بنیادی قدروں کا احترام کرتے ہوئے اپنے اصولوں کو فضیلت کا حامل تصور کرے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ان موضوعات اور اقدار کی نشاندہی بھی کرتا رہے جو دونوں مذہبوں اور تمدنوں کے درمیان مشترک ہیں تاکہ ان مشترکہ قدروں کو بنیاد قرار دیتے ہوئے باہمی احترام وتعاون کی فضا ہموار ہوسکے اور تباہ کن وانسانیت سوز ٹکراؤ کے بجائے آپسی اعتماد بحال اور اس تفاہم واعتماد سازی کی مدد سے بشریت کی ترقی وخوشحالی کا ماحول سازگار ہوجائے۔ اسلام جس گفتگو کا متقاضی رہا ہے اس کا مفہوم پوری طرح واضح اور اس کی سرحدیں پہلے سے معین ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں پیغمبر اکرمؐ سے منسوب یہ قول موجود ہے۔

''وَإِنَّا أَوْإِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ'' (سورہ سبا آیت ۲۴)

یعنی اور ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔

ہم ایسی دنیا میں زندگی بسر کررہے ہیں جس میں مختلف ادیان ومذاہب اور ثقافت وتمدن کی پیروی کرنے والے موجود ہیں اور ان ثقافتوں کو عظمت وسربلندی اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جبکہ ان کی پیروی کرنے والوں کے درمیان مثبت و پرامن رقابت کے ساتھ ہی ساتھ باہمی تعاون کا جذبہ بھی کارفرما ہو اور یہ کام بدگمانیوں کے ازالہ اور باہمی اعتماد سازی کے بغیر ناممکن ہے جس کے لئے

گفتگو لازمی ہے اور یہ گفتگو اور افہام وتفہیم کا حسین ترین انداز ہے کہ مخالف کو براہ راست مخالف کہنے کے بجائے اسے دعوت فکر دی جائے کہ بالآ خردو میں سے ایک جماعت تو گمراہ ضرور ہے تو اب سوچنا یہ ہے کہ دونوں میں سے گمراہ کون ہے؟ رسول اکرمؐ اپنی حقانیت پر مکمل اعتقاد وایمان کے حامل تھے پھر بھی انہوں نے گفتگو کے آداب وشرائط کی پیروی کرتے ہوئے خود کو مخالف کی صف میں کھڑا کرنے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہیں محسوس کی بلکہ اپنے لئے جرم اور مد مقابل کے لئے لفظ عمل کا استعمال کرتے ہوئے یہ ثابت کردیا کہ ان کا یہ انداز گفتگو اخلاقی دنیا کا عظیم شاہکار ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو پیغمبر کی اس سیرت پر عمل کرتے ہوئے ہم ایسی دنیا کی تخلیق کرسکتے ہیں جس میں جنگ وغارتگری اور تباہی ودہشت گردی نہ ہو اور دنیائے بشریت حقیقی امن وسلامتی کی راہ پر گامزن ہو اور اگر حق بیں نگاہوں سے دیکھا جائے تو درحقیقت یہی ''راہ اسلام'' ہے۔ والسلام

چیف ایڈیٹر

محمد حسین مظفری

اسلامی انقلاب کے قائد عظیم الشان
حضرت آیت اللہ العظمی سیّد علی حسینی خامنہ ای
کا پیـــغام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَإِذَا قَضَيْتُم مَنَاسِكَكُم فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ ءَابَآءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْراً۔

یعنی پھر جب سارے مناسک تمام کرلو تو خدا کو اسی طرح یاد رکھو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (سورۂ بقرہ۔۲۰۰)

مسلمان بھائیو اور بہنو!

ایام حج درحقیقت امید ونوید کے دن ہیں۔ مراسم ومناسک حج کے دوران ایک طرف خانۂ توحید کے مسافروں کے درمیان موجود ہمبستگی کی عظمت وشان وشوکت لوگوں کے دلوں کو امید سے معمور کردیتی ہے اور دوسری طرف ذکر الٰہی کی برکت سے لوگوں کو جو طراوٹ وتازگی حاصل ہوتی ہے اس سے رحمت خداوندی کے دروازوں کے کھلنے کی خوشخبری فراہم ہوتی ہے۔

رمزوراز سے مالا مال ان مناسک حج کی ادائگی کے بعد جو بذات خود خشوع وخضوع اور ذکر الٰہی سے بھرپور ہوتے ہیں، حاجیوں کو دوبارہ ذکر خدا کی طرف مدعو کیا جارہا ہے اور اس تاکید کی وجہ یہ ہے کہ یاد خدا افسردہ دلوں کو تازگی وخوشحالی عطا کرتی ہے اور بندگان خدا کے قلوب ایمان اور امید کے نور سے منور ہوجاتے ہیں اور جب دل امید اور ایمان سے لبریز ہوتا ہے تو وہ آدمی کو مکروفریب اور لغزشوں سے بھرے ہوئے پر پیچ راستوں کو طے کرنے اور کامیابی وکامرانی کی منزلوں تک رسائی حاصل کرنے کی صلاحیت عطا کردیتا ہے۔ حج کی معنویت اسی ذکر خداوندی میں ہے جس کو اعمال حج کی روح میں پوری طرح شامل کردیا گیا ہے لہٰذا ذکر الٰہی کے اس بابرکت ومبارک سرچشمہ کو مراسم حج کے اختتام کے بعد بھی جاری رہنا چاہئے اور حج کے دوران جو نعمتیں حاصل ہوئی ہیں انھیں قائم وباقی

رہنا چاہئے۔ آج انسان زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی غفلتوں کی قربانی بنا ہوا ہے۔ جہاں غفلت ہے وہاں اخلاقی پستی و نابودی ،فکری انحراف اور روحانی شکست کی موجودگی ضروری ہے اور یہی وہ نقصانات ہیں جن کی وجہ سے دھیرے دھیرے لوگوں کی شخصیت مضمحل وافسردہ ہوجاتی ہے ۔اس کے علاوہ اقوام کی شکست اور تمدنوں کے درمیان انتشار وبکھراؤ کا سبب بھی انھیں نقصانات میں پوشیدہ ہے۔ حج اس غفلت سے نجات ودوری حاصل کرنے والی اہم اسلامی تدبیروں میں سے ایک ہے۔ مراسم حج کے بین الاقوامی ہونے کی وجہ سے حج دنیا والوں تک یہ پیغام پہونچانا چاہتا ہے کہ ہر مسلمان کے انفرادی فریضہ سے الگ ہٹ کر اجتماعی حیثیت واعتبار سے امت اسلامیہ پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ غفلت وگمراہی سے دوری وعلیحدگی اختیار کئے رہے۔ اس الٰہی فریضہ کے دوران موجود عبادتیں اور مناسک حج کے سایہ میں ہم لوگوں کو یہ موقع حاصل ہوتا ہے کہ ہم اپنی غفلت آمیز وابستگی اور ذلت آمیز اسارت وغلامی ،لذت پسندی ، ہوس پرستی اور عیش عشرت طلبی سے دوری وعلیحدگی اختیار کرلیں۔ مراسم حج کے دوران احرام وطواف ، نماز وسعی اور وقوف ہم لوگوں کو خدا کی یاد سے مالامال بناتے ہوئے ہمیں الٰہی سرحدوں سے نزدیک کردیتا ہے اور ہم خداوندعالم سے عشق ومحبت کی لذت سے بخوبی آشنا ہوجاتے ہیں۔

دوسری طرف اس عدیم المثال اجتماع کی شان وشوکت ہم لوگوں کوعظیم الشان ملت اسلامیہ عالم کی ان حقیقتوں سے آشنا کردیتی ہے جوقومی،نسلی ، رنگی اور زبانی سرحدوں سے بہت آگے ہے۔حجاج کرام کی یہ جماعت غیرمعمولی ہم آہنگی کی حامل ہے اور ان حاجیوں کی زبانیں ایک ہی ترانہ گنگناتی ہیں اور یہ تمام انسانی جسم وقلب ایک ہی قبلہ کی طرف متوجہ ہوا کرتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر دسیوں ملکوں کی نمائندگی کررہے ہیں لیکن یہ سب ایک ہی مجموعہ سے وابستہ ہیں اور وہ عظیم مجموعہ امت اسلامیہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امت اسلامیہ اپنی زندگی کی ایک لمبی مدت عالم غفلت میں بسر کرچکی ہے اور ہماری موجودہ علمی وعملی پسماندگی اور سیاست وتجارت ، اورصنعت واقتصاد کے میدان میں ہماری مفلوک الحالی وبے سروسامانی در اصل ہماری ماضی کی غفلتوں اور گمراہیوں کا تلخ نتیجہ ہیں اور آج عالمی سطح پر جو اہم حوادث وحالات رونما ہوچکے ہیں یا رونما ہونے والے ہیں ان کو نگاہ میں رکھتے ہوئے امت اسلامیہ کے لئے یہ لازمی ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی گذشتہ غفلتوں اورکوتاہیوں کی تلافی کرے ۔ یہ ہماری خوش قسمتی کی بات ہے کہ عصر حاضر میں رونماہونے والے بعض حوادث

تلافی طلب تحریک کی شروعات کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج عالمی سامراج مسلمانوں کی بیداری، مسلمانوں کے درمیان موجود اسلامی اتحاد اور علم ودانش نیز سیاست وایجادات کی دنیا میں مسلمان قوموں کی حالیہ ترقی کو اپنے عالمی تسلط اور غلبہ کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ محسوس کرتا ہے اور اس کی مخالفت ونابودی میں ہمہ تن سرگرم ہے۔ سابقہ اور جدید سامراجیت کے دور میں ہونے والے تجربات آج مسلمانوں کی نگاہوں کے سامنے موجود ہیں۔ یہ جدید ترین سامراجیت کا زمانہ ہے اور ہمیں اپنے تجربوں سے درس حاصل کرنا چاہئے اور دشمن کو دوبارہ پہلے سے زیادہ مدت کے لئے اپنی تقدیر پر ہرگز مسلط نہ ہونے دینا چاہئے۔

گذشتہ تلخ وتاریک دور میں مغربی سامراجیت نے مسلمان قوموں اور ملکوں کو کمزور اور پسماندہ بنائے رکھنے کے لئے ہر ممکن ثقافتی، اقتصادی، سیاسی اور فوجی ہتھکنڈوں کا بھرپور استعمال کیا اور ان پر تفرقہ وفقر اور جہالت ومفلوک الحالی مسلط کردیا۔ ہمارے اکثر سیاسی رہنماؤں کی کمزور نفسی، غفلت اور کاہلی اور ہمارے اکثر ثقافتی ماہرین کی ذمہ داریوں سے دوری وعلیحدگی نے ان سامراجی طاقتوں کی بھرپور مدد کی جس کا نتیجہ ہماری دولت وثروت کی تباہی وغارتگری اور امت اسلامیہ کی ذلت ورسوائی کی صورت میں برآمد ہوا اور ہم اپنی شناخت اور اپنی آزادی سے پوری طرح محروم ہوگئے۔ مسلمان قوم کی حیثیت سے ہم روز بروز کمزور ہوتے چلے گئے اور غیر معمولی لوٹ کھسوٹ میں سرگرم لٹیروں کی تسلط طلب خواہشات میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا اور یہ لٹیرے پہلے سے زیادہ طاقتور ہوتے رہے لیکن آج مجاہدوں کی غیر معمولی قربانی اور رہنماؤں کی صداقت وشجاعت کی وجہ سے اسلامی دنیا کے بعض حصوں میں اسلامی بیداری کو غیر معمولی وسعت ومقبولیت حاصل ہوچکی ہے اور اکثر اسلامی ممالک کے نوجوان عوام اور ان کا دانشور طبقہ میدان عمل میں موجود ہے اور اکثر مسلمان حکمرانوں اور سیاسی ماہروں نے اقتدار طلب غداروں کو اچھی طرح سے پہچان لیا ہے اور ان کے تمام اسلام دشمن ہتھکنڈے ناکام ہوچکے ہیں۔ اسی وجہ سے عالمی سامراجیت کے سربراہوں نے ملت اسلامیہ پر اپنے دیرینہ تسلط کو قائم رکھنے کے لئے نئے ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا شروع کردیا ہے تاکہ ان کے ناجائز اقتدار کی تقویت ہوتی رہے۔

انسانی حقوق کی حمایت اور جمہوریت پسندی کا نعرہ ان نئے سامراجی ہتھکنڈوں میں سے ایک ہے۔ آج بڑا شیطان انسانیت دشمن بیرحمیوں اور شرارتوں کا مجسمہ بنا ہوا ہے۔ اپنے ہاتھ میں انسانی

حقوق کی طرفداری کا پرچم لئے ہوئے مشرق وسطیٰ کے عوام کو جمہوریت کی دعوت دے رہا ہے۔ ان ملکوں میں امریکی جمہوریت کے قیام کا مطلب یہ ہے کہ ان ملکوں پر ایسے امریکہ غلام حکمرانوں کو سازش، رشوت، جھوٹے پروپگنڈہ اور بظاہر عوامی لیکن بباطن امریکی چناؤ کی مدد سے مسلط کردیا جائے تاکہ یہ حکام ہمیشہ امریکہ کی فرمانبرداری میں سرتسلیم خم کئے رہیں اور امریکی سامراجی مقاصد کی تکمیل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہونے پائے۔

ان سامراجی مقاصد میں اسلام پسندی کی تحریک کی سرکوبی اور اسلامی قدروں کو گزشتہ تنہائی وگمنامی میں ڈھکیلنا سرفہرست ہے۔ آج تمام امریکی اور دیگر تسلط پسند واقتدار پرست سیاسی وتبلیغاتی وسائل کے ذریعہ اسلامی بیداری کی تحریک کو التوا میں ڈالنے یاپوری طرح کچل دینے کی کوشش کی جارہی ہے لہٰذا اسلامی قوموں کو آج مکمل ہوشیاری اور غیر معمولی سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے حالات پر بھرپور نگاہ رکھنی چاہئے۔ آج عالموں، ومذہبی رہنماؤں، دانشوروں، مفکروں، یونیورسٹی کے پروفیسروں، مصنفوں، شاعروں، فنکاروں۔ ماہروں اور نوجوانوں کو ہوشیاری اور بروقت اقدام سے کام لینا چاہئے اور عالمی سطح پر لوٹ کھسوٹ اور خورد و بُرد کرنے والے امریکہ کو یہ موقع نہ دینا چاہئے کہ وہ اسلامی دنیا پر اپنے تسلط کے نئے دور کی شروعات کرسکے۔

ان اقتدار پسندوں کی زبان سے جمہوریت طلبی کا نعرہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے جو برسوں سے ایشیاء، افریقہ اور امریکہ میں تانا شاہی حکومتوں کا دفاع کرتے چلے آرہے ہیں۔ قتل وغارتگری اور دہشت گردی کے خلاف جدوجہد کا دعویٰ ان لوگوں کو زیب نہیں دیتا ہے جو صہیونی دہشت گردی کے مروج وعلمبردار اور عراق و افغانستان میں قتل وغارتگری اور انسانیت سوز گھناؤنے مظالم کا بازارگرم کئے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ تہذیبی اور تمدنی حقوق کی طرفداری کے دعویدار کیسے ہوسکتے ہیں جو شارون جیسے ظالم وخونخوار کو فلسطین کے بے گناہ عوام پر برسوں سے مسلط کئے ہوئے ہیں اور آئے دن ان ظالموں کی وحشیانہ روش کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔ درحقیقت حقوق بشر اور جمہوریت کی حمایت کا دعویٰ ایک ایسا فریب ہے جس پر لعنت وملامت کرنا واجب ہے۔ گوانتا نامو وابوغریب اور یوروپ کے خفیہ قید خانوں میں وحشیانہ مظالم کرنے والے، ملت عراق وفلسطین کی ذلت ورسوائی کی زمین ہموار کرنے والے اور سرزمین عراق وافغانستان میں مسلمانوں کے خون کی پیاسی نام نہاد اسلامی جماعتوں کی ایجاد کرنے والے لوگوں کو قطعی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ انسانی حقوق جیسا لفظ اپنی زبان سے

دہرا سکیں۔ امریکہ اور برطانیہ کی حکومتیں ملزموں پر صرف جبر وجور ہی نہیں بلکہ سڑکوں پر ان کے قتل عام کو بھی جائز اور قانونی سمجھتی ہیں اور عدالتی حکم کے بغیر عام شہریوں کی ٹیلیفون پر ہونے والی گفتگو کو چھپا کر سننا بھی جائز تصور کرتی ہیں۔ آخر ایسی حکومتیں خود کو انسانی حقوق کا محافظ کیسے قرار دے سکتی ہیں۔ وہ حکومتیں جو کیمیاوی اور ایٹمی اسلحوں کی ایجاد اور عصر حاضر میں ان کے استعمال کے ذریعہ اپنی عصری تاریخ کے چہرہ کو سیاہ کر چکی ہیں وہ خود کو ایٹمی اسلحوں کی روک تھام کرنے والی جماعت کا متولی کیسے بنا سکتی ہیں۔

مسلمان بہنو اور بھائیو!

آج دنیا بالخصوص اسلامی دنیا نہایت حساس دور سے گزر رہی ہے ایک طرف پوری اسلامی دنیا میں بیداری کی لہر دوڑ رہی ہے اور دوسری طرف امریکہ اور دیگر استکباری وسامراجی طاقتوں اور حکومتوں کا غدار چہرہ جھوٹ اور ریاکاری کے پردے سے باہر آ چکا ہے۔ ایک طرف دنیائے اسلام کے بعض حصوں میں اقتدار وشناخت کی بازیابی کے لئے ایک تحریک کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور اسلامی جمہوریۂ ایران جیسے باعظمت ملک میں علم ودانش اور آزاد تکنیکی مہارت کے پودے دوبارہ لگائے جا چکے ہیں اور جس اعتماد نفس نے ملک گیر پیمانے پر سیاسی اور سماجی ماحول کو دگرگوں کر ڈالا تھا اس نے علم وتعمیر کی راہ اختیار کر لی ہے اور دوسری طرف دشمنوں کی سیاسی اور فوجی سجاوٹ میں کمی اور زوال کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ آج ایک طرف عراق اور دوسری طرف فلسطین ولبنان امریکہ اور صہیونیت کی مشہور طاقت کی عاجزی اور کمزوری کی نمائش گاہ کا رنگ وروپ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے سلسلے میں امریکی سیاست اپنے ابتدائی مرحلوں میں ہی بڑی رکاوٹوں سے دوچار ہے اور اس سیاست کی ناکامی اس کے منصوبہ سازوں کے خلاف ایک اسلحہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ آج مسلمان اقوام اور حکومتیں کوئی بھی ابتکاری اور ایجاداتی کام بذات خود انجام دے سکتی ہیں اور کوئی بڑا اور اہم کام شروع کر سکتی ہیں۔ مظلوم فلسطینی عوام کی حمایت وطرفداری، بیدار عراقی عوام کی حمایت، شام لبنان ودیگر ملکوں کے استحکام واستقلال کی محافظت ہم سبھی لوگوں کا فریضہ ہے اور اس سلسلے میں مذہبی سیاسی ماہرین، قومی وثقافتی افراد، جوانوں اور یونیورسٹی کے پروفیسروں کی ذمہ داری سماج کے دیگر طبقے کے لوگوں کی ذمہ داری سے کہیں زیادہ ہے۔ اسلامی مذاہب کی پیروی کرنے والوں کے

درمیان وحدت و ہمدلی اور قومی و فرقہ وارانہ اختلافات سے پرہیز ان سیاسی و مذہبی ماہروں کا سب سے نمایاں نعرہ ہونا چاہئے۔ ان لوگوں کو علمی ایجاد و تازگی و سیاسی نشاط و نو آوری و خوشحالی حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ ثقافتی کوشش کرنی چاہئے اور ان مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنی ساری طاقت و صلاحیت کا بھرپور استعمال کرنا چاہئے اور اپنے دعوتی منصوبے میں ان مقاصد کو اولیت دینی چاہئے۔

اسلامی دنیا عوام کی حاکمیت اور انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے مغرب کے بیکار اور بے سود نسخوں کا محتاج نہیں ہے۔ عوام الناس کی حاکمیت اسلامی اور انسانی حقوق کی تعلیمات میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ علم و دانش کو صاحبان علم و دانش سے حاصل کرنا چاہئے خواہ وہ کہیں اور کسی کے پاس ہو۔ واضح رہے کہ ہمیشہ شاگردی کی زندگی نہ بسر کرنی چاہئے بلکہ ہمت و حوصلہ کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایجاد و انکشافات اور نو آوری کے میدان میں آگے قدم بڑھانا لازمی ہے۔ مغربی قدروں نے مغربی دنیا کے ملکوں میں اخلاقی زوال و بکھراؤ، شہوت پسندی کی ترویج ، دہشت گردی اور ہم جنس بازی و دیگر فاسد حرکتوں کا جو بازار گرم کر رکھا ہے وہ ہم مسلمانوں کے لئے قطعی ناقابل تقلید ہے۔ اسلام اپنی عظیم قدروں کے ساتھ بنی نوع انسان کی نجات کا بہترین وسیلہ ہے۔ دیگر اقوام عالم کے ماہرین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ان قدروں کا دوبارہ مطالعہ کریں اور ان کو اپنے معاشرہ میں رائج کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

اندھی اور وحشیانہ دہشت گردی نے آج عراق کے غاصبوں کا دامن تھام رکھا ہے اور اس اسلامی ملک پر اپنے فوجی تسلط کو قائم رکھنے کے لئے بہانہ کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتی ہے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ ایک نامناسب اور مذموم حرکت ہے موجودہ حوادث کے سب سے پہلے ملزم امریکی و اسرائیلی فوجی اور جاسوسی کے ماہرین ہیں کیونکہ یہ دونوں گروہ عراق میں حکومت کی تشکیل کے لئے اختیار کی گئی راہ و روش پر پوری طرح اثر انداز ہیں بلکہ یہ کام ان کے خباثت آمیز مقصد سے بہت قریب ہے۔

برادران و خواہران مسلمان!

امت اسلامیہ عالم کے جملہ عظیم مقاصد کی کامیابی کی ضمانت خداوند عالم پر توکل و اٹوٹ بھروسہ، قرآنی وعدہ کے حتمی اور یقینی ہونے کا اعتماد اور اسلامی اتحاد کا استحکام ہے ''ذکر اللہ' جیسے غنی اور کارساز

درمیان وحدت و ہمدلی اور قومی وفرقہ وارانہ اختلافات سے پرہیز ان سیاسی و مذہبی ماہروں کا سب سے نمایاں نعرہ ہونا چاہئے۔ ان لوگوں کو علمی ایجاد وتازگی وسیاسی نشاط و نو آوری وخوشحالی حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ ثقافتی کوشش کرنی چاہئے اور ان مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنی ساری طاقت وصلاحیت کا بھرپور استعمال کرنا چاہئے اور اپنے دعوتی منصوبے میں ان مقاصد کو اولیت دینی چاہئے۔

اسلامی دنیا عوام کی حاکمیت اور انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے مغرب کے بیکار اور بے سود نسخوں کا محتاج نہیں ہے۔ عوام الناس کی حاکمیت اسلامی اور انسانی حقوق کی تعلیمات میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ علم ودانش کو صاحبان علم و دانش سے حاصل کرنا چاہئے خواہ وہ کہیں اور کسی کے پاس ہو۔ واضح رہے کہ ہمیشہ شاگردی کی زندگی نہ بسر کرنی چاہئے بلکہ ہمت وحوصلہ کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کارلاتے ہوئے ایجاد وانکشافات اور نو آوری کے میدان میں آگے قدم بڑھانا لازمی ہے۔ مغربی قدروں نے مغربی دنیا کے ملکوں میں اخلاقی زوال وبکھراو، شہوت پسندی کی ترویج ، دہشت گردی اور ہم جنس بازی ودیگر فاسد حرکتوں کا جو بازار گرم کررکھا ہے وہ ہم مسلمانوں کے لئے قطعی ناقابل تقلید ہے۔ اسلام اپنی عظیم قدروں کے ساتھ بنی نوع انسان کی نجات کا بہترین وسیلہ ہے۔ دیگر اقوام عالم کے ماہرین کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ان قدروں کا دوبارہ مطالعہ کریں اور ان کو اپنے معاشرہ میں رائج کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

اندھی اور وحشیانہ دہشت گردی نے آج عراق کے غاصبوں کا دامن تھام رکھا ہے اور اس اسلامی ملک پر اپنے فوجی تسلط کو قائم رکھنے کے لئے بہانہ کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتی ہے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ ایک نامناسب اور مذموم حرکت ہے موجودہ حوادث کے سب سے پہلے ملزم امریکی واسرائیلی فوجی اور جاسوسی کے ماہرین ہیں کیونکہ یہ دونوں گروہ عراق میں حکومت کی تشکیل کے لئے اختیار کی گئی راہ وروش پر پوری طرح اثر انداز ہیں بلکہ یہ کام ان کے خباثت آمیز مقصد سے بہت قریب ہے۔

برادران وخواہران مسلمان!

امت اسلامیہ عالم کے جملہ عظیم مقاصد کی کامیابی کی ضمانت خداوند عالم پر توکل واٹوٹ بھروسہ، قرآنی وعدہ کے حتمی اور یقینی ہونے کا اعتماد اور اسلامی اتحاد کا استحکام ہے'' ذکر اللہ' جیسے غنی اور کارساز

سرمایہ سے مالا مال حج بیت اللہ کا یہ فریضہ اور مناسک حج کے دوران حاجیوں کا یہ عظیم الشان اجتماع عظیم اسلامی مقاصد میں سربلندی کے لئے کوشاں تحریک کا بہترین آغاز ہوسکتا ہے اور اس جگہ سے یہ عظیم اسلامی تحریک عظمتوں اور بلندیوں کی طرف پرواز کرسکتی ہے اور مراسم حج کے دوران عالمی کفرو استکبار یعنی سامراج سے برأت وبیزاری کو اس مقصد کی راہ میں پہلا قدم اور نمونۂ عمل کا درجہ حاصل ہے۔ میں آپ سبھی محترم حاجیوں اور مسلمانوں کے لئے توفیقات الٰہی اور حضرت ولی اللہ اعظم کی دعا کا طالب ہوں۔

والسّلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

سید علی خامنه ای

گفتگو

ادیان و مذاہب کے درمیان گفتگو
اور
عالم اسلام

محمد حسین مظفری

انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد اہل مغرب کے ذہن میں مذہب اسلام کی تصویر کافی طاقتور دکھائی دینے لگی ہے۔ یہ تصویر بالکل بناوٹی اور ان کی خود ساختہ ہے اور اس کو علمی مراکز ، یونیورسٹیوں اور وسائل ابلاغ کی حمایت حاصل ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ آج لفظ اسلام سنتے ہی اہل مغرب کا ذہن جہاد، دہشت گردی، خون خرابہ، قتل و غارتگری، نسل پرستی، خواتین پر ظلم وستم اور انسانی حقوق کی پامالی جیسے مفاہیم کی طرف خود بخود متوجہ ہوجاتا ہے۔ درحقیقت مغربی دنیا میں واقع یونیورسٹیوں اور علمی وتحقیقی مرکزوں میں سیاسی اور سماجی علوم کے ماہرین بھاری بجٹ اور سرمایہ کے ساتھ ہمہ تن سرگرم ہیں تا کہ ان امور کے سلسلے میں کوئی محققانہ اصول ونظریہ قائم کرسکیں۔ دوسری عبارت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان دنوں مغرب میں علمی و دینی ودانشگاہی مراکز میں دیگر ادیان ومذاہب کی تردید وتکذیب کا بازار گرم ہے اور اکثر سیاسی ماہرین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام ایک رقیب سیاسی طاقت کی حیثیت سے مغربی دنیا کی بنیادی قدروں کے لئے ایک بڑا خطرہ بن گیا ہے۔

دوسری طرف ، سرد جنگ کے اختتام اور آزاد خیال مغربی جمہوریت کے مشترکہ دشمن کے اضمحلال کے بعد یہ پریشانی اٹھ کھڑی ہوئی ہے کہ ایک مشترکہ دشمن کی ناموجودگی کی وجہ سے ممکن ہے کہ مغربی دنیا کا اتحاد خطرہ میں پڑجائے اور ایک رقیب کے نہ ہونے کی وجہ سے مغربی تہذیب کی ترقی اور ہمہ گیریت کی رفتار سست اور اس کے زوال کا سلسلہ شروع ہوجائے۔ اسی وجہ سے ''تہذیبوں کے درمیان ٹکراؤ'' کو نہ صرف ایک علمی نظریہ بلکہ'' جدید عالمی نظام'' کی تشکیل پر مبنی عملی منصوبہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کیونکہ ایک طاقتور سیاسی رقیب کے نہ ہونے کی صورت میں حقیقی دشمن کو

''سبز خطرہ'' اور ''اسلامی دھمکی'' کو زیادہ سے زیادہ بڑھا چڑھا کر اور زیادہ نمایاں انداز میں پیش کرنا ہی چاہئے تاکہ مغربی تہذیب کی وحدت ویگانگت اور بالادستی وترقی وتیز رفتاری پوری طرح محفوظ رہ جائے۔

پس دنیا کے اکثر مصلحین ومفکرین اپنی نیک نیتی کی وجہ سے اس دھمکی کو خیالی اور غیر واقعی ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے سلسلے میں اہل مغرب نے جو نظریہ قائم کررکھا ہے وہ بالکل غلط اور غلط فہمی کی بنیاد پر ہے۔ یہ خیر اندیش مفکرین اس حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہیں کہ مغربی دنیا اس غلط فہمی کی سخت محتاج ہے کیونکہ ۲۱ ویں صدی میں پوری دنیا پر مغربی تسلط اور غلبہ کا راز اسی غلط فہمی میں مضمر ہے۔

'' اختتام تاریخ'' فوکویامہ اور ہنٹنگٹن کے ذریعہ پیش کئے گئے '' تہذیبوں کے درمیان ٹکراؤ'' جیسے نظریہ سے لیکر ۱۱رستمبر ۲۰۰۱ کو نیو یارک میں واقع عالمی تجارتی مرکز کی عمارت پر ہونے والے حملات اور بم دھماکوں تک جو حوادث منظر عام پر آئے ہیں وہ درحقیقت ایک ہی منظر کی مختلف جھلکیاں اور ایک عملی منصوبہ کے مختلف مراحل کی حیثیت رکھتے ہیں ہیں جن کا بنیادی مقصد مغربی تہذیب کو زوال ونابودی کے خطرے سے محفوظ رکھنا ہے۔ اگر اتفاقاً یہ تجزیہ درست ثابت ہوجائے تو پھر تلخ سیاسی مسکراہٹوں کے ساتھ آئے دن منعقد ہونے والے یہ اجتماعات واجلاس صرف ایسے محفل مغازلہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو بھیڑیا اور بھیڑ (بھینس) کے درمیان انجام پاتا ہے اور جس عاشقانہ گفتگو کے دوران خونخوار بھیڑیا معصوم بھیڑوں اور بکریوں کی ادیبانہ توصیف وتعریف پیش کرتا ہے اور دوسری معصوم بکری سامنے موجود بھیڑیے کو یہ باور کرانے میں لگی رہتی ہے کہ دیکھو میرے تو سینگ بھی نہیں نکلی ہے اور اگر اس کی کوئی علامت دکھائی دیتی ہے تو اس کا مقصد محض دفاعی ہے اور فقط ذاتی مجاہدہ کے لئے ہی اس کو استعمال کرتا ہے۔ افسوس کہ اس زمانہ میں عبید ذاکانی جیسا مزاحیہ شاعر موجود نہیں ہے جو اس عاشقانہ مکالمہ کو اپنے قصیدہ میں جگہ دے۔

سردست جو مسلمان مفکرین شریعت کو عصری تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ قرآن مجید میں موجود آیات جہاد کو'' جہاد نفس'' یا'' دفاعی جہاد'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جس کو مغربی دانشور طبقہ والے معذرت آمیز روش (appologetic approach) قرار دیتے ہیں اور ان مصلحانہ کوششوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں۔ لیکن اگر آج کچھ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مغرب کا

یہ احساس خطر درحقیقت دین اسلام اور مسلمانوں کی تہذیب سے ان لوگوں کی نا واقفیت کی وجہ سے ہے تو ایسی صورت میں ادیان ومذاہب اور فرہنگ وتمدن کے درمیان گفتگو ضروری ہوجاتی ہے تاکہ اس وحشی کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے مسلمانوں کو مہلک خطروں سے محفوظ رکھا جاسکے۔

ادیان کی گفتگو کا تاریخی پس منظر

اسلام اور عیسائیت کے درمیان گفتگو کا خیال ۱۹۲۳ میں پیدا ہوا۔ حکومت فرانس نے اپنے کچھ نمائندوں کو الازھر یونیورسٹی، مصر بھیجا اور یہ تجویز پیش کی کہ ابراہیمی ادیان کے درمیان وحدت واتحاد قائم کرنے کے لئے ایک عالمی کانفرنس تشکیل دی جائے۔ اس کے بعد ۱۹۳۳ میں پیرس کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا جس میں ترکی، اسپین، پولینڈ، اٹلی، امریکہ، سوئٹزر لینڈ، برطانیہ اور فرانس کی یونیورسٹیوں سے وابستہ مبلغین اور ماہرین علوم شرقیہ نے شرکت کی تھی۔ دوسری عالمی جنگ سے قبل ۱۹۳۶ میں ایک ادیان کانفرنس منعقد ہوئی اس کے بعد ادیان کے درمیان مذاکرہ کا دوسرا مرحلہ ۱۹۶۴ میں شروع ہوا جس میں پوپ پالس ششم کا پیغام بھی پیش کیا گیا جس میں انھوں نے مختلف ادیان ومذاہب کے ماننے والوں کو گفتگو کی دعوت دی تھی۔ اس دعوت کے بعد ۱۹۶۹ میں واٹیکن شہر سے ایک کتاب بھی شائع ہوئی جس کا عنوان تھا ''عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان گفتگو کے بنیادی اصول''۔ ۱۹۸۰ اور ۱۹۹۰ کی دہائیوں کے درمیان ادیان ومذاہب اور فرہنگ وتمدن کے درمیان گفتگو پر مشتمل تیرہ اجلاس منعقد ہوئے جن میں سب سے زیادہ اہم ''دین اور صلح'' عنوان کے تحت منعقد ہونے والا دوسرا عالمی اجتماع ہے جو بیلجیم میں منعقد ہوا تھا اور جس میں مختلف ادیان ومذاہب کے ۴۰۰ سے زیادہ مندوبین نے شرکت کی تھی۔ دوسرا اہم اجتماع قرطبہ کانفرنس کے نام سے ۱۹۷۴ میں اسپین میں منعقد ہوا تھا جس میں ۲۳ عیسائی اور اسلامی ملکوں کے مندوبین موجود تھے۔ اس کے بعد ۱۹۷۹ میں ٹونس (Tunisia) کے قرطاج نامی علاقے میں ایک اسلامی۔عیسائی اجلاس منعقد ہوا تھا۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ ۱۹۹۳ میں جارڈن میں عرب اور یورپی ممالک کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۹۴ میں شہر خرطوم میں ادیان کانفرنس ہوئی۔ پھر ۱۹۹۵ میں دو ادیان کانفرنس کی تشکیل عمل میں آئی۔ ان میں سے ایک سویڈن کے اسٹاک ہوم میں اور دوسری جارڈن کے عمان نامی شہر میں منعقد ہوئی۔ اس

کے بعد بھی جارڈن میں آل البیت یونیورسٹی میں ۱۹۹۶ میں اسلامی دیورپی ملکوں کے درمیان ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔

اسلامی وعیسائی مذاکرات کا دسواں دور ۲۸ لغایۃ ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۲ میں بحرین میں منعقد ہوا جس میں فقط علماء ہی نہیں بلکہ تحریک مذاکرہ ادیان سے جڑی ہوئی بعض عظیم شخصیتون نے بھی بھرپور شرکت فرمائی۔ان سبھی کانفرنسوں کے انعقاد کا اہم ترین مقصد اور بنیادی سبب یہ تھا کہ ادیان کے درمیان اس گفتگو کی وجہ سے باہمی تال میل پیدا ہوجائے اور کمیونزم کے ذریعہ تمام مذاہب کو جو خطرہ محسوس ہورہا تھا وہ زیادہ موثر ثابت نہ ہو۔سبھی ادیان کی پیروی کرنے والوں نے یہ ضروری سمجھا کہ کفرو بے دینی کے مدمقابل اقدام کرنا لازمی ہے اور اس کام کے لئے ایک مشترکہ محاذ کی تشکیل زیادہ کارآمد ثابت ہوگی۔

مقاصداور کامیابیاں

ہم لوگ جس دنیا میں زندگی بسر کررہے ہیں وہ ''عالمی'' خصوصیات اوردیگر مختلف پہلوؤں کی حامل ہے۔چنانچہ مالی اور صنعتی شعبوں میں ہم ''عالمی تجارت'' اور ''عالمی اقتصاد'' کی بات کرتے ہیں اور سیاست کے میدان میں ''عالمی حکومت'' اور ''عالمی برادری'' کی اصطلاح رواج پاچکی ہے۔فوجی شعبہ میں بھی '' عالمی محافظین صلح '' جیسی عبارت اور علاقائی وعالمی سطح پر باہمی اتحاد عصری ضرورت کا رنگ و روپ اختیار کرچکی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ کے دیگر شعبوں کی طرح مذہب نے بھی عالمی حیثیت اختیار کرلی ہے۔اگرچہ عالمی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سے مختصر سے حصے نے ادیان و مذاہب کو ایسے بے مثال مواقع فراہم کردئے ہیں جس کو استعمال کرتے ہوئے ادیان ومذاہب کی سعادت آمیزی کو بڑی آسانی سے ساری دنیا تک پہونچایا جاسکتا ہے لیکن اس کے بعض حصے مذہبی معاشرہ کی پریشانی کا باعث بن گئے ہیں۔

۱۱رستمبر کو رونما ہونے والے حملات کے گہرے سایہ اور دنیا پر چھائی ہوئی جنگی فضا میں ۴ اور ۵ اکتوبر ۲۰۰۱ کو اسلام اور عیسائیت سے وابستہ ایک اجلاس روم میں منعقد ہوا جس میں عالم اسلام کی عظیم مذہبی اور علمی شخصیتوں کے علاوہ نامور مسلم دانشوروں نے بھی شرکت کی جیسے مفتی مصر نصر فرید واصل،شیخ یوسف قرضاوی، ڈاکٹر احمد کمال ابو المجد، مصری ماہر قانون ڈاکٹر محمد سلیم العواء، ڈپٹی چیف

ایڈیٹر الاحرام اور یونیورسٹی پروفیسر فہمی ہویدی، شیخ زائد بن سلطان کے ثقافتی مشیر عز الدین ابراہیم، تنظیم اسلامی کانفرنس کے سکریٹری ڈاکٹر عبد اللہ نصیف، موریتانا کے سابق ثقافتی وزیر ڈاکٹر محمد ولد، الجزائر کے سابقہ وزیر خارجہ احمد طاہر ابراہیمی اور دیگر علماء کرام وغیرہ۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر عبد المجید نے اعلان کیا کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں اب تک سیکڑوں اجلاس منعقد ہو چکے ہیں جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی اور ان اجلاس میں مختلف تمدنوں کے درمیان اور فوری اور لگاتار گفتگو پر کافی زور بھی دیا گیا۔ ان اجلاس کے دوران مذاہب اور تمدنوں کے درمیان مشترکہ پہلوؤں کی نشاندہی بھی ہوئی تھی لیکن اس بات کا قوی امکان ہے کہ ۱۱ر ستمبر کو رونما ہونے والے حوادث کی وجہ سے ان کامیابیوں کا بالکل خاتمہ ہو جائے اور دنیا پھر مقام صفر پر واپس آجائے۔ حالانکہ ان دھماکوں سے قبل تنظیم اقوام متحدہ کی جانب سے ایک دستاویز تیار کیا جا چکا تھا جس کی روشنی میں ایک ایسی خصوصی تنظیم کی تشکیل ہوئی تھی جو تمدنوں کے درمیان گفتگو کی تقویت وحمایت کا کام انجام دیتی۔ ان اجتماعات کے دوران بہت سی تجاویز منظور ہوئیں۔ ذیل میں بعض سفارشات کا خلاصہ حاضر خدمت ہے۔

۱۔ توحیدی اور ابراہیمی ادیان کے درمیان مشترک پہلوؤں بالخصوص عقیدہ واخلاق و ثقافت کی شناخت اور ادیان وثقافتوں کے درمیان لازمی پہلوؤں پر تاکید۔

۲۔ حکومتوں کی سیاست اور قوموں کی ثقافت سے دشمن کے مفہوم کو پوری طرح نابود کرتے ہوئے ادیان ومذاہب کے درمیان باہمی صلح آمیز زندگی کی تشکیل کے لئے انسانی حقوق کے معیار پر مشترک میثاق کی تدوین۔

۳۔ بغض وکینہ اور عداوت ودشمنی کو حذف کرنے کے لئے تاریخ اور تعلیمی نظام پر نظر ثانی اور دینی تعلیمات کے لحاظ سے ایسے انسانی اور اساسی علوم کی تقویت جس کے ذریعہ صبر وتحمل اور مشترکہ تفاہم کو فروغ حاصل ہو سکے۔

۴۔ بعض موضوعات کا اہتمام اور درج ذیل عناوین کے سلسلے میں مشترک نتائج اور مفاہیم تک رسائی حاصل کرنا: عدالت، صلح، عورت، انسانی حقوق، جمہوریت، اخلاق کار، کثرت گرائی، آزادی، عالمی صلح، باہمی صلح آمیز زندگی وغیرہ۔ جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ سرد جنگ کے دوران ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کمیونزم سے مقابلہ کے لئے نہایت ضروری تھی لیکن سوویت یونین کے بکھراؤ اور سرد جنگ کے اختتام کے بعد دین ومذہب نے عالمی سطح پر اہم کردار ادا کیا ہے اور

ثقافتی ، سیاسی اور سماجی شعبوں میں یہ کردار زیادہ موثر رہا ہے۔ آخر کار ایک اہم عالمی سیاسی ادارہ کی حیثیت سے تنظیم اقوام متحدہ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ عالمی اقتصادی اجتماع کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی رہنماؤں کا بھی ایک بین الاقوامی اجتماع منعقد کیا جائے تا کہ عالمی سطح پر ادیان و مذاہب کے درمیان گفتگو ہو سکے۔ اس بین الاقوامی کاؤنسل کے ۱۳ رکن تھے جس میں دنیا کے مختلف ادیان اور مکاتب فکر کے لوگوں کو نمائندگی حاصل تھی اور مذہب اسلام کی نمائندگی اسلامی جمہوریہ ایران اور انڈونیشیا کے سپرد تھی۔

اگست ۲۰۰۰ میں اقوام متحدہ میں یہ طے پایا کہ عالمی مسائل ومشکلات کا حل تلاش کرنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ بلند مرتبہ سیاسی لیڈروں کے ساتھ ہی ساتھ عظیم المرتبت مذہبی علماء کا بھی ایک بین الاقوامی اجتماع منعقد ہوتا کہ مذہبی اور سیاسی علماء وماہرین باہمی گفتگو کے ذریعہ مسائل ومشکلات کا حل تلاش کرسکیں اور عالمی انسانی برادری امن وسلامتی اور مسرت وخوشحالی کی زندگی بسر کر سکے۔ موجودہ دنیا میں دین ومذہب وسیاست کے میدان میں اہم اور قابل ذکر کردار ادا کر رہا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب کا مشترکہ خیال ہے کہ سبھی لوگ ایک طوفان زدہ کشتی میں بیٹھے ہوئے ہیں لہٰذا سب لوگوں کو مشترکہ کوشش اور مذاہب کے درمیان موجود مشترکات پر بھروسہ کرتے ہوئے جنگ اور لڑائی جھگڑے سے دور رہتے ہوئے اس کشتی کو ساحل نجات تک پہونچا دیں۔

۱۹۶۴ میں واٹیکن شہر میں منعقد ہونے والے دوسرے اجتماع کے دوران کتھولیک چرچ نے مذہب اسلام کے بارے میں جو خیال ظاہر کیا تھا وہ اسلام اور کیتھولک عیسائیت کے درمیان گفتگو کی پہلی کرن تھی۔ اسلام اور عیسائیت کے درمیان موجود زیادہ مشترکات نے گفتگو کی زمین کو مزید ہموار کر دیا تا کہ وہ مغربی سامراج اور عیسائی مشینریوں کی حمایت سے رونما ہونے والی تلخ یادوں اور مخاصمانہ احساس پر غلبہ حاصل کرسکیں۔

واضح رہے کہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان بہت سی مشترک باتیں پائی جاتی ہیں جیسے خدائے خالق پر عقیدہ وایمان ، انبیاء علیہم السلام کا خدا کی طرف سے ارسال کیا جانا، وحی پر اعتقاد اور روز قیامت وروز عدل پر اعتقاد وایمان وغیرہ۔ اسی طرح اسلام اور عیسائیت کے درمیان جن چیزوں میں اختلاف ہے وہ یہ ہیں۔تثلیث کا مفہوم ، جو عیسائی الٰہیات میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، اسلام کی نظر میں قابل قبول نہیں ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا مسلمانوں کے لئے قابل قبول

نہیں ہے۔ دوسری طرف عیسائیت یہ تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے کہ قرآن آخری کلام الٰہی ہے اور اس کو دیگر آسمانی کتابوں پر فضیلت حاصل ہے۔

تیسری بات

اگر چہ گذشتہ تین دہائیوں کے دوران اس قسم کے اجتماعات میں ہونے والے روز افزوں اضافہ کا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے ہے لیکن عالم اسلام میں اس موضوع کے سلسلے میں ایک رائے اور ہم خیالی نہیں پائی جاتی ہے بلکہ اس کے بارے میں مسلمان مفکرین کے درمیان استقطاب یعنی قطب خواہی (Polarisation) اور محاذ سازی وگروہ بندی کا مشاہدہ کیا جاچکا ہے اور اس میدان کے ایک قطب میں مخالفین کے ساتھ گفتگو نہ کرنے کا محاذ آمادہ ہو چکا ہے۔ مخالفین کی ایک جماعت کا عقیدہ وایمان ہے کہ ادیان و مذاہب کے درمیان گفتگو کی تحریک نسبیت کی فکر کی بنیاد پر سر بلند ہوئی ہے اور دین مبین اسلام کی حقانیت مطلقہ اور ایمان وعقیدہ کے ساتھ ہر گز میل نہیں کھاتی ہے۔ دوسرے گروپ سے وابستہ مفکرین ودانشور اس تحریک کے بنیادی اصول سے چشم پوشی کرتے ہوئے اس خیال کے حامل ہیں کہ ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کی حمایت وطرفداری کرنے والے لوگ اپنی دعوت میں صداقت نہیں رکھتے ہیں بلکہ اس تحریک کے ذریعہ اپنے سیاسی اور سامراجی مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے میں ہمہ تن سرگرم عمل ہیں۔ دوسری طرف ادیان کے درمیان گفتگو کی حمایت کرنے والوں نے علیحدہ موقف اختیار کررکھا ہے۔ مفکرین اور دانشوروں کی یہ جماعت اس عقیدہ کی حامل ہے کہ حقیقت کی تلاش کے سلسلے میں مغرورانہ ٹھہراؤ اور اپنے موقف پر اڑے رہنے کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ آخرکار مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ شک وتردید کی ترویج کے اس دور میں علماء دین ادیان کا تاریخی مطالعہ وتجزیہ کرتے وقت تواضع اور انکساری کی بنیاد پر اپنی دینی معلومات کی تردید کریں اور اسے ہرگز آخری اور قطعی معلومات قرار نہ دیں کیونکہ دین کی بنیاد اور دین کے پاکیزہ ومقدس متن سے اپنی معرفت کے درمیان فرق وعلیحدگی کی وجہ سے ان لوگوں نے دین کی حقیقی قداست وپاکیزگی کو اپنے لئے حرام کررکھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ انسانی عقل کی محدودیت وکوتاہی کو نگاہ میں رکھتے ہوئے حقیقت سے مکمل ناواقفیت کا اعتراف بھی کررکھا ہے۔ اس مقالے میں اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ عالم اسلام کے نامور مفکرین اور دانشوروں نے ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کے سلسلے میں جو

راہ وروش اختیار کر رکھی ہے اس کا مکمل اور بھرپور تجزیہ پیش کرتے ہوئے نتیجہ قارئین کے سپرد کر دیا جائے۔

منفی راہ وروش

ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کے سلسلے میں منفی راہ وروش رکھنے والے مسلمان علماء کا یہ عقیدہ وریمان ہے کہ اس موضوع پر منعقد کئے جانے والے عظیم اجتماعات کا بنیادی مقصد اسلامی معاشروں پر مغربی قدروں اور نمونوں کو مسلط کرنا ہے تا کہ وہ مسلمانوں کی مذہبی حمیت اور ذہنی لگن کو زائل کرسکیں۔ واضح رہے کہ مختلف ادیان ومذاہب کے درمیان مشترکات کی شناخت کے ذریعہ موجودہ حقائق کو بالکل نظرانداز تو نہیں کیا جاسکتا۔

خفیہ مقاصد

مذاہب کے درمیان گفتگو ایسا اہم موضوع اور ایسی اہم تحریک ہے جس کے مراکز ومیلانات اور اغراض ومقاصد کے بھرپور مطالعہ وتجزیہ کے بغیر کوئی حتمی فیصلہ ناممکن ہے اور اس سلسلے میں صرف تحریک کی جانب سے اعلان کئے گئے اغراض ومقاصد پر بھروسہ کرنا یقیناً سادہ لوحی ہوگی بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ تحریک کے خفیہ اور اعلان نہ کئے گئے اغراض ومقاصد کا بھی جس میں مذہب کے ذریعہ سیاسی واقتصادی کامیابی کا حصول شامل ہے، باقاعدہ مطالعہ وتجزیہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر جب مسئلہ فلسطین کے حل کے سلسلے میں تمام سیاسی اور اقتصادی ایجادات ناکام ہوگئیں تو ادیان و مذاہب کے نمائندے ایک علاقے میں دوبارہ جمع ہوکر ''مسئلہ دہشت گردی'' کے تجزیہ وحل وفصل میں سرگرم دکھائی دیتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے اسرائیل میں عربوں اور صہیونیوں کے درمیان صلح کو جائز اور قانونی بنانے کے لئے مختلف ادیان ومذاہب کے نمائندے صحرای سینا میں ''کوہ طور'' پر جمع ہوئے تھے۔

پس یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ یہ ایجاد کن پہلوؤں کی حامل ہے اور اپنے دامن میں کیسے کیسے اغراض ومقاصد چھپائے ہوئے ہے اور دہشت گردی کی آڑ میں خفیہ مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ درحقیقت اس کا ایک مقصد ''شہادت طلب سرگرمیوں'' کو ظلم ودہشت گردی کے نام سے متعارف کرانا ہے تا کہ ''عام شہریوں کی حمایت'' کے بہانے صہیونیت کے ظالمانہ تسلط اور غاصبانہ قبضہ کو جاری رکھا جاسکے۔ واضح رہے کہ دین ایک لمبی مدت سے سیاسی اور سماجی میدان سے دور

اور باہر رہا ہے اور اب اس کو دوبارہ میدان میں لاکر کھڑا کیا جارہا ہے اس مرتبہ مذہب سیاسی مقاصد کی تکمیل میں غیر معمولی حمایت وطرفداری کی نیت سے میدان میں داخل ہوا ہے۔

ممکن ہے یہ بات کہی جائے کہ یہ گفتگو اسلامی اور عیسائی دینی اداروں کے ذریعہ منعقد کی جارہی ہے لہٰذا ان کے مقاصد کے بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی نہ رکھنی چاہئے۔ لیکن اس حقیقت کو ہرگز نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ عالم اسلام کے دینی ادارے حکومتوں کے زیرسایہ کام کررہے ہیں۔ اگر بفرض محال کسی ملک میں کوئی ایسا ادارہ مل جائے جو حکومت کے دباؤ سے دور آزادانہ طور پر کام کررہا ہے تو اس ادارہ کے لئے بھی یہ بات بہت دشوار ہوگی کہ وہ حکومت یا مخصوص سیاسی واقتصادی مقاصد کے لئے کام کرنے والے اداروں کی حمایت وسرپرستی کے بغیر کسی علاقائی یا بین الاقوامی اجتماع کی تشکیل کا کام انجام دے سکے بلکہ اس کے برعکس عالمی یا علاقائی سطح پر کسی اجتماع کے اہتمام کے لئے کسی نہ کسی حکومتی یا بیرونی ادارہ کی حمایت حاصل کرنا لازمی ہوتا ہے یہاں تک کہ مغربی دنیا کے ادارے بھی، جہاں سیکولر نظام حکومت کارفرما ہے، سیاسی سرگرمیوں سے الگ نہیں ہیں۔ جیسا کہ ہملوگوں کو بخوبی معلوم ہے کہ مغربی اور عیسائی دنیا کی اہم ترین مذہبی شخصیت پوپ عالمی مسائل وموضوعات میں اہم سیاسی کردار کے حامل رہے ہیں مثلاً انھوں نے جرمنی نازیوں کے خلاف یہودیوں کے مطالبہ کی بھرپور تائید فرمائی اور یہ کیتھولک گرجا گھروں (Catholic Church) کا ہی کرشمہ تھا جس نے پولینڈ کے مزدوروں کو مسند اقتدار تک پہونچادیا۔ لہٰذا جب کمیونزم کے مقابلے میں جملہ مغربی نظام پوری طرح عاجز وناکام ہوگئے تو انھوں نے عیسائی مذہب کو اشتراکیت کے خلاف ایک اہم وسیلہ وذریعہ کے طور پر استعمال کیا اور اسی طرح سوویت یونین کو شکست دینے کے لئے اسلام سے اپنی دیرینہ عداوت کو ایک موثر اسلحہ کی حیثیت سے استعمال کیا۔

تحریک کی کامیابیاں

اگر ہم اس تحریک کے خفیہ مقاصد کی طرف سے چشم پوشی بھی اختیار کرلیں تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تحریک نے گذشتہ دہائیوں کے دوران کیا کامیابی حاصل کی ہے؟ اگر ہم لوگ سیاسی کامیابیوں کو نظر انداز کردیں اور صرف دینی ومذہبی کامیابیوں کو نگاہ میں رکھیں تو ہمیں یہ کہنے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے کہ ان اجتماعات کی تشکیل سفارتی تکلفات اور بڑی بڑی شخصیتوں کے

درمیان ذاتی کارڈوں کے تبادلۂ کی حد تک ہی محدود رہی اور نہ کسی قسم کا کوئی مقصد حاصل ہوسکا اور نہ کسی شعبہ میں ذرہ برابر کامیابی محسوس ہوئی۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ آزاد مذہبی فقہا اور دینی مراجع جہاد اور قانونی وشرعی دفاع کے سلسلے میں اپنی رائے تبدیل کردیں اور ظلم کو قبول نہ کرنے والی انسانی زندگی کے بنیادی حق سے دستبردار ہوجائیں۔ دوسری طرف یہودی ماہرین، جواس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ''شہادت پسندانہ عمل'' مذہبی علماء اور رہنماؤں کے فتوے کے بموجب ہی انجام پارہا ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ اس کوشش میں ہمہ تن سرگرم ہیں کہ مخالف جماعت کے ہاتھوں سے اس کی کامیابی کا وسیلہ چھین لیں۔ عیسائی مذہبی رہنما عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار رکھنے کے لئے یہ مظاہرہ کررہے ہیں کہ وہ صلح اور انسان دوستی کے طرفدار ہیں اسی وجہ سے وہ مسلمانوں کی دہشت گردی وہٹ دھرمی اور یہودیوں کے غاصبانہ تسلط دونوں کی مخالفت کرتے ہیں۔

فراماسونری تحریک کا کردار

مجموعی اعتبار سے آج تحریک گفتگوی ادیان کی جانب سے جس عالمی دین کی تبلیغ وترویج ہورہی ہے اس کی تالیف وتدوین کا کام فراماسونری انجمنوں کے ذریعہ انجام دیا گیا تھا۔ دراصل ان لوگوں کا یہ اعتقاد وایمان تھا کہ مختلف ادیان ومذاہب میں مشترکہ اخلاقی اور معنوی پہلوؤں کی دستیابی کے ذریعہ ایک طرح کے''عالمی اخلاق'' کو دین ومذہب کا جانشین قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ ادیان کی حقانیت مطلقہ مذہبی تعصب میں شدت اور اضافہ کا باعث بن جاتی ہے جبکہ مشترکہ معنوی قدروں اور معیاروں کے حصول نیز''عالمی اخلاق'' وادیان کے درمیان موجود مشترکہ معنوی پہلوؤں کے ذریعہ''عالمی صلح'' کے بنیادی اصولوں کو مزید مستحکم کیا جاسکتا ہے۔'' موثر اور سرگرم انجمنیں اس فراماسونری اور تھیوسوفی فکر کی ترویج میں ہمہ تن سرگرم ہیں۔ فراماسونی راہ وروش کے سایہ میں''عالمی دین'' کی خاطر مذہبی جزبۂ صبر کو یہ لوگ ایک اکسیر کی شکل میں پیش کرتے ہیں تا کہ اس نظریہ کے تحت وہ دنیا کے تمام افراد وادیان کو اس میں شرکت کی دعوت دے سکیں۔ درحقیقت فراماسونری انجمن کی بنیاد ہر دین ومذہب کے سلسلے میں سہل انگاری پر مبنی ہے۔ فراماسونی لوگ ایسے دین ومذہب کے معتقد ہیں جس پر پوری انسانی دنیا متفق ہو۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ادیان ومذاہب کے اختلافی مسائل کو یہ لوگ متعلقہ دین کی پیروی کرنے والوں

کی ذات سے وابستہ کردیتے ہیں۔ اس عقلی سقف کے سایہ میں تمام مذاہب مثلاً عیسائیت یہودیت، اسلام اور برہمنیت کی پیروی کرنے والے مشترکہ اصولوں کی پیروی کے ساتھ جمع ہوسکتے ہیں اور ان کے درمیان اتحاد قائم کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ راہ وروش ہے جس کے ذریعہ فراماسونری افراد صرف اصولی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ عملی اعتبار سے بھی عالمی رنگ و روپ حاصل کرلیتے ہیں۔ اس بات میں کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے کہ فلاں شخص زرتشتی ہے یا مسلمان یہودی ہے یا بودائی اور ہندو ہے یا عیسائی کیونکہ مشترکہ مفاہیم دینی پر غیر معمولی تاکید کے ذریعہ تمام ادیان ومذاہب کے درمیان وحدت واتحاد کی ایجاد ممکن ہے۔

فراماسونری تحریک ایسے مکتب فکر کی حامل ہے جو تمام ادیان ومذاہب کو ایک دوسرے سے متحد کرسکتا ہے۔ Theosophical Association بھی فراماسونری تحریک کی مشابہ ہے جو ''عقلانی دین'' کی تبلیغ کرتی ہے اور اس انجمن میں بھی مذاہب کے درمیان مشترکہ قدروں اور معیاروں پر تاکید کی جاتی ہے اور اس کی اہم ترین بنیاد ''عالمی وآفاقی وحدت'' کی تشکیل ہے۔ اس فرقہ کے بانی کی وفات کے بعد اسکے جانشین بھی ادیان کے درمیان گفتگو کی روش پر تاکید کرتے ہیں۔ اس گروہ کے لیڈران آج ساری دنیا میں ادیان کے درمیان گفتگو پر مبنی مفاہیم کی ترویج واشاعت میں عملی کردار ادا کررہے ہیں اور ان کے نمائندے ادیان کی عالمی پارلیمنٹ میں شریک تھے جو ۱۹۹۳ اور ۱۹۹۹ میں منعقد ہوئی تھی ۱۸۹۳ میں جب ادیان کی پہلی عالمی پالیمنٹ منعقد ہوئی تھی نیز ۲۰۰۱ میں ''ادیان اور گفتگو'' کے عنوان سے منعقد ہونے والی کانفرنس میں یہ لوگ پوری طرح سرگرم عمل تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ۲۰۰۴ میں پارسیلونا والی کانفرنس میں ان لوگوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔ پس یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ ''تحریک گفتگوادیان'' اور ''فراماسونری'' ادبیات کے درمیان غیر معمولی مشابہت پائی جاتی ہے اور دونوں مشترکہ افکار وعقائد کی تبلیغ وترویج میں لگی ہوئی ہیں۔ تمام انسانوں کے درمیان عالمی اخوت وبرادری universal brotherhood، خدا تمام انسانوں کا پدر اور ۱۸۹۳، ۱۹۹۳ اور ۱۹۹۹ میں عالمی ادیان پارلیمنٹ کے دوران عالمی وحدت واتحاد جیسے مفاہیم کی تبلیغ ہوئی اسی طرح گذشتہ بیسویں صدی کے دوران گفتگوی ادیان سے متعلق جو اجلاس واجتماع منعقد ہوئے ان میں انھیں مفاہیم کی ترویج کی گئی۔ ایران میں بھی گمراہ فرقۂ بہائیت کے ذریعہ ان افکار وعقائد کی ترویج کی گئی بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ایران میں موجود مذہبی اور ثقافتی ماحول کا ناجائز استعمال کرتے

ہوئے فراماسونری تنظیم نے اپنے افکار وعقائد کو ایرانی رنگ وروپ میں بہائیت کی شکل پیش کر دیا تا کہ اس کو ایرانی تحریک کا نام حاصل ہوجائے۔ واضح رہے کہ مذہب بہائیت کے افکار وعقائد اور فراماسونری ادبیات کے درمیان بڑی مشابہت ومماثلت پائی جاتی ہے بلکہ اگر ماضی قریب میں مذہب بہائیت پر ''عالمی برادری'' کا اشتہار چسپاں کر دیا جاتا تو مذہب بہائیت کی فراماسونری افکار سے وابستگی پوری طرح نمایاں ہوجاتی۔ ۱۹۱۱ سے ۱۹۱۳ کے دوران عباس آفندی کا یورپ اور امریکہ کا سفر اتفاقی نہیں بلکہ ایک منصوبہ بند پروگرام کے مطابق تھا۔ اگر اس سفر اور ان اجتماعات کا جن میں عباس آفندی موجود تھے محققانہ تجزیہ کیا جائے تو واضح ہوجائے گا کہ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی بلکہ اس میں مقتدر مراکز سرگرم عمل تھے جن کی کوشش یہ تھی کہ سرزمین مشرق میں رونما ہونے والے اس نئے پیغمبر کے ذریعہ ایک نئے مذہب کے ظہور رونمائش کی زمین ہموار ہوجائے جو فراماسونی اور تھیوسوفسٹک ارمانات کے مطابق ہو۔ ۱

اس محققانہ تجزیہ کے ذریعہ یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ نمائشی پروگرام در حقیقت World Theosophicul Society یعنی عالمی تھیوسوفیکل انجمن کے ذریعہ بنایا گیا تھا جو عظیم مغربی فراماسونی تنظیم کی ہدایت ورہنمائی میں سرگرم عمل ہے۔ اس سفر کے دوان عباس آفندی کو تھیوسوفزم کے ایک عظیم المرتبت رہنما کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ یہ پروپگنڈہ اتنے وسیع پیمانے پر کیا گیا کہ ملکہ روم اور اس کی بیٹی ژولیا نے بھی عباس آفندی کو ایک عظیم مذہبی رہنما تسلیم کرلیا اور اسی عہدہ وعنوان کے ساتھ اس سے خط وکتابت بھی کی۔ ۲ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ۲۰۰۴ میں اس تبلیغاتی مشن سے وابستہ لوگوں نے ادیان ومذاہب کے عالمی اولمپک کا اہتمام کیا اور گذشتہ عالمی اجتماعات کی طرح اس میں بھی دنیا کے گوشہ گوشہ سے مختلف مذاہب کی پیروی کرنے والے دانشوروں اور سیاسی ماہروں نے شرکت کی تا کہ عالمی سطح پر ایک سیاسی اور مذہبی نظام کی بنیاد رکھی جاسکے۔ یہ عظیم اجتماع عالمی ادیان کی پارلیامنٹ کی جانب سے یونسکو مرکزی دفتر کا ٹالونیا میں منعقد ہوئی۔

اصول کی خلاف ورزی

بعض مسلمان مفکرین اور دانشوروں کا عقیدہ وایمان ہے کہ یہ افکار وخیالات در حقیقت اسلام کی حقانیت

۱۔ شہبازی، عبداللہ، ''کانون بہائی گری در حجرہ تاجران تریاک''، جام جم، ۲۹ مرداد ۱۳۸۲، ص ۱۳، ۲۔ ایضاً

اور اس کے بنیادی اصول سے میل نہیں کھاتے ہیں۔ اس سلسلے میں تحریک سلفیہ کے مفکروں نے سخت ترین استدلال پیش کئے ہیں۔ سلفی تحریک اہلسنت کی فکری شاخوں میں سے ایک ہے جس نے موجودہ دنیا کے سیاسی تحولات پر اہم اثرات قائم کئے ہیں اور خصوصی طور پر آخری دہائیوں کے درمیان الجزائر مصر اور افغانستان جیسے ملکوں کے علاوہ عالم اسلام کے دیگر علاقوں میں رونما ہونے والی اکثر سیاسی تحریکیں تحریک سلفیہ سے متاثر دکھائی دیتی ہیں۔ اس تحریک کی فکری روش نہایت وسیع اور واضح فقہی اصولوں میں مضمر ہے۔ سلفی تحریک سے وابستہ مسلمان مفکرین انسان کی ذاتی عظمت وکرامت پر مکمل عقیدہ وایمان رکھتے ہیں اور انسان کی یہ ذاتی کرامت وفضیلت ہی انسانی حقوق کے بنیادی اصول کا تعین کرتی ہے۔

مرد مومن حق کرامت کا حامل ہوا کرتا ہے۔ انسان کے جان ومال کی حفاظت ونگہداشت کی کوئی ضمانت نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ اسلام قبول نہ کرے۔ پس کافر عظمت وانسانی کرامت کا حامل نہ ہوگا۔ اس کی جان ومال حرمت کے دائرہ سے خارج ہوگی۔ لہٰذا اسے اسلام قبول کرلینا چاہئے یا جزیہ ادا کرنا چاہئے ورنہ اس کو قتل کردیا جانا چاہئے اس کے علاوہ اسلام میں کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے۔ اس حکم کی دلیل قرآن مجید میں موجود آیات جہاد اور رسول مقبول سے منقول یہ روایت ہے:

''مجھ کو اس کام کے لئے تعینات کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں تاوقتیکہ وہ خدا کی وحدانیت اور محمد کی نبوت کی شہادت دینے لگیں، نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ اگر ان لوگوں نے ایسا کردیا تو ان کی جان ومال کو حرمت حاصل ہوجائے گی۔ کسی شخص کو دین اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے خلاف ظلم وجبر سے کام لیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص دین اسلام میں داخل نہیں ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ جزیہ ادا کرے اور اگر ایسا نہ کیا تو تلوار اس کی جزا ہوگی کیونکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ ''جو لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں ان سے جنگ کرو۔ نتیجہ کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا پیرو ہے تو اس کی جان ومال کو حرمت حاصل نہ ہوگی۔'' سلفی تحریک سے وابستہ افراد کا عقیدہ وایمان ہے کہ قرآنی آیات میں دعوت اسلامی کے سلسلے میں جبرواکراہ سے کام لینے کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ ان آیات کا تعلق قبول اسلام کی اصل سے ہے یعنی اہل کتاب کے لئے اسلام قبول کرنا لازمی

نہیں ہوگا بلکہ انہیں جزیہ ادا کرنا پڑے گا۔

ایجابی راہ وروش

کہا گیا کہ ادیان کے درمیان گفتگو کے موضوع پر ان لوگوں کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے جو اس گفتگو کی حمایت وطرفداری کرتے ہیں اور اس کے انسانی پہلوؤں کی ترویج میں ہمہ تن سرگرم ہیں اور اس کے مقاصد اور گہرے نتائج کے بارے میں مشکوک اور اس کے شرمناک مقاصد کی اعلانیہ تردید کرتے ہیں۔ جولوگ ایجابی راہ وروش سے اس موضوع کی طرف نگاہ کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ مختلف ادیان ومذاہب کی پیروی کرنے والے لوگ مذاہب کے درمیان موجود مشترکہ عقائد پر بھروسہ کرتے ہوئے آپس میں گفتگو کرسکتے ہیں۔ انہیں ادیان کے درمیان موجود اختلافی امور کی طرف زیادہ توجہ نہ دینی چاہئے۔ دوسری طرف دین اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ میں سرگرم عمل قرار دینے والے گروہ سے وابستہ اسلامی راہ وروش کے علمبرداروں کا یہ خیال ہے کہ انسان کی ذاتی زندگی ہویا معاشرتی زندگی اس کو ہر شعبۂ حیات میں اسلامی احکام کی پیروی کرنی ہے۔ اس جماعت کا اس گروہ سے گہرا اختلاف ہے جو سیکولر نظریہ کے حامل اور دین کو انسان کی ذاتی زندگی کے دائرہ میں محدود قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں گروہ، آپسی مشترکات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس الحادی جماعت کا متحدہ طور پر ڈٹ کر مقابلہ کرسکتے ہیں جو دین ومذہب کے بنیادی مخالف ہیں۔ لہٰذا مختلف ادیان ومذاہب کی پیروی کرنے والے لوگ انسان کی سماجی زندگی میں دین کے کردار کے سلسلہ میں مشترک ایمان واعتقاد رکھنے والے گروہ آپس میں بات چیت کرسکتے ہیں۔

اصول اربعہ

عالمی انسانی معاشرہ نے گذشتہ صدی میں دوعالمی جنگوں کا مشاہدہ کیا اور دنیائے بشریت نے ان جنگوں کے دوران یہ تجربہ حاصل کیا کہ انسانی معاشرہ کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ مدمقابل کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے کسی قسم کے ٹکراؤ کے بجائے اسکے ساتھ صلح آمیز باہمی زندگی کا رویہ اختیار کرے۔ ان مکتب فکر کی حمایت کرنے والے دانشوروں کا خیال ہے کہ موجودہ عالمی ماحول میں ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو ضروری ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ سرد جنگ کے خاتمہ سے قبل سیاست کے میدان میں دین کا کوئی کردار نہیں تھا لیکن دنیا کی بڑی طاقتوں کے درمیان سرد جنگ کے ختم

ہوتے ہی سیاست کے میدان میں دین نے نہایت اہم کردار انجام دینا شروع کردیا ہے اور موجودہ زمانہ میں دنیا کے اکثر سیاسی ماہرین نے مذہبی شخصیتوں کی حمایت وسرپرستی کے سایہ میں اپنی سرگرمیوں کو غیر معمولی وسعت دے رکھی ہے۔ اس اہم بات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اگر کوئی ملک اس میدان میں داخل نہیں ہوتا ہے تو یقیناً اسے زبردست خسارہ اٹھانا پڑے گا۔ پس دنیا کی موجودہ صورتحال کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو ضروری ہے پس یہ دیکھنے کے بعد ہرگز تعجب نہ ہوگا کہ مختلف بین الاقوامی تنظیمیں اور ادارے اس مکتب فکر کی حمایت وسرپرستی میں بھاری بجٹ اور عظیم مالی سرمایہ لگانے کے لئے ہم تن آمادہ ہیں۔

لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر گفتگو کا بنیادی معیار مشترکہ پہلوؤں کی موجودگی ہے تو پھر اس گفتگو کا دائرہ صرف ادیان ومذاہب کی سرحدوں تک ہی کیوں محدود رہ جائے بلکہ اصول وحقائق اربعہ یعنی حقیقت، عدالت، آزادی وکرامت کو اس گفتگو کا بنیادی معیار کیوں نہ قرار دیا جائے جو تمام بنی نوع انسان مثلاً مومن وملحد ہی نہیں جماعت انس وجن کے درمیان بھی مشترک ہیں اور تمام لوگ اس بات سے اپنی ہم خیالی کا اظہار کرسکتے ہیں۔ اس بات کو فقط ادیان ومذاہب کے درمیان محدودیت کو ایک طرح کی انحصار پسندی کا نام دیا جاسکتا ہے۔

پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم خواہش وہی ''عالمی اخلاق'' ہے جس کو فراماسونری افراد بھی قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ اس بات کو بنیاد قرار دیتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ دنیا کو ایک ''جدید فراماسونری نظریہ'' کی ضرورت ہے جو خود کو مذاہب کے دائرہ سے نجات فراہم کرتے ہوئے درج ذیل چار اصولوں کی بنیاد پر ایک جدید عالمی انسان معاشرہ کی تشکیل کا کام انجام دے سکے۔

وابستگی حقیقت

مجموعی اعتبار سے مذاہب کے درمیان گفتگو کے خیال کو وابستگی حقیقت کی بنیاد پر قائم ہونا چاہئے کیونکہ ہر مذہب میں حق کی شعائیں پائی جاتی ہیں۔ پس اس گفتگو کو حق وحقیقت سے منسوب کردینے کے بعد اس میں غیر معمولی معنویت پیدا ہوجاتی ہے۔ سرزمین مغرب میں نسبیت اور وابستگی کے اس نظریہ کے منظر عام پر رونما ہونے کے بعد ''جان ہیک'' جیسے بعض عیسائی دانشوروں کو اس بات کے

لئے مجبور ہونا پڑا کہ وہ اس نظریۂ اور عیسائیت کے بنیادی اصولوں کے درمیان مطابقت قائم کریں۔

نظریہ نسبیت یا وابستگی کی پیروی کرنے والے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اخلاقی قدریں اور دینی افکار و عقائد ذاتی حالات مختلف اور معاشروں کی خصوصیات سے وابستہ ہوا کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی امر مطابق یا مخصوص کا م ارزش و حقیقت کی حیثیت سے موجود نہیں ہے۔ نتیجے کے طور پر جب ہم مذہبی اعتقادات کی بات کرتے ہیں تو وہ ان نسبی امور سے آگے یا الگ کوئی ایسی حقیقت نہیں ہے جس پر ایمان واعتقاد رکھنا لازمی ہو یا جس کے بارے میں لوگ تعصب سے کام لیں کیوں کہ یہ امور نہ اس درجہ حق ہیں اور نہ باطل کہ ہم دوسرے عقائد کے وجود سے پریشان ہو جائیں۔

اس استدلال کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ تمام عقائد افراد اور معاشروں کے ساتھ اپنی وابستگی کی وجہ سے درست ہیں لہٰذا ہم لوگوں کو ان تمام افکار و عقائد کا احترام کرنا چاہئے جبکہ مذہبی صبر و تحمل یا مذاہب کے درمیان گفتگو کی بات سے ایسے موقع پر پیش کی جاتی ہے کہ وہ شخص اپنے دینی اعتقادات کی صداقت و حقانیت پر مکمل اور بھرپور ایمان واعتقاد رکھتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ دوسرے کے دین کو پوری طرح باطل سمجھنے میں ذرہ برابر شک یا ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتا ہے پھر بھی وہ اس عقیدہ کے حامل کے ساتھ بردباری اور رواداری سے کام لیتا ہے اور اس سے گفتگو کرتا ہے۔

اس سلسلے میں مصطفیٰ ملکیان اس خیال کے حامل ہیں کہ بیشک اگر میرا اعتقاد وایمان یہ ہے کہ میرا دین حق کا مجسمہ ہے اور دنیا کے تمام دوسرے ادیان باطل ہیں تو ایسی صورت میں آپسی گفتگو کو کوئی امکان باقی نہ رہ جائے گا۔ ادیان و مذاہب کی درمیان گفتگو بنیادی طور پر اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب کہ میں اپنی ذات اور جس سے گفتگو ہونی چاہئے دونوں کو حق و باطل کا مجموعہ تصور کریں اور یہ باور کریں کہ میں اور میرا مد مقابل دونوں میں سے کوئی بھی نہ حق مطلق ہے اور نہ باطل مطلق۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت ممکن نہیں ہوگی اور گفتگو کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا یا یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو کا دروازہ نہ کھل سکے گا۔ پس اگر ہم واقعی اس بات کے لئے پوری طرح آمادہ و مائل ہیں کہ ادیان و مذاہب کے درمیان گفتگو کا اہتمام کیا جائے تو بات اس وقت ممکن نہیں ہے جب تک اپنے بعض دعووں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے ہم خود کو اپنے مد مقابل دونوں کو حق و باطل کا مجموعہ تصور کریں۔[۳] دوسرے لفظوں میں ہم اس اعتقاد کے حامل بن جائیں کہ ہم میں اور ہمارے

۳۔ ملکیان، مصطفیٰ (گفتگو)، ''مدارا، گفتگو و دین'' گزارش گفتگو (ماہنامہ)، سال اول، ۹:۱

مد مقابل میں سے کوئی بھی نہ حق مطلق ہے اور نہ باطل مطلق ۔لیکن اگر ہم ایسا نہ کر سکے تو ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا یا اس گفتگو کا سلسلہ شروع ہی نہ ہوسکے گا۔ پس اگر ہم واقعی اس بات کی طرف مائل ہوں کہ ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو ضرور ہونی چاہئے تو پھر ہمیں اس اعتقاد کا حامل ہونا پڑے گا کہ ہم لوگ جس اعتقاد کے حامل ہیں وہ درحقیقت حق وباطل کا مجموعہ ہے جبکہ اس کے برعکس محمد لگنھاؤں کا عقیدہ وایمان یہ ہے کہ یہ مظاہرہ کرنا کہ تمام ادیان برابر ہیں ایک بیہودہ اور ادیان کی تعلیمات کے برعکس ہے۔ہم لوگوں کو ایک دوسرے کے سلسلے میں ادیان ومذاہب کے انحصار گرانہ دعووں کو تسلیم کرتے ہوئے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ہم ان امور کی حدود سے آگے بڑھ کر بھی کام کرسکتے ہیں۔ انحصار گرائی کا لازمی طور پر یہ مطلب نہیں ہوا کرتا کہ دیگر ادیان ومذاہب کے مقابلے میں اپنے دین کی حقانیت مطلقہ کے ساتھ ہی ساتھ ان ادیان سے گفتگو کی تردید کی جارہی ہے۔[۴]

دوسروں کے عقائد کا احترام

عمومی محاورات اور سیاسی مباحثات میں ہمیشہ یہ بات مسلمہ طور پر تسلیم کرلی جاتی ہے کہ دوسروں کے مذہبی عقائد کا احترام کیا جانا چاہئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی چیز کو باطل اور نادرست مانتے ہوئے اس کا احترام کیسے کیا جائے؟ یہ بات تو مغربی اقدار کی ایک اہم خوبی بناکر پیش کی جاتی ہے کہ یورپ والے اپنے مخالفین کے عقائد کا بھی احترام کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ایک ہندو عبادت گاہ میں ملکہ برطانیہ کی حاضری اور مندر میں موجود مذہبی علامتوں اور نمونوں کے احترام کی داستان کو اس افتخار آمیز عمل کے گواہ کی حیثیت سے نقل کرتے ہیں۔ درحقیقت اس موضوع کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دو باتوں کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دیکھا جائے۔ ان میں سے ایک بات کا تعلق دوسروں کے مذہبی عقائد کے احترام سے ہے اور دوسری بات دیگر مذاہب کے عقیدوں کو برا تصور کرتے ہوئے اس کی بے احترامی کرنا ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عقیدہ کو غلط اور باطل خیال کرتا ہو اور ساتھ ہی ساتھ اس پر یہ فریضہ عائد کردیا گیا ہو کہ وہ اس باطل عقیدہ کا احترام بھی کرے تو یقیناً یہ ایک ناپسندیدہ فریضہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں وہ صرف نفاق سے

۴۔ لگنھاوزن، محمد، ''میل صادقانہ بہ ایجاد تفاہم'' گزارش گفتگو (ماہنامہ)، سال اوّل، ۱:۱۱

کام لیتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف عمل انجام دے سکتا ہے یا ایک ماہر فنکار وصاحب ہنر کی طرح اپنے کرار کو بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ ایسے کردار کو انجام دینے میں غیر معمولی مہارت کے حامل رہے ہیں۔

لیکن اس سلسلے میں درست راہ وروش اور منطقی شیوہ وطریقہ یہ ہے کہ اس شخص سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ کسی عقیدہ کو باطل اور نادرست جانتے ہوئے بھی اس عقیدہ کے حامل شخص کے سلسلے میں صبرو تحمل اور رواداری سے کام لیتے ہوئے اس شخص کو اس مخصوص عقیدہ سے وابستگی کے لئے معذور سمجھا جائے جس کا منطقی نتیجہ یہ بر آمد ہوتا ہے کہ دوسروں کے مذہبی عقائد کی بے احترامی خود بخود ممنوع ہوجاتی ہے۔ یعنی اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فلاں کام انجام نہ دے جبکہ دوسروں کے مذہبی عقائد کے احترام کو واجب قرار دیتے ہوئے اس سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف وہ فلاں کام انجام دے جو ریاکاری اور منافقت کی طرف راغب کرتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ مشرکین کے باطل عقیدہ اور خرافاتی اعمال کے سلسلے میں انہیں گالی دینے یا اذیت پہونچانے سے منع تو کیا گیا ہے لیکن یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے باطل اور خرافاتی اعمال کا احترام کیا جائے۔'' وَلَاتَسُبُّو الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوَا بِغَیْرِ عِلْمٍ، کَذَالِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَھُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ مَرْجِعُھُمْ فَیُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْایَعْمَلُوْن۔''(سورہ انعام۔۱۰۸) یعنی اے مومنو! ان لوگوں کوگالی مت دو جو غیر خدا کو پکارتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی جہالت ونادانی کی وجہ سے وہ لوگ خداوند عالم کو گالی دینے لگیں۔ ہم نے ہر آدمی کے اعمال وکردار کو ان لوگوں کی نظر میں زینت دے رکھی ہے۔ بارگاہ عالیہ خداوندی میں ان لوگوں کی واپسی کے وقت ان لوگوں کو ان کے کردار واعمال کی طرف ہم متوجہ کردیں گے۔

محدود اور بامقصد راہ روش

اکثر مسلمانوں نے ادیان کے درمیان گفتگو کو مسلمانوں کی راہ وروش میں تبدیلی پیدا کرنے والے بامقصد منصوبے سے تعبیر کیا ہے۔ ان لوگوں نے اس موضوع کا استقبال نہیں کیا اور اس میدان میں داخل ہونے کے سلسلے میں احتیاط سے کام لیا ہے جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ اس عمل کو نمایاں سیاسی مقصد تک رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ خیال کرتے ہیں ۔ مثال کے طور پر عراق کے نامور فقیہ

مرحوم شیخ محمد حسین کاشف الغطاء نے لبنان میں منعقد ہونے والی'' بحمدون'' کانفرنس کی اعلانیہ تنقید فرمائی تھی۔ یہ کانفرنس ۱۹۵۴ میں لبنان کے شہر بحمدون میں منعقد کی گئی تھی جس میں مسلمان اور عیسائی مذہبی علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور جس کا مقصد اشتراکیت کے بڑھتے ہوئے اثرات کی روک تھام کے لئے مذہب کو ایک اہم وسیلہ کے طور پر استعمال کرنا تھا ۔ انھوں نے ۱۹۵۰ کی دہائی میں مشرق وسطی میں موجود ماحول کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس کانفرنس کی تشکیل کو مشکوک قرار دیا تھا کیونکہ اس زمانہ میں امریکہ اور برطانیہ اپنی سلامتی کو قائم رکھنے کے لئے مشرق وسطی کے ملکوں کو ڈھال کی حیثیت سے استعمال کررہے تھے ۔ ۱۹۴۶ میں برطانیہ نے علاقائی سلامتی ڈھانچہ تیار کیا تھا اور ۱۹۵۵ میں دونوں ملکوں کے درمیان ایک سلامتی معاہدہ ہوا جس میں ایران پاکستان اور برطانیہ بھی شامل تھے۔ اس کو معاہدہ بغداد کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس حقیقت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے مرحوم کاشف الغطاء نے اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت قبول نہیں کی اور'' المثل العلیا فی الاسلام ، لافی بجمدون '' عنوان کے تحت ایک مقالہ میں بڑی طاقتوں کے مفاد ومصالح کے لئے دین کے استعمال کو ناجائز قرار دیا۔ ۵

دینی تعلیمات

ادیان کے درمیان گفتگو کی تیسری روش محدود ور بامقصد گفتگو کی راہ و روش ہے۔قرآن مجید آج سے چودہ سو سال قبل آسمانی کتب کی پیروی کرنے والوں کو گفتگو ومناظرہ کی دعوت دے چکا ہے اور آج صاحب نظر لوگ مذہبی اور دینی مفکرین اور دانشمندوں کے درمیان افہام وتفہیم کی تبلیغ واشاعت کے لئے ، الٰہی ادیان ومذاہب کی پیروی کرنے والوں کے درمیان آپسی غلط فہمیوں کو دورکرنے کے لئے نیز مختلف ادیان کی پیروی کرنے والوں کے درمیان کیوں اور کیسے کا جواب فراہم کرنے کے لئے اس کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ قرآن کریم نے اہل کتاب کے ساتھ گفتگو کا منصوبہ پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

"قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ اِلاَّ اللّٰهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوا فَقُولُوا اشْهَدُوا

۵۔ کاشف الغطاء، محمد حسین،'' المثل العلیا فی الاسلام لا فی بحمدون'' ص ۳۳۔۳۱

بِاَنَّامُسْلِمُونَ۔"(سورہ آل عمران۔ ۶۴)
یعنی کہدو کہ اے اہل کتاب آؤ اور جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان ایک جیسی ہے اس پر ثابت قدم ہوجائیں تاکہ خدا کے علاوہ کسی غیر خدا کی عبادت نہ کریں..."

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اور اسی کو سند قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کی نظر میں بامقصد اور تعمیری گفتگو ہی مختلف ادیان ومذاہب کی پیروی کرنے والوں کے درمیان سالم اور عاقلانہ تعلقات کی تشکیل کا واحد راستہ ہے۔"... وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ سَبِیْلِهِ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔(سورہ النحل آیت ۱۲۵) یعنی بہترین راہ وروش سے ان لوگوں سے مباحثہ کرو۔"وَلَاتُجَادِلُوا اَهْلَ الْکِتَابِ اِلَّابِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ اِلاَّ الَّذِینَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا اٰمَنَّا بِالَّذِی اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُکُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ(سورہ عنکبوت ۴۶)۔" اور اے مسلمانو! تم لوگ اہل کتاب کے ساتھ بہترین راہ وروش سے مباحثہ کرو اس کے علاوہ کوئی دوسری روش اختیار نہ کرو۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان علماء نے تنظیم اسلامی کانفرنس کے اجلاس کے دوران مکہ مکرمہ میں تہذیبوں کے درمیان گفتگو کے لئے ایک عالمی مرکز بنانے پر زور دیا کیوں کہ تمدنوں اور تہذیبوں کے درمیان گفتگو ان مشترک بنیادی اصولوں پر ہی کی جاسکتی ہے جس کی بنیاد اعلیٰ انسانی قدروں پر قائم ہو اور جو عالمی سطح پر صلح وسلامتی قائم کرنے میں ممدومعاون ہو۔

اسلام نے گذشتہ انبیاء علیہ السلام پر اعتقاد وایمان کو لازم قرار دیا ہے اور ان کے درمیان کسی قسم کے فرق کا قائل نہیں ہے۔ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍمِنْ رُسُلِهِ۔" اور ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہم پیغمبروں میں سے کسی بھی پیغمبر کے سلسلے میں فرق نہ ڈالیں۔" اِنَّ الَّذِینَ آمَنُوا وَالَّذِین هَادُوا وَالنَّصَارٰی وَالصَّابِئِینَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُونَ۔"(سورہ بقرہ آیت ۶۲)
یعنی اس میں کوئی شک نہیں............ دنیا میں رنجیدہ وغمناک نہ ہوگا۔"

لیکن بعض مفکرین کا یہ خیال ہے کہ ہماری مستند دینی کتابوں میں اہل کتاب کے ساتھ گفتگو کے سلسلے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ موجودہ زمانہ میں ادیان کے درمیان مطلوبہ گفتگو سے بالکل مختلف ہے۔ اس دعوت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جن حقائق اور اصولوں پر ہم لوگوں کا مشترکہ اعتقاد وایمان

ہے ان کو بنیاد قرار دیتے ہوئے ہم لوگوں کو ان مسائل کے بارے میں بھی بحث و مباحثہ (Debate) کرنا چاہیے جن پر ہمارا اختلاف ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ ہم میں کون حق پر ہے اور کون باطل کی پیروی میں لگا ہوا ہے جبکہ جس گفتگو (Dialogue) کی طرف آج اشارہ کیا جارہا ہے اس کا مقصد مشترکہ مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے مشترکہ کوشش ہے جس کے ذریعہ مختلف ادیان و مذاہب اور تہذیب وتمدن کے سابقہ اور آزمودہ تجربوں کو بروے کارلاتے ہوئے موجودہ مسائل کا کامیاب حل تلاش کیا جاسکے۔

امام صدر کا بنیادی اصول (doctrine)

گفتگو اور تعایش' کے سلسلے میں امام صدر کے نظری بنیادی اصولوں کی پیروی اور اس کی کامیابی کے اسباب وعوامل کے تجزیہ کے بعد ایسی سنجیدہ اور ہمہ جہتی کوشش لازمی ہوجاتی ہے جس نے حالیہ چند برسوں کے دوران ایران اور عرب کے اکثر مسلمان دانشوروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کررکھی ہے۔
اس مقالہ میں جو کچھ اشارہ وار بیان کیا جارہا ہے وہ تین بنیادی اور اہم محور ہیں جن سے اس پر حاکم روح کی جھلک محسوس کی جاسکتی ہے۔

ا۔ مسلمانوں کی عزت کی بحالی

امام صدر نے ۶۰ اور ۷۰ کی دہائیوں کے دوران لبنان میں ''گفتگو اور تعایش'' کی تشکیل وہدایت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر سنبھال رکھی تھی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ مذہب اسلام کے بنیادی اصولوں سے ذرہ برابر انحراف نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس وہ مسلمانوں کی عزت و آبرو کی بحالی میں کامیاب بھی رہے جنہیں لبنان میں گذشتہ تین صدیوں سے دوسرے اور تیسرے درجہ کا شہری قرار دیا جاتا تھا لیکن امام صدر کی کوشش و رہنمائی نے ان مسلمانوں کو لبنان کے عیسائی باشندوں کے برابر کھڑا کردیا۔ ۱۹۶۹ میں مجلس اعلائی اسلامی شیعہ کی بنیاد رکھی گئی اور لبنان کے عیسائی باشندوں نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ اس سے اس مقصد کی گواہی حاصل ہوجاتی ہے جس کی طرف بیروت میں واقع امریکی سفارت خانہ نے اپنی رپورٹ میں واضح اشارہ کیا ہے۔

لبنان کے عیسائی رہنما اس مجلس کی تاسیس وتشکیل سے بہت خوش ہیں۔ وہ لوگ یہ اٹل ارادہ رکھتے ہیں کہ وہ اس تحریک کی ہر ممکن مدد کریں گے۔ موجودہ صورت حال لبنان کے عیسائی معاشرہ

میں آقای صدر کی مقبولیت اور نمایاں حیثیت کی نشاندہی کرتی ہے۔

۲۔ دیگر مذاہب کے لوگوں میں معنویت کا تعارف

امام صدر نے ''گفتگو اور تعایش'' کے دوران نہ صرف اسلام کی عقل دوستی وخرد پسندی کو پوری طرح واضح اور نمایاں کردیا بلکہ ان لوگوں کے درمیان عشق خداوندی اور پاکیزگی نفس کی ایسی تبلیغ کی کہ عیسائی عبادت خانوں میں معنویت اور عرفانیت کا چرچہ جاری ہوگیا۔ امام صدر نے لبنان کے مختلف علاقوں میں واقع عیسائی گرجا گھروں مثلاً ''دیر المخلص'''' کبوچیہ'' اور مارمارون'' نامی عیسائی عبادت گاہوں میں اپنی شرکت اور پرمغز تقریروں کے ذریعہ یہ اہم کارنامہ انجام دیا۔

۳۔ انسان کی خدمت

مختلف ادیان ومذاہب کی پیروی کرنے والے لوگوں کے درمیان تعاون اور دوستی کو امام صدر موجودہ لبنان اور آنے والے دور میں پوری دنیای بشریت کے لئے ایک ایسی اہم ضرورت تصور کرتے تھے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے موجودہ زمانہ میں زندگی بسر کرنے والے انسانوں کے مسائل کو حل کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور اس سلسلے میں انہیں لبنان کے عیسائی عوام اور دینی رہنماؤں کا بھرپور تعاون حاصل تھا جس کا شاندار مظاہرہ حرمان کے خلاف تحریک المحرومین ،تقسیم کے خطرہ کا خاتمہ اور جنگ کی آگ کے سرد پڑجانے جیسے اہم موقعوں پر دکھائی دیتا ہے۔

۱۱رستمبر ۲۰۰۱ کو رونما ہونے والے حادثہ کے بعد'' خاتمہ تاریخ '' اور تہذیبوں کے درمیان ٹکراؤ'' جیسی کتابوں کے مصنف ہنٹینگٹن اور فوکویاما جیسے نامور دانشوروں سمیت امریکہ کی ۶۰ علمی اور ثقافتی شخصیتوں نے عالم اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے ایک اہم مکتوب جاری کیا جس کا عنوان تھا'' ہم کیوں اور کس چیز کے لئے جنگ کررہے ہیں۔''؟

ان دانشوروں نے جنگ طلبی کی سیاست کی پاکیزگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امریکی قدروں کو ہی مطلق عالمی انسانی قدروں کے نام سے تعبیر کیا اس بیان پر دستخط کرنیوالوں میں Samuel Huntington بھی شامل ہیں جس نے تہذیبوں کے درمیان ٹکراؤ کا نظریہ بھی پیش کیا ہے۔ وہ اپنے بیان میں لکھتے ہیں کہ مغربی تمدن دنیا کے دیگر تمدنوں سے بالکل مختلف ہے۔صرف اس وجہ سے نہیں کہ اس کو غیرمعمولی وسعت حاصل ہے بلکہ اپنی ممتاز اور نمایاں قدروں کی وجہ سے اسے جدیدیت

modernism کی پرچمداری حاصل ہوگئی ہے تاکہ وہ ان قدروں کو ساری دنیا میں پھیلا سکے۔ ۶

انسانی حقوق کے عالمی نظریہ کی طرفداری کرنے والوں کا اعتقاد وایمان ہے کہ مغربی قدریں، مغربی ادارے اور تنظیمیں اور ان کی مغربی ثقافت سب سے زیادہ روشن ، آزاد ، منطقی ، مہذب اور جدید ترین انسانی فکر کی حامل ہے ان لوگوں کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ عالمی عوام کو چاہئے کہ وہ ان اعلیٰ اور معیاری قدروں اور مغربی تہذیب وتمدن کے اصولوں کو قبول کرلیں۔

اسی وجہ سے یہ لوگ مغربی تہذیب کو عالمی رنگ وروپ دینے میں ہمہ تن سرگرم ہیں تاکہ یہ تہذیب پوری دنیا پر چھاجائے۔

ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کی تحریک اور اس کی حمایت وطرفداری کرنیوالے اکثر افراد اس موضوع کی طرف عملی راہ وروش اور Pragmatic نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں لہٰذا وہ لوگ اس بات کو نظر انداز کردیتے ہیں کہ یہ تحریک کن فکری اور فلسفیانہ بنیادی اصولوں پر قائم ہے بلکہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دورحاضر کے مسائل کو حل کرنے کے لئے مختلف ادیان ومذاہب کی صلاحیتوں کو استعمال کیاجاسکتا ہے ۔ ان لوگوں کی نظر میں ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ موجودہ عالمی انسانی سماج مختلف النوع ایسے مسائل میں گرفتار ہے جو یقیناً بین الاقوامی پہلو کے حامل ہیں لہٰذا عالمی انسانی برادری میں شامل مختلف معاشرے اپنے اعتقادات کے بموجب ان مسائل کا مختلف حل دنیا کے سامنے پیش کرسکتے ہیں۔ ۷

لیکن یہ بات بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ یہ گفتگو اسی وقت مفید ومؤثر ثابت ہوگی جب گفتگو میں شریک افراد اس کے مفہوم اس کی وسعت اور اس کے اغراض ومقاصد کے بارے میں متفقہ خیال کے حامل ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ادیان اور تہذیبوں کے درمیان گفتگو کی بات چھیڑتے وقت اس سلسلے میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے کیونکہ موجودہ شواہد کی روشنی میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیائے اسلام اور مغربی دنیا کے درمیان اہم ترین ٹکراؤ کی صورت حال ہے کیونکہ مغربی ماہرین سیاست اور ان کے ساتھ ہی ساتھ مغربی مفکرین اپنی تہذیبی قدروں کو دنیا کے سامنے اس انداز میں پیش کررہے ہیں کہ دنیا کی دوسری قوموں کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ مغربی ثقافت اور ان کی تہذیبی قدروں کو

۶۔ لماذا نقاتل؟... رسالة من مثقفي امريكا إلى العالم الإسلامي، مجلة العالمية

۷۔ ملکیان، مصطفیٰ (گفتگو)، "مدارا، گفتگو و دین" گزارش گفتگو (ماہنامہ)، سال اوّل، ۱:۹۔ص ۱۲۔۱۱

اپنالیں اور اس سلسلے میں ذرہ برابر کوئی سوال نہ کریں۔ پس مختلف ادیان ومذاہب اور تہذیب وتمدن کے درمیان گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ مختلف معاشروں کے کچھ مفکرین اپنے مقصد کو مغربی تہذیب کے معیار واقدار کے مطابق اور اس کے سانچے میں ڈھال لیں تاکہ وطن دوستی کا فریضہ بھی ادا ہوجائے۔ واضح رہے کہ ایک مدت سے اس پروجیکٹ کو عملی رنگ وروپ دینے کے لئے سیاسی اور فوجی سرگرمیاں جاری ہیں اور وطنیت کے سانچے میں ڈھلنے کے بعد ممکن ہے کہ اس کے منفی پہلوؤں میں قدرے کمی پیدا ہوجائے اور جوبات پہلے سے تسلیم کی جاچکی ہے وہ اتفاق رائے سے عملی جامہ اختیار کرلے۔

واضح رہے کہ ادیان ومذاہب اور تہذیبوں وتمدنوں کے درمیان حقیقی اور صادقانہ گفتگو اسی صورت میں عملی رنگ وروپ اختیار کرسکتی ہے جب گفتگو میں شریک ہر جماعت اپنے اعتقادات اور اپنی قدروں پر ٹھوس اعتقاد کی حامل ہو۔ پس محمد لگنھاوزن کا یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دینی اعتقادات کی فضیلت مطلقہ ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے لیکن میں ان لوگوں کی اس بات سے قطعی متفق نہیں ہوں بلکہ میں یہ سوچتا ہوں کہ ہم لوگوں کو بھی دیگر ادیان ومذاہب کے ساتھ ایک ثمر بخش اور سودمند گفتگو کا سلسلہ شروع کردینا چاہیے اور گفتگو میں شریک لوگوں کو دوسرے لوگوں کے مذہبی عقائد پر کسی قسم کی کوئی فضیلت وبالادستی حاصل نہ ہونی چاہئے بلکہ سب اپنے مذہبی اعتقادات کو پوری طرح عزیز رکھیں۔ [۸]

بہرحال اس تحریک گفتگو کو سودمند بنانے کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس کے اغراض ومقاصد پہلے سے معین ہوجائیں اور صرف عالمی انسانی برادری کے مفاد ومصالح کو ہی نگاہ میں رکھا جائے اگر صادقانہ طور پر اس گفتگو کے مقاصد کا تعین ہوجائے تو اس تحریک کے خفیہ مقاصد کے سلسلے میں عالمی برادری میں جو غلط فہمی ہے وہ دور ہوجائے اور لوگوں کو یہ یقین ہوجائے کہ کسی ایک تہذیب کو مختلف وطنی رنگ وروپ میں عالمی برادری پر مسلط کرنے کا منصوبہ کارفرما نہیں ہے۔

۸۔ ایضاً۔ ۵

انسان دوستی اور تمدنوں کے درمیان گفتگو کا علمبردار، داراشکوہ

پروفیسر سید عزیز الدین حسین
جامیہ ملیہ اسلامیہ۔ دھلی

داراشکوہ مغل بادشاہ شاہ جہاں اور بیگم ممتاز محل کا بڑا فرزند تھا۔ وہ فلسفہ تصوف اور مختلف مذاہب کے مطالعہ کا شوقین تھا۔ داراشکوہ وسیع النظر بھی تھا اور یہ صفت ہندوستان جیسے وسیع ملک پر حکومت کرنے کے لئے جہاں کہ مختلف مذہبی اور سماجی گروہ بستے ہیں از حد ضروری تھی۔ اس کے کردار کی پاکیزگی، آزاد خیالی، رحم دلی، ہمدردی، انسان دوستی سخاوت وفیاضی اور باپ کی خدمت کے جذبے نے اس کو عوام میں بھی اتنا ہی ہر دلعزیز بنادیا تھا جتنا کہ باپ کی نظروں میں تھا۔

ترک منگول نظریہ بادشاہت کے تحت بڑا بیٹا ہی ولی عہد سلطنت ہوا کرتا تھا۔ مغل بادشاہ اپنے بیٹوں کی تعلیم وتربیت میں بہت دلچسپی لیتے تھے اور خاص طور پر بڑے بیٹے کی پرورش میں کیونکہ وہی ان کے بعد مغل حکمراں ہوتا تھا۔ داراشکوہ کی تعلیم وتربیت میں اس کے دادا جہانگیر، باپ، ماں اور اساتذہ کا بہت دخل تھا۔ ماں کی طرف سے اسے ایرانی تہذیب اور باپ کی طرف سے مغل روایات ملی تھیں۔ اسکے نتیجے میں داراشکوہ کی حیثیت ایک مغل شہزادہ سے بڑھ کر ایک وسیع النظر عالم کی تھی۔ اس طرح جتنے مغل بادشاہ شہزادے اور شہزادیاں گزرے ہیں ان میں داراشکوہ کو سب پر فضیلت حاصل ہے۔ علم کے حصول کے بعد دارا میں وسعت نظری پیدا ہوگئی تھی۔ علمی سطح پر بھی اور شخصی حیثیت سے بھی وہ اخوت و رواداری کا حامی تھا۔ عالم تو اس دور میں کافی تھے لیکن اس کے حریت پسند نظریات نے داراشکوہ کو سترہویں صدی کے علماء میں ایک اہم مقام عطا کردیا تھا۔ جس سے اس کی شخصیت کو ایک خاص طرز کا تشخص حاصل ہوگیا۔

پینسٹھ (٦٥) سال کی عمر میں شاہ جہاں عسر البول اور قبض میں مبتلا ہوگیا۔ تکلیف اتنی بڑھی کہ کچھ ہی دنوں میں اس کا اپنی خواب گاہ سے باہر نکلنا اور دربار میں آنا بھی بند ہوگیا۔ ہر شاہی نظام کا طریقہ ہے کہ اگر مقتدر اعلیٰ عوام کی نظروں سے اوجھل ہوجائے تو بڑی بے چینی پیدا ہوجاتی ہے۔

عوام کی بے چینی دور کرنے کی خاطر شاہ جہاں کو دو دفعہ درشن دینے کے لئے جھروکے میں آنا پڑتا۔ شاہ جہاں نے محسوس کیا کہ اس کی حالت تیزی سے گرتی جارہی ہے۔ لہٰذا اس نے امراء و درباریوں کو جمع کر کے ان کی موجودگی میں دارا کو اپنا جانشین مقرر کیا اور ان کو ہدایت دی کہ شہزادے کی پوری پوری اطاعت کریں۔

لبرل آزاد خیالی کی روایات ہندوستان کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ در اصل اس کی بنیاد دارا شکوہ کے پردادا اکبر بادشاہ نے ڈالی تھی۔ اپنے دور حکومت میں تیرتھ یاترا ٹیکس اور جزیہ کو معاف کر کے، ہندوؤں کو مغل حکومت کا حصہ بنا کر اور ورونداون کے مندروں کو جاگیریں دے کر صلح کل کی سیاست کو جنم دیا۔ اکبر سے پہلے ورنداون کو کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ یہ اکبر ہی تھا جس نے ورنداون کو ہندوستان کے نقشہ پر ایک مذہبی زیارت گاہ (تیرتھ استھان) کی حیثیت دی۔ ورنداون میں جتنے مندر ہیں وہ سب اکبر کے ہی عہد میں تعمیر ہوئے۔ ان پالیسیوں کی بنا پر مغلوں اور راجپوتوں کے درمیان ایک دوسرے پر اس قدر اعتماد ہوگیا کہ ہلدی گھاٹی کی لڑائی میں اکبر خود نہیں گیا بلکہ اپنی طرف سے راجہ مان سنگھ کو رانا پرتاپ کے مقابلے میں بھیجا۔ مغل بادشاہوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا اور اکبر نے ایک مضبوط ہندوستان کا خواب دیکھا۔ اس خواب کی تعبیر کو حقیقت میں بدلنے کے لئے اکبر نے ایک مضبوط مرکز بنانے کی کوشش کی۔ اس لئے کہ جب تک ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا رہے گا ایک مضبوط ہندوستان کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔ اکبر اور رانا پرتاپ کا جھگڑا کوئی ہندو اور مسلمان کا جھگڑا نہیں تھا بلکہ ایک مضبوط مرکز بنانے کی جدوجہد میں ایک چھوٹی ریاست سے جھگڑا تھا۔ اکبر ہندوستان سے کچھ باہر نہیں لے گیا جس طرح انگریز ہندوستان کی دولت کو باہر لے گئے۔ اکبر نے اور اس کے بعد مغل بادشاہوں نے جو کچھ ہندوستان کے لئے کیا وہ ہمارے سامنے ہے۔ اکبر کے سامنے یہ مسئلہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے کہ جواہر لال نہرو سردار پٹیل کے سامنے حیدر آباد کا مسئلہ تھا۔ ایک مضبوط ہندوستان کے قیام میں حیدر آباد جیسی ریاست کو آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ بالکل اسی طرح میواڑ کی ریاست کو بھی آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ اکبر نے لبرل روایات اور صلح کل پالیسی اپنا کر ایک مضبوط ہندوستان کی بنیاد ڈالی۔

اکبر نے لبرل روایات کی بنیاد سیاسی اور سماجی پالیسیوں کے تحت ڈالی لیکن اس کے پڑپوتے دارا شکوہ نے اپنے دادا کے خواب کو پورا کرنے کے لئے ایک عالمانہ انداز اختیار کیا۔ دارا نے

آزاد خیالی، تقریب مذاہب اور تمدنوں کے درمیان گفتگو کی تبلیغ واشاعت علمی سطح پر کی۔ دراصل اس کی شخصیت پر اس کے دو اساتذہ جن کے زیر سرپرستی اس کی تعلیم وتربیت ہوئی میاں میر اور ملا شاہ بدخشی جو خود وسعت ذہنی اور لبرل روایات کے لئے مشہور تھے، بہت زیادہ اثر پڑا۔ ان علماء کے علاوہ دارا شکوہ نے علم کی طلب میں اس دور کے صوفیاء اور بھکتوں سے بھی تعلقات قائم کئے اور ان سے بھی علم حاصل کیا۔ ان میں شاہ محب اللہ الہ آبادی، شاہ دلربا شاہ محمد اور بابالال داس بیراگی خصوصیت کے حامل ہیں۔ اس نے اپنے کوصوفیاء کے سلسلوں میں قادریہ سلسلہ سے منسلک کیا۔ نتیجے کے طور پر اس کے علم میں مزید اضافہ ہوا اور مزید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنے علم کو مزید وسعت بخشے۔

دارا شکوہ کے یہاں حقیقت کا علم حاصل کرنے کی لگن تھی۔ بھکتوں سے بات چیت کے بعد اس کو ایسا محسوس ہوا کہ جن مسائل پر وہ پنڈتوں اور بھکتوں سے بات کرتا ہے اس سے اس کی تسکین نہیں ہوتی تھی لہٰذا دارا نے فیصلہ کیا کہ کیوں کہ ہندومذہب کا تمام ترلٹریچر سنسکرت زبان میں ہے اور بغیر سنسکرت پڑھے وہ ان مسائل کو آسانی سے نہیں سمجھ سکتا۔ لہٰذا سچائی کی تلاش میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس نے بنارس کے پنڈتوں سے سنسکرت زبان سیکھی تاکہ وہ ویدوں، رامائن اور مہابھارت کا مطالعہ کرسکے۔ نہ صرف اسنے سنسکرت زبان سیکھی بلکہ اس درجہ لیاقت حاصل کی کہ اس نے کئی سنسکرت کتابوں کے فارسی زبان میں ترجمے بھی کرڈالے تاکہ ان تراجم سے دوسرے علماء بھی مستفید ہوسکیں۔ ان کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نے اسلام اور ہندو مذہب کے تقابلی مطالعہ کا فیصلہ کیا۔ تاکہ دونوں مذاہب کی خصوصیات کو اس تقابلی مطالعہ کی روشنی میں پیش کیا جاسکے۔ اس کے نتیجے میں دارا نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام اس نے ''مجمع البحرین'' رکھا یعنی سمندروں کا سنگم۔ خود نام ہی خوبصورت ہے۔ مجمع البحرین کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ۔

بنام آن کہ او نامی ندارد بہر نامی کہ خوانی سر برآرد

اس کتاب کو اس نام سے شروع کرتا ہوں کہ جس کا کوئی نام نہیں اس کو جس نام سے بھی پکارو وہ سنتا ہے۔ دارا کی یہ کوشش مذاہب کے درمیان قربت اور گفتگو کو عملی رنگ وروپ عطا کرنے کی راہ میں ایک عالمانہ کوشش تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ عصر حاضر میں ہندوستان اور ہندوستان کے باہر کی بہت سی یونیورسٹیوں میں مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے شعبہ موجود ہیں۔ لیکن سترھویں صدی کے زیادہ تر علماء کے لئے مذاہب کا تقابلی مطالعہ اور خاص طور پر اسلام اور ہندو مذہب کا تقابلی مطالعہ ان کی

سمجھ سے باہر کی بات تھی۔ چنانچہ علماء کی ایک کثیر تعداد نے دارا شکوہ کی مخالفت شروع کر دی۔

درحقیقت دارا شکوہ کی اس علمی کاوش کا مقصد یہ تھا کہ جب ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے مذاہب سے واقف ہوں گے تو ان کی اصل سمجھ اسلام اور ہندو مذہب کے بارے میں پیدا ہو سکے گی اور جو غلط فہمیاں ایک دوسرے کے درمیان ہیں وہ دور ہو سکیں گی اور اس کے نتیجے میں ہم آہنگی اور میل ملاپ کی فضا پیدا ہو سکے گی۔ مجمع البحرین میں دارا لکھتا ہے کہ سالک کے حقیقت تک پہونچنے کے اسلام میں چار مقامات ہیں۔ ناصوت، جبروت، ملکوت اور لاحوت ۔ اور اسی طرح ہندو دھرم میں بھی چار مقامات ہیں جاگرت، سوپن، سسوپتی اور تریا۔ اور اسی طرح سے مکتی، نجات اور بہشت اور سورگ ایک ہی مقام کی طرف لے جاتے ہیں اس حقیقت کو وہ اس شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے۔

آنہا کہ تو می بینی و می دانی غیر　　　در ذات یکیست در نام جدا

یعنی جن چیزوں کو تو دیکھتا ہے اور الگ جانتا ہے وہ درحقیقت ایک ذات کے مختلف نام ہیں۔

دارا شکوہ کی یہ کوشش اکبر کی صلح کل کی پالیسی کا ہی حصہ تھی اور انہیں روایات کو سامنے رکھتے ہوئے دارا شکوہ علمی سطح پر جامع انداز میں اس تحریک کو مضبوط کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ جس طرح علماء اور صوفیاء کے ایک مخصوص گروہ نے ہندوؤں سے نفرت اور علیحدگی کی پالیسی کا پرچار کیا اسی طرح علماء کا ایک گروہ دارا شکوہ کی اس کوشش کا بھی شدید مخالف تھا۔ اور آج بھی بہت سے دانشور اور علماء اسی ذہن کو رکھنے والے دارا شکوہ کے مخالف ہیں۔ کچھ پاکستانی اور ہندوستانی مورخین اشتیاق حسین قریشی محمد اسلم اور افتخار احمد غوری ور یوسف حسین خاں، ظہیر الدین فاروقی وغیرہ کا کہنا ہے کہ" در اصل دارا شکوہ کی یہ پوری کوشش اپنے سیاسی مفادات کو حاصل کرنے کے لئے تھی اور اس کوشش کے ذریعہ وہ ہندوؤں کو اپنا ہم نوا بنا کر مغل تخت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔" ایسی کوئی بات نہ تو دارا کے اپنے بیان سے نکل کر آتی ہے اور نہ ہی اُس دور کے مسلم یا ہندو مورخین نے ہی اپنی تواریخ میں لکھی ہے۔ دارا شکوہ نے "سرا کبر" کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ در اصل وہ سچائی کا متلاشی ہے جس سے وہ خود اس کی اولاد، اس کے احباب اور دوسرے سچائی کے متلاشی مستفید ہو سکیں گے۔

۱۶۶۸ کی نام نہاد تخت نشینی کی جنگ کو بھی بعض مورخین اور علماء نے دارا شکوہ کی ان کوششوں سے ہی جوڑ دیا ہے۔ ان کی سمجھ ہے کہ دارا شکوہ کی یہ تمام تر کوشش تخت کو حاصل کرنے کے سلسلے میں تھی۔ پاکستانی مورخ محمد اسلم اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ" تخت نشینی کے لئے جنگ

اورنگزیب اور دارا شکوہ کے درمیان نہ تھی بلکہ اصل معرکہ راسخ العقیدہ اور آزاد خیال مسلمان، شریعت اور آزادشریعت ، وحدت الوجود اور وحدت الشہود ، پابند شریعت نقشبندیوں اور حضرت مجدد الف ثانی اور ہردے رام کے نظریات کے درمیان تھی۔ اگر اورنگزیب اول الذکر گروہوں کا نمائندہ تھا تو دارا شکوہ موخر الذکر گروہوں کا علمبردار تھا۔'' اپنے اس بیان کو مزید مستحکم بنانے کے لئے محمد اسلم نے ظہیر الدین فاروقی کے اس بیان کا سہارا لیا ہے کہ ''ہندو اکبر جیسا بادشاہ تخت پر دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ رواداد اور آزاد خیال حکومت بر سر اقتدار آئے مسلمان قانون شریعت کے تحفظ کے خواہاں تھے اور مسلمان اس کوشش میں تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ایسے حالات سے دوچار ہونے سے بچ جائیں۔'' اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ'' دار اشکوہ میں ایسے آثار نظر آرہے تھے کہ وہ بڑھ کر دوسرا اکبر ثابت ہوگا۔ راسخ الاعتقاد طبقے کی امیدیں اورنگزیب پر مرکوز تھیں جو اپنے عقائد واعمال میں نہ صرف راسخ الاعتقاد تھا بلکہ زاہد ومتقی بھی تھا'' محمد اسلم لکھتے ہیں کہ اس لئے فطری طور پر ہندوؤں نے دارا شکوہ کی حمایت کی اور راسخ العقیدہ مسلمانوں نے اورنگزیب کا ساتھ دیا کیونکہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اورنگزیب اور شجاع آپس میں مل گئے تھے اور ان دونوں کے درمیان یہ بات طے پائی کہ وہ یہ نعرہ بلند کریں گے کہ قانونی اسلام کو دارا کی کافرانہ گرفت سے محفوظ رکھنا ہے۔ شہنشاہ کو اس بت پرست کی غلامی اور ظلم سے نجات دلانا ہے۔ انہوں نے اپنے لئے محافظ اسلام کے پروقار لقب منتخب کرلیا۔ علامہ اقبال بھی دارا شکوہ کے بارے میں تقریبا یہی رائے رکھتے ہیں۔

تخم الحادے کہ اکبر پرورید بازاندر فطرت دارا بدید

یعنی اکبر نے جو بے دینی کا بیج بویا تھا وہ پھر سے دارا شکوہ کی فطرت میں نظر آتا ہے۔ لیکن اگر ہم شاہ جہاں کے امراء کی فہرست پر نظر ڈالیں جو دارا شکوہ اور اورنگزیب کا ساتھ دے رہے تھے تو وہ بعض ہندوستانی اور پاکستانی مورخین کے بیانات کے بالکل برعکس ہے۔ ۲۴ ہندو منصبدار دارا شکوہ کے ساتھ تھے اور اس کے برخلاف ۲۱ ہندو منصب دار اورنگزیب کا ساتھ دے رہے تھے۔ تو اگر بعض ہندوستانی اور پاکستانی مورخین کے بیانات کے مطابق یہ جنگ مذہب کی بنیاد پر لڑی جارہی تھی تو اس حساب سے تو یہ بات ثابت نہیں ہوئی۔ ۲۱ ہندو منصب دار اورنگزیب کا ساتھ کیوں دے رہے تھے؟ اور ۶۳ مسلم منصب دار دارا شکوہ کے ساتھ جس میں ایرانی تورانی اور افغانی مسلمان منصب دار شامل تھے۔ تو یہ مسلم منصب دار دارا شکوہ کے ساتھ کیوں تھے؟ اگر یہ معرکہ تو دین کی خاطر تھا۔

اور ان مورخین کے مطابق دین اورنگزیب کے ساتھ تھا تو پھر ایسا کیوں کر ممکن ہوا؟

اورنگزیب نے یہ جنگ جیت لی۔ یہ جنگ تخت نشینی نہ تھی اس لئے کہ مغل بادشاہ شاہ جہاں زندہ تھا۔ جیسا کہ پاکستانی اور ہندوستانی مورخین نے سمجھا ہے۔ در اصل یہ ہندوستانی اور پاکستانی مورخین اورنگزیب کو باغی کہنے سے شرماتے ہیں۔ جب کہ اورنگزیب باغی تھا۔ داراشکوہ ولی عہد سلطنت تھا اور بادشاہ وقت کے ساتھ تھا۔ اس سے پہلے جب سلیم نے اکبر کے خلاف خرم نے جہانگیر کے خلاف تلوار اٹھائی تو یہی مورخین اسکو بغاوت کہتے ہیں اب جب اورنگزیب، شاہ جہاں کے خلاف تلوار اٹھا رہا ہے تو اس کو بغاوت کیوں نہیں کہتے؟ حد یہ ہوئی کہ بادشاہِ وقت کو قید بھی کر دیا۔ اورنگزیب خود ایک عالم تھا اور سمجھتا تھا کہ اس کی حیثیت ایک باغی کی ہے۔ اسی کو ختم کرنے کے لئے شیخ عبد الوہاب گجراتی سے یہ فتویٰ حاصل کیا کہ'' شاہ جہاں بیمار ہے اور ضعف کی بنا پر کاروبار سلطنت چلانے سے معذور ہے اس لئے اورنگزیب کی دار الحکومت پر فوج کشی شرعاً جائز ہے۔'' تا کہ کامیاب ہونے کی صورت میں کوئی اس کو باغی نہ کہہ سکے۔ سلیم یا خرم نے بغاوت کرنے سے پہلے ایسا کوئی فتویٰ علماء سے حاصل نہیں کیا۔ جب داراشکوہ دہلی قید کر کے لایا گیا تو مسئلہ یہ ہوا کہ اس کو کس جرم کے تحت قتل کیا جائے۔ دارا باغی نہ تھا خود اورنگزیب تھا لہٰذا اب ان علماء کو موقع ملا۔ انہوں نے اس کے علمی کارناموں کو سامنے رکھتے ہوئے اسے ملحد قرار دیا اور علماء نے اس کے محضر الحاد پر دستخط کر دیئے جس کے نتیجے میں اورنگزیب نے اس محضر کی روشنی میں داراشکوہ کے قتل کے فیصلہ پر صاد بنایا۔ جب کہ ایک پاکستانی مورخ شیخ اکرام کا کہنا ہے کہ'' داراشکوہ کی تصنیفات میں تلاش و جستجو کے باوجود کوئی ایسا اندراج نظر نہیں آتا جس سے اس کا الحاد ثابت ہو سکے۔'' بہر حال داراشکوہ کو ۱۶۵۹ میں دہلی کے ایک گاؤں خضر آباد میں قتل کر دیا گیا اور عجیب بات ہے کہ جس کو علماء نے ملحد قرار دیا اس کے قتل کے بعد داراشکوہ کی لاش کو ہمایوں کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ اگر وہ علماء کی نظر میں ملحد تھا تو دفن کیوں کیا؟ اس طرح ہندوستان داراشکوہ جیسے عالم قومی یک جہتی انسانیت اور بھائی چارہ جیسے خیالات کے حامی حکمراں سے محروم ہو گیا۔ داراشکوہ نے ایک گراں بہا سرمایہ چھوڑا جو آج بھی قومی یک جہتی کی کے لئے میں مشعل راہ کا کام کر رہا ہے۔ لیکن ہم نے داراشکوہ کو پوری طرح بھلا دیا۔

عالمی دہشت گردی کا علاج۔گفتگو

ڈاکٹر اختر مہدی
جواہر لال نہرو یونیورسٹی

بیسویں صدی کے نصف آخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں دنیا کے مختلف حصوں میں ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ عالمی سطح پر غیر معمولی سیاسی، سماجی، اقتصادی اور ثقافتی ہلچل مچ گئی بلکہ اس زمانے کی دنیا کی دوبڑی طاقتوں نے مختلف ممالک کے سلسلے میں جو محاسبات قائم کرر کھے تھے وہ پوری طرح غلط ثابت ہوگئے اور عالمی سیاسی وفوجی توازن میں ایسا اتار چڑھاؤ پیدا ہو اکہ عقل حیران ہوکر رہ گئی۔ ان اہم حوادث میں ایران میں رونما ہونے والے اسلامی انقلاب ، سوویت یونین کے ذریعہ افغانستان پر فوجی حملات، ایران پر عراق کی آٹھ سالہ تباہ کن جنگ، امریکہ کی سرپرستی میں افغانستان میں اسامہ بن لادن کی قیادت میں القاعدہ تنظیم کی تشکیل اورافغانستان پر اس کا قبضہ امریکہ کے ذریعہ طالبانی حکومت کی سرکاری شناخت ، ایران پر ۸ سالہ تباہ کن جنگ کا دباؤ ایران عراق کے درمیان جنگ بندی ،کویت پر عراق کا قبضہ اور کویت کی آزادی کے بہانہ خلیج فارس میں امریکی فوجی چھاؤنی کی تشکیل ، مشرقی بڑی طاقت سوویت یونین کی نابودی ، الجزائر میں NationalSalvation Front اور دیگر اسلامی وجمہوری تنظیموں کی نابودی، مہلک اسلحوں کی نابودی کے نام پر عراق پر خوفناک بمباری، ۱۱ رستمبر نیویارک کے تجارتی مرکز کی نابودی، صلح کے نام پر فلسطین اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی ،فوجی پناہ گاہوں میں فلسطینی مظلوموں پر وحشیانہ بمباری، بوسنیا ،چیچنیا میں تاریخی نسل کشی، پھر صدام کی گرفتاری اور مہلک اسلحوں کی تلاش کے نام پر امریکی قیادت میں پوری اتحادی افواج کا عراق پر حملہ وعراقی عوام کا قتل عام اور اسامہ بن لادن کی جستجو میں اب تک افغانستان کے بے گناہ عوام کے قتل عام کا لامتناہی سلسلہ ہر روز حکومت امریکہ کی طرف سے دنیا کے مختلف ملکوں کو کسی نہ کسی چیز کے بہانے خوفناک نتائج کی دھمکی وغیرہ۔ منصفانہ غوروفکر سے کام لیتے ہوئے دیکھاجائے تو کیا یہ حوادث سرکاری عالمی دہشت گردی کا ناقابل فراموش نمونہ نہیں ہیں؟ کیا دہشت گردی کی روک تھام کے نام پر ان حوادث کوجنم دینا ایک عدیم المثال دہشت گردی نہیں

ہے؟ کیا اسامہ بن لادن نامی ایک سعودی شہری کی تلاش کے نام پر پورے ملک افغانستان پر خوفناک بمباری اور وہاں کے بے گناہ عوام کا قتل دہشت گردی نہیں ہے؟ کیا سرزمین عراق میں عرب ممالک کی دولت سے خریدے گئے امریکی اور اسرائیلی ساخت کے اسلحوں کے انبار کی نابودی کے نام پر عراقی عوام کو وحشیانہ مظالم کا شکار بنانا دہشت گردی نہیں ہے؟

یقیناً یہ تمام حوادث دہشت گردی کی جیتی جاگتی مثال ہیں لیکن اصل دشواری یہ ہے کہ ان واقعات کا رشتہ دنیا کی اکلوتی بڑی طاقت سے جڑا ہوا ہے جس کی باگ ڈور ایسے شخص کے ہاتھوں میں ہے جو عالمی گاؤں کی چودھراہٹ حاصل کرنے کے لئے لاکھوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتا رسکتا ہے ۔ جس نے طاقت کے ناجائز اور غیر انسانی استعمال کے ذریعہ دنیا میں رائج اصطلاحات کو نئے معنی ومفہوم عطا کردئے ہیں اور جس نے یہ اعلان کرتے ہوئے شرم نہیں محسوس کی کہ یا امریکہ کے ساتھ آجاؤ یا دہشت گردی کے ساتھ رہو۔ شاید ایسی ہی صورتحال کی تفسیر کے لئے شاعر نے یہ شعر پیش کیا تھا۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں　　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اگر یہ بات اسی حد تک رہتی تو ٹھیک تھا لیکن یہ سلسلہ آگے بڑھا اور ۱۱رستمبر کو نیویارک میں ہونے والے دھماکوں کے بعد راتوں رات کسی ٹھوس یا مشکوک ثبوت کے بغیر سامراجی طاقتوں نے امریکی قیادت میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا اور دہشت گردی مخالف سرگرمیوں کی آڑ میں اسلام دشمنی اور مسلم کشی کا بازار گرم ہوگیا اگر چہ ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد عالمی سامراج کی اسلام دشمنی اور مسلم کشی پر مبنی سرگرمیاں شروع ہوگئی تھیں اور دو اسلامی ملکوں یعنی ایران وعراق کے درمیان طولانی جنگ ، دوران جنگ مہلک کیمیاوی اسلحوں کے استعمال اور تہران میں لگاتار بم دھماکوں کے ذریعہ اسلام دشمنی اور مسلم کشی کا سلسلہ جاری تھا لیکن اس زمانے میں ان بے گناہ مسلمانوں کو بنیاد پرست قرار دیتے ہوئے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹا جارہا تھا اور اسلام ومسلمانوں کی رسوائی کے لئے یہ پروپگنڈہ کیا جارہا تھا کہ مسلمان ایک لڑاکو قوم ہے۔ یہ لوگ دنیا کے کسی کونے میں صلح وسلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے عاجز ہیں لیکن وہ اپنے اس ناپاک مشن میں اس لئے ناکام رہ گئے کہ طاقتور بم دھماکوں میں ایرانی پارلیمان کی عمارت خاک کے ڈھیر میں تبدیل ہوگئی ۔ ملک کے صدر ووزیر اعظم شہید ہو گئے اور شہید بہشتی نے امام خمینی کے دیگر

۲۷ ساتھیوں کے ہمراہ جام شہادت نوش کرلیا لیکن ایرانی عوام کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہیں آئی بلکہ ایرانی عوام نے اپنے مثالی صبر سے یہ ثابت کردیا کہ عالمی سامراج کی عداوت ودشمنی کا مرکز ومحور صرف سرزمین ایران ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام ہے اور صلح وسلامتی اور انسان دوستی کی علمبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سامراجی طاقتیں دنیا کے ہر گوشہ میں مسلم کشی میں ہمہ تن سرگرم ہیں۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ آخر اسلام اور مسلمانوں نے ایسا کون سا جرم کیا ہے کہ عالمی سامراج انکی عداوت اور نابودی پر کمر بستہ ہوگیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران کے قائد عظیم المرتبت امام خمینی نے جب عالمی سطح پر اسلام کے حقیقی رنگ وروپ کو دنیا والوں کے سامنے پیش کیا اور اسلام پر چڑھائی گئی ملوکیت کی قلعی ایرانی شہداء کے خون کی گرمی پاکر پگھلنے لگی تو اسلام کا بشر دوست عدل پسند اور برابری طلب چہرہ نمایاں ہوگیا۔ ملت اسلامیہ عالم میں غیر معمولی بیداری کی لہر سی دوڑ گئی اور انصاف پسند غیر مسلم انسانی برادری بھی اسلامی جاذبیت کے دائرہ سے باہر نہ رہ سکی۔ اسلام کی روز افزوں مقبولیت نے عالمی سامراج پر دیوانگی طاری کردی چنانچہ منصوبہ بند اسلام دشمن تحریکوں اور سرگرمیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک طرف شعائر اسلامی کی بے حرمتی کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ابلیسی علامات وشیطانی آیات کی اشاعت ومسئلہ طلاق طلاق طلاق کے ذریعہ اسلامی ازدواجی قوانین میں بے بنیاد نقص اور کمی کی نشاندہی کی مہم چھیڑدی گئی اور مسلمان نوجوانوں کو فاسد جنسی حرکتوں ک دلدادہ بنایا جانے لگا۔ دوسری طرف رمضان المبارک کے مہینہ میں مسجدوں میں محو عبادت مسلمانوں پر گولیاں برساکر یہ دکھایا گیا کہ اسلام قتل وخونریزی اور تباہی وغارت گری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ان اسلام دشمن سرگرمیوں کے ذریعہ مقدس اسلامی فریضۂ جہاد کو بھی خوب خوب بدنام کیا گیا جبکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ عظیم الہی اور انسانی مقصد کی بقاو حفاظت کی راہ میں انجام پانے والا ہر عمل مذہب اسلام میں جہاد کا درجہ رکھتا ہے اور جہاد کے لئے مجاہد کے ہاتھوں میں تلوار وہتھیار کا ہونا لازمی نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالمی سامراج نے یہ تمام کام کیوں انجام دیئے اور اسے اپنے اس ناپاک مشن میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی؟ اور آخر کار اس کا انجام کیا ہوگا اور عالمی انسانی برادری کو ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے۔

ظاہر ہے کہ ان تمام اسلام دشمن اور مسلم کش سرگرمیوں کا مقصد عالمی سطح پر ایسا ماحول سازگار کرنا تھا

کہ جب مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیا جائے تو عالمی برادری اسے فوراً تسلیم کرے اور اس دہشت گردی کی آڑ میں وہ اہم اسلامی اقتصادی ذخائر کو اپنے قبضہ میں کرے۔ گذشتہ دو تین برسوں کے دوران عراق اور افغانستان پر اپنے ناجائز تسلط کی وجہ سے سامراج نے اپنے زعم ناقص میں یہ سمجھ رکھا ہے کہ اب یہ دونوں ملک ان کے دائرہ اقتدار کا اٹوٹ حصہ بن گئے ہیں لیکن مظلوموں کی درد بھری آواز بے اثر نہیں ہوا کرتی۔ آگ برساتے ہوئے اسلحوں کے سامنے ان کی خاموشی کو ان کی شکست سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اسلحوں سے زمین تو جیتی جاسکتی ہے انسانی قلوب پر فتح وکامرانی کا حصول قطعی ناممکن ہے اور اسلام جو دین الٰہی ہے اس کی نابودی کیسے ممکن ہے جبکہ خداوند عالم نے اس کی حفاظت کا وعدہ کر رکھا ہے البتہ گذشتہ چند روز کے دوران عالمی سامراج نے دہشت گردی کی آڑ میں لندن اور دنیا کے دیگر علاقوں میں بے گناہ مسلمان نوجوانوں کا جو اعلانیہ قتل کیا ہے وہ نہایت تشویش ناک بات اور نہایت خطرناک کھیل ہے اور اگر دنیا کے ایک ارب مسلمانوں نے ان ظالمانہ حرکتوں کی وجہ سے خود کو غیر محفوظ محسوس کرلیا تو اس کے نامناسب نتائج بھی برآمد ہوسکتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ مختلف مذاہب وعقائد سے وابستہ اقوام عالم پر مشتمل عالمی انسانی برادری کا باہمی اعتماد شک کے دائرہ میں آجائے اور وہ ایک دوسرے سے محبت کے بجائے باہمی نفرت وعداوت پر کمر بستہ ہوجائیں۔ Huntington نے تہذیبوں کے درمیان ٹکراؤ جیسی تھیوری کے ذریعہ اسلام کی مقبولیت وبالادستی کے خوف سے عالمی سامراج بالخصوص وعیسائیت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی نابودی کے ذریعہ اپنا دفاع کریں یہ مشورہ یقیناً حق بجانب نہیں ہے بلکہ تہذیبوں کے درمیان موجود اختلافات کو گفتگو کے ذریعہ بھی حل کیا جاسکتا ہے اور انسانی قدروں کی اشاعت وخوش حالی کی زمین ہموار ہوسکتی ہے۔ پس ایسے حالات میں عالمی انسانی برادری پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ عالمی سامراج پر دباؤ ڈالتے ہوئے اسے قتل وغارت گری اور اسلام دشمنی ومسلم کشی سے باز رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں کیونکہ اسلام ایک بے گناہ انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر کرتا ہے اور مسلمانوں سے اپنے ایمانی بھائیوں کے ساتھ ہی ساتھ اپنے انسانی بھائیوں سے دوستی اور محبت کا مطالبہ کرتا ہے اور انہیں یہ درس دیتا ہے کہ دیکھو اگر تمہارے ایمانی یا انسانی بھائی کوئی غلطی کر بیٹھیں تو تم انھیں اسی طرح معاف کردینا جیسے تم یہ چاہتے ہو کہ خداوند عالم تمہاری خطاؤں کو معاف کردے۔

تصوف ادیان ومذاہب کے درمیان گفتگو کا

بہترین وسیلہ: مرزا مظہر جان جاناں

ڈاکٹر محمد تعظیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ

۱۸ ویں صدی ہندوستان کی تاریخ میں ایک لحاظ سے غیر معمولی صدی کہی جاسکتی ہے۔ اس زمانے میں ایک طرف جہاں مغل حکومت اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی وہیں ہندوستان میں سکھ، مرہٹے، افغان، جاٹ اور یوروپی طاقتیں مغلوں کے خلاف اپنی طاقت مستحکم کرنے کی جدوجہد میں مصروف اور آپس میں برسرپیکار تھیں۔ اس صدی میں کئی اہم شخصیات بھی پیدا ہوئیں۔ جنھوں نے ہندوستانی سماج پر اپنے گہرے نقوش مرتب کئے۔ ان میں ملا نظام الدین سہالوی بانی درس نظامی، شاہ ولی اللہ دہلوی، مرزا مظہر جان جاناں وغیرہ غیر معمولی اہمیت کی حامل شخصیات ہیں۔ جو اپنے اپنے طور پر بالخصوص مسلمانوں اور بالعموم ہندوستان کی مشترک اقدار کا احیاء کرتی نظر آتی ہیں۔ اور یہ تینوں ہی شخصیات دامن تصوف سے وابستہ رہیں۔ شاہ ولی اللہ نے جہاں مسلمانوں کے مختلف ممالک کے درمیان تطبیق کی وہیں ملا نظام الدین سہالوی نے ایک ایسا نصاب ترتیب دیا جو مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ بقول شیخ محمد اکرام ایک سیکولر نصاب تھا اور ان کے مدرسہ فرنگی محل میں سنی وشیعہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو حضرات بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مرزا مظہر جان جاناں کی ولادت ۱۶۹۹ میں ہوئی ان کے والد کا نام مرزا جان تھا جن کا تعلق اورنگ زیب کے طبقہ امراء سے تھا۔ مرزا مظہر کی وفات ۱۷۸۰ میں ہوئی۔ آپ کے ہندو حضرات سے بھی مخلصانہ تعلقات تھے[۱] جن کی زندگی شعرو ادب اور تصوف کے لئے وقف تھی۔ غیر معمولی نازک مزاجی اور دل گداختگی کے باوجود مرزا صاحب دقیقہ رسی علمیت، مذاق سلیم، انصاف پسندی اور تصوف میں یگانہ روزگار تھے[۲]۔ مرزا مظہر جان جاناں ہندوستان میں نقشبندیہ سلسلے کے آخری

۱۔ مقامات مظہری، ص۔ ۷، ۱۳۔ ۲۔ رود کوثر ص۔ ۶۳۵

بڑے صوفی ہیں۔ آپ کے مکتوبات جو آپ نے اپنے مریدین واحباب کو تحریر کئے ہیں ان میں بعض مکتوبات میں آپ نے صوفیانہ وشرعی مسائل کی توضیح کی چنانچہ ان کے بعض خطوط سے اس دور کی بدنظمی اور سیاسی اتھل پتھل کے ساتھ تمدنی زندگی کی تفصیلات کا علم ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے ایک طویل مکتوب میں ہندوؤں کے آئین ومذہب کے بارے میں اپنی رائے تحریر کی ہے۔[۳] اس مسئلے پر ایسا تفصیلی اظہار کسی مسلم بزرگ نے شاید ہی اس دور تک تحریر کیا ہو۔ اس مکتوب کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ممالک ہند میں انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے گئے۔

۲۔ یہ دین (ہندومت) پہلے ایک مرتب دین تھا اب منسوخ ہوگیا۔

۳۔ شرع اکثر انبیاء کے احوال میں خاموش ہے۔ اس لئے ہندوستان کے انبیاء کے حق میں خاموشی ہی بہتر نہ ہمارے لئے ان کی پیروی کرنے والوں کے لئے کفرو ہلاکت کا یقین لازم ہے اور نہ ہی ان کی نجات کا یقین ہمارے لئے واجب ہے۔

۴۔ ہندوؤں کا سجدہ، سجدۂ تحیت ہے نہ کہ عبودیت کیونکہ ان کے مذہب میں ماں باپ، پیر اور استاد کو سلام کے بجائے یہی سجدہ کیا جاتا ہے۔

۵۔ تناسخ پر اعتقاد رکھنے سے کفر لازم نہیں آتا ہے۔

۶۔ متاخرین نے ہندومت میں جو تصرفات کئے ہیں وہ ساقط الاعتبار ہیں۔

مرزا مظہر جان جاناں کے ہندومت کے تئیں نظریات پر بحث سے قبل ضروری ہے کہ ان حالات وعوامل کا جائزہ لیا جائے جنہوں نے اٹھارہویں صدی کے ہندوستان میں ایسا ماحول بنانے میں مدد کی ایک نقشبندی صوفی ان خیالات کا اظہار کرنے پر آمادہ ہوا۔

ہندوستان میں اسلام کی شناسائی عرب تاجروں کے ذریعہ ہوئی جو ہندوستان کے مالا بار اور کونکن کے ساحلی شہروں سے قبل اسلام سے ہی تجارت کرتے چلے آرہے تھے۔ سیاسی طور پر محمد بن قاسم کے ذریعہ فتح سندھ کے ساتھ ہوئی جو اموی سلطنت اور بعد میں عباسی سلطنت کا ایک حصہ بنا۔ وسطی ایشیا میں علاقائی ریاستوں کے قیام کے بعد محمود غزنوی نے پنجاب وسندھ کے علاقوں کو فتح کرکے غزنوی سلطنت کا حصہ بنایا اور لاہور کو اپنا پایۂ تخت۔ محمد غوری نے ۱۱۹۲ میں شمالی ہند کو فتح کرکے ہندوستان میں مسلم سلطنت کی بنیاد ڈالدی۔ ہندوستان سے مسلمانوں کا رشتہ ابتدائے اسلام سے چلا آرہا تھا

۳۔ مقامات مظہری ص ۱۹۷، ۱۲۸

یہی وجہ تھی کہ شمالی ہند میں متعدد شہروں میں مسلمان سکونت پزیر تھے۔ ان میں بہت سے شہر جیسے لاہور، ملتان، بدایوں ،اجمیر وغیرہ صوفیاء کے مسکن اور میدان عمل کے طور پر سامنے آئے۔اور پھر آہستہ آہستہ ہندوستان کے تمام بڑے شہروں یہاں تک کہ دیہات وقصبات میں بھی صوفیاء کی خانقاہیں بنتی چلی گئیں۔ جہاں رشدو ہدایت کے ذریعہ بلا لحاظ مذہب وملت اور مسلک اصلاح ہورہی تھی۔ اور جہاں صوفیاء ''الخلق عیال اللہ'' کے تصور کے ساتھ اسلام کا بین الاقوامی تصور پیش کررہے تھے۔

جہاں تک صوفی کا تعلق ہے حضرت شیخ علی ہجویری لکھتے ہیں'' صوفی جس کا دل بشری کدورتوں اور مادی آلائشوں سے پاک ہو۔ جب کلام کرے تو حقائق ومعارف کے موتی اس کے منہ سے جھڑیں اور جب خاموش رہے تو اس کی خاموشی سے سچی درویشی ظاہر ہو۔ ۴؎ کیونکہ'' تصوف نفسانی لزتوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔ یہ حق تعالیٰ کی صفت ہے جس سے بندہ بقاپاتا ہے ۔تصوف نیک خصلت کا نام ہے جوشخص جس قدر بھی اچھے اخلاق رکھتا ہے وہ سب سے بہتر صوفی ہے ۵؎۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں'' تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے:

۱۔سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی اقتداء ہے۔

۲۔ رضا حضرت اسمٰعیلؑ کی اقتداء ہے۔

۳۔صبر حضرت ایوبؑ کی اقتداء ہے۔

۴۔اشارات حضرت ذکریاؑ کی اقتداء ہے۔

۵۔غربت حضرت یحییٰ کی اقتداء ہے۔

۶۔لباس حضرت موسیٰ کی اقتدا ہے۔

۷۔سیاحت حضرت عیسیٰ کی اقتدا ہے۔

۸۔فقر خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ کی اقتداء کا نام ہے اور یہ اصول عمل اور بندگی کے لئے بہت اچھے ہیں ۶؎ اور قرآن کریم کا ارشاد ہے'' خاص بندگان الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انھیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے ان سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو۔ ۷؎

در اصل محبت ہی راز حیات ہے اور اس کی آگ اگر دل میں نہ ہوتو وہ گوشت کا ایک بے جان

۴۔کشف المحجوب ص۔۳۸۵، ۴۳، ۵۔کشف المحجوب ص۔۳۸۵، ۴۹

۶۔کشف المحجوب ص۔۴۵، ۷۔القرآن سورہ الفرقان آیت ص ۶۳

ٹکڑا ہے ۔محبت کے معنی یہ ہے کہ انسانی زندگی سمٹ کر ایک نقطہ پر آجائے اور خدا کے لئے جینا مقصد ہو۔فکر وعمل کی بلندی راست بازی ، خدمت خلق سچائی اور صبر وشکر جیسی خوبیاں اسی جذبے کا نتیجہ ہیں۔ اور قلب انسانی میں یہ صفات خدا کی محبت پیدا ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ اور پھر مقصد یہ ہوجاتا ہے کہ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے اور دیگر لوگوں کو بھی مادی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک وصاف کرے۔ بقول خلیق احمد نظامی ''اور یہ کام صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کا مذہبی وجدان پوری طرح نشو ونما پا چکا ہو، جس کی روح پر اسلامی رنگ چڑھ چکا ہو اور جس کی نگاہ حق وباطل میں امتیاز کرنے میں کبھی دھوکا نہ کھائے ۔۸

ہندوستان کی تاریخ میں اعلیٰ اخلاقی وانسانی اقدار کو پروان چڑھانے اور یکجہتی کی راہ ہموار کرنے میں صوفیاء کا حصہ ناقابل فراموش باب کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ان خدارسیدہ اور پاکیزہ نفس ولوگوں نے ایک طرف شریعت وطریقت کی آبیاری کی تو دوسری طرف ہندوستانی تہذیب کے تخلیقی عمل میں بھی ایک مثالی واہم کردار ادا کیا۔

دلی سلطنت کے نامور مورخ ضیاء الدین برنی نے ہندوستان میں ہندو اور مسلمان کو تصادم کی قوت تصور کیا اور اس بنیاد پر اس نے ہندوؤں کو واجب القتل قرار دیا ور سلاطین سے شریعت کا اطلاق ان پر کرانا چاہا۔ اس نے ہندوستان کو''دار السلام'' کی طرح دیکھنے کی کوشش کی۔ ہندوستان میں علماء کے درمیان بحث کا موضوع ''دار الحرب''اور دار السلام'' میں ہندوؤں کو کس درجہ کا شہری تصور کیا جائے بنا رہا۔ اس کے بر خلاف صوفیاء نے ہندوستان کو''دار الامن'' تصور کرتے اور مانتے ہوئے یہاں کے معاشرہ میں کام کیا۔ ہندو اور مسلمان کو انتشار وتصادم کے تناظر میں نہیں دیکھا بلکہ ان لوگوں نے ان دونوں قوتوں کو استحکام کی علامت جانا۔ جس کا نتیجہ تھا کہ اکبر وابو الفضل نے غازیان اسلام ومجاہدان اسلام کی اصطلاح کے بجائے غازیان دولت'' اور مجاہدان دولت'' کے الفاظ سے یاد کیا۔ اکبر اور ابو الفضل کی اس سوچ کی بنیاد در اصل صوفیاء کا یہی کردار وعمل اور فکر رہی ہے۔ اکبر کی صلح کل کی پالیسی کو علماء طبقہ نے ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنایا۔عہد اکبری کے جید عالم وصوفی عبد الحق محدث دہلوی کی اکبر کی'' نام نہاد بدعات'' کے سلسلے میں خاموشی بڑی معنی خیز کہی جاسکتی ہے اور اس خاموشی کو اکبر کی صلح کل کی پالیسی کی خاموش حمایت تصور کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۳

دراصل اسلام نے واضح اعلان کردیا تھا کہ 'لَکُمْ دِینُکُمْ وَلِیَ دِینِ' تو پھر اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ صوفیاء نے اس حکم کو سمجھتے ہوئے اپنے کردار سے اسلام کی وہ تصویر وتعبیر پیش کی جو اسلام کی روح کے عین مطابق تھی کیونکہ خدا کی صفت ''رحمت اللعالمین'' ہے اور رسولِ خدا کو بھی ''رحمت اللعالمین'' بناکر بھیجا گیا تھا رحمت المسلمین نہیں۔ صوفیاء نے بھی الخلق العیال اللہ'' کے تصور کے ساتھ معاشرہ میں کام کیا اور ہر طرح کے تعصب سے اپنے آپ کو دور رکھا۔ مخدوم شرف الدین یحیٰ منیری نے واضح رائے دی کہ'' ہر وہ معاملہ جس کا جواز قرآن و سنت میں نہیں ہے جائز ہے۔ ہر وہ خواہش جو شریعت میں نہیں باطل ہے ہر وہ دلیل جو دین کی تائید میں لائی جائے لیکن دینی نہیں محض باطل ہے اور ہر استعانت جو دین کی خاطر کی جائے لیکن دینی نہیں مردود ہے۔۹ ایک اور مکتوب میں اہل اقتدار کو مشورہ دیتے ہوئے مخدوم منیری لکھتے ہیں کہ'' امراء ملوک اصحاب منصب ، ارباب قدر و منزلت کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ وہ عاجزوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کریں ، چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچنے کی راہیں تو بہت سی ہیں لیکن سب سے نزدیک راہ دلوں کو راحت پہنچانا ہے۔ ان بزرگ سے کہا گیا ہے کہ جس شہر کے وہ رہنے والے ہیں اس کا بادشاہ شب بیدار ہے نفل نمازیں بہت پڑھتا ہے۔ نفل روزے بھی رکھتا ہے۔ بزرگ نے فرمایا بے چارے نے اپنے کام کو تو کھودیا لیکن دوسروں کے کام میں لگاہوا ہے۔ لوگوں نے ان بزرگ سے پوچھا کہ آخر اس بادشاہ کا اپنا کام کیا ہے تو فرمایا ! اس کا کام تو یہ ہے کہ طرح طرح کے کھانے پکوائے اور بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلوائے۔ طرح طرح کے کپڑے سلوائے اور ننگوں کو پہنوائے اجڑے ہوئے دلوں کو آباد کرے۔ حاجتمندوں کی دستگیری کرے۔ نفل نماز وروزے تو درویشوں کا کام ہے۔'' ۱۰ شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی کا بھی یہی یقین اور تلقین ہے۔ وہ ذخیرہ الملوک میں لکھتے ہیں۔'' خدا کی نعمت کافر اور مومن پر برابر ہے۔ ایسا ہی عدل اور احسان نیک وبد کے لئے مساوات پر ہونا چاہئے۔ ۱۱ وہ مزید لکھتے ہیں'' بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ عوام پر وہی احکام نافذ کرے جن کا نفاذ وہ اپنے اوپر کرسکتا ہو۔ ۱۲ مخدوم یحیٰ منیری کہتے ہیں اس دنیا میں قلم زبان مال وجاہ سے جہاں تک ممکن ہو محتاجوں کو راحت پہنچاؤ۔

۹۔ بزم صوفیہ ص ۳۲۱ معدن المعانی ص ۲۵۵ ، ۱۰۔ بزم صوفیہ ص، ۳۲۲۔۳۲۱ مکتوبات ص۔ ۳۸۹،

۱۱۔ ذخیرۃ الملوک ص ۱۸۷، ۱۲۔ ذخیرۃ الملوک ص۔ ۱۸۱،

صوم وصلوٰۃ ونوافل اپنی جگہ اچھی ضرور ہیں لیکن دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سود مند نہیں ۱۳؎ میر سیدعلی ہمدانی لکھتے ہیں" مسلمان وہ ہے جس سے مسلمان محفوظ رہے اور مومن وہ ہے جس سے تمام مخلوق خدا محفوظ و مامون رہے۔ ۱۴؎

واقعہ یہ ہے کہ ہندو مسلم اختلاط کا عمل قیام سلطنت سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ جس میں صوفی اور ان کی خانقاہوں نے اہم کردار ادا کیا ان صوفیاء کی خانقاہوں کے دروازے سے بلالحاظ زبان رنگ ونسل مذہب ومسلک ہر ایک کے لئے کھلے تھے اور جہاں کوئی تفریق نہ تھی حسن سجزی لکھتے ہیں کہ "شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں ہندو جوگی آتے تھے اور بیبا کی کے ساتھ شیخ سے مذاکرے کیا کرتے تھے ۱۵؎ فوائد الفواد میں مرقوم ہے کہ بابافرید کی خانقاہ میں ہندو یوگی مستقل آتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے بھی ایک دفعہ ہندو یوگی سے، جو ماہر علم نجوم بھی تھا۔ اپنے مستقبل کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی۔ ۱۶؎ صوفیاء اور یوگیوں کے درمیان مذاکرے عام بات تھی۔ ۱۷؎ اس زمانے میں بہت سے شہر صوفیاء ودانشوروں اور علماء کے مرکز بن گئے تھے جہاں مشترکہ اقدار جنم لے رہی تھیں۔ دہلی میں یہ بحث ہورہی تھی کہ کافر اور کبیرہ گناہ کرنے والے (یکساں) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے یا نہیں۔ جو ایک معتزلی نظریہ ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء اس کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اشعریہ مذہب میں آیا ہے کہ جو کافر اپنے خاتمے کے وقت ایمان پر ہو اس کا حال مومنوں کا سا رہے گا اور وہ مومن جس کا خاتمہ بخدا کفر پر ہو اس کا حال کافر کا حال ہے۔" اس سلسلے میں مزید کہا کہ" خواجہ حمید الدین سوالی نے ناگور میں ایک ہندو کے بارے میں بار بار یہ بات کہی کہ یہ خدا کا ولی ہے۔ ۱۸؎ ظاہر ہے یہ سوچ اس بات کی غماز تھی کہ ان صوفیا نے ہندوستان میں ہندو اور مسلمان اقوام کو انتشار اور تصادم کے تناظر میں نہیں دیکھا بلکہ صوفیاء کو علم تھا کہ ہندو قوم ایک خدا پر یقین وتصور رکھتی ہے اور اس یقین وتصور نے ہی ہندو یوگیوں اور مسلم صوفیاء کو قربت بخشی اور نتیجے کے طور پر گرو نانک اور کبیر جیسی شخصیات سامنے آئیں اور ان سب نے مل کر معاشرے میں موجود خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی اور پھر حالت یہ ہوگئی تھی کہ ایک ہندو برہمن مسلمانوں کو اسلامی علوم کا درس دیتا تھا ۱۹؎ بقول حسن سجزی ایک ہندو کلمہ پڑھتا تھا اور خدا کی وحدانیت اور رسولوں کی رسالت کا قائل تھا۔

۱۳۔ بزم صوفیہ ص ۲۲۴، ۱۴۔ ذخیرۃ الملوک ص ۴۳، ۱۵۔ فوائد الفواد ص ۱۴۴،
۱۶۔ فوائد الفواد ص ۱۴۴، ۱۷۔ فوائد الفواد ص ۱۵۳، ۸۴، ۱۸۔ فوائد الفواد ص ۱۱۸، ۱۹۔ بدایونی جلد ا ۔ ۳۲۳،

حسن سجزی نے حضرت نظام الدین اولیاء سے دریافت کیا کہ اس کی عاقبت کیسی ہوگی تو جواب ملا کہ حق تعالیٰ اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ فرمائے، چاہے تو معاف کردے چاہے عذاب دے۔[۲۰]

شیخ عبد القدوس گنگوہی لکھتے ہیں'' یہ کیسا شور اور غوغا پھیلا دیا گیا ہے کہ کوئی مومن ہے کوئی کافر کوئی مطیع ہے کوئی گناہگار کوئی صحیح راہ پر اور کوئی بے راہ، کوئی مسلم کوئی پارسا کوئی ملحد، کوئی ترسا (سچ تو یہ ہے) کہ سب ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں[۲۱] ظاہر ہے کہ یہ سوچ وفکر اسی مشترکہ اقدار کی دین تھی مشترکہ تہذیب کے بڑے نمائندہ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید خاص امیر خسرو سے سلطان المشائخ نے ہندی زبان میں بھی شعر کہنے کی تلقین کی تاکہ مسلمان ہندوؤں کی عام بول چال کی طرف راغب ہوں اور اجنبیت ودوری کا احساس مٹ جائے[۲۲] صوفی حمید الدین ناگوری سوالی اپنے گھر میں ہندوی زبان میں ہی بات چیت کیا کرتے تھے اور جب ہندو حضرات ان سے ملاقات کے لئے آتے تو موصوف ان سے ہندوی زبان میں ہی گفتگو فرمایا کرتے تھے[۲۳] حضرت بندہ نواز گیسو دراز سنسکرت زبان سے اچھی طرح واقف تھے[۲۴] گیسو دراز ہندؤں کی کسی بھی قیمت پر تذلیل برداشت نہ کرتے تھے[۲۵] درویشوں کی بھی مجالس میں تبخانوں کا تذکرہ احترام سے کیا جاتا تھا اور بت خانوں میں صوفیا کرام کا نام عزت سے لیا جاتا تھا۔[۲۶] شیخ رکن الدین گنگوہی ایک یوگی بالی ناتھ سے اسرار توحید معلوم کیا کرتے تھے۔[۲۷] رزق اللہ مشتاقی اور میاں طہ دونوں ہندووں کے علوم میں ماہر تصور کئے جاتے تھے۔[۲۸] ان ہی اثرات کا نتیجہ تھا کہ محمد بن تغلق نے عملی قدم اٹھاتے ہوئے نہ صرف ہندوؤں کو بلکہ برنی کی زبان میں کم اصل، رذیل وپیشہ ورمگر باصلاحیت افراد کو اعلیٰ عہدوں سے نوازا۔ حقیقت یہ تھی کہ مسلمان ہندوستان میں تعداد میں قلیل مگر سیاسی اقتدار کے مالک تھے۔ مسلمان واسلام کی عظیم الشان تہذیب وروایات اور ہندوستانی تہذیب وتمدن کا ایک آمیزہ تیار ہورہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ عراق وعرب، ایران وتوران کے علماء، فضلاء، صوفیاء، شعرا کی آمد جاری تھی جن کے باہم اشتراک سے ایک نیا معاشرے جنم لے رہا تھا۔

صوفیاء کرام کا طرز عمل اور مسلک ''صلح کل'' تھا ہر مذہب ومسلک کے افراد کے لئے ان کی

۲۰۔ فوائد الفوادص۔ ۲۳۲، ۲۱۔ مکتوبات شیخ عبد القدوس گنگوہی ص۔ ۲۰۵ منقول از سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص۔ ۳۴۹،
۲۲۔ نظامی منیری خوام حسن نظامی ۳۰، ۲۳۔ مرور الصدور ورق ص۔ ۸۳۵، ۲۴۔ جوامع الکلم ص۱۱۹
۲۵۔ جوامع الکلم ص۱۱۹، ۲۶۔ در نظامی سولانا محمد بن چاندلہ مترجم حسین علی نظامی مطبوعہ ۱۹۳۵۔ ص ۱۴۱،
۲۷۔ لطائف قدوسی ص۔ ۷۴، ۲۸۔ واقعات مشتاق ص۔ ۱۳۳

خانقاہوں کے دروازے کھلے تھے اس لئے ان کی خانقاہوں میں میٹھا چاول وکھچڑا پکایا جاتا تھا۔ ان کے یہاں ہندو مسلم شیعہ سنی کی کوئی تفریق نہ تھی۔ ان کا مسلک انسان دوستی تھا۔ ان کی یہ روش نہ تو کسی وقتی مصلحت کا نتیجہ تھی اور نہ کسی سیاسی دباؤ کی وجہ سے تھی بلکہ الخلق عیال اللہ کے پیش نظر تھی۔ صوفیاء نے ہندوستان میں حادثہ کربلا کو لے کر عزاداری کی روایت کو پروان چڑھایا۔ عزاداری کی ان مجالس میں شیعہ کے ساتھ ساتھ سنی و ہندو حضرات بھی شریک ہوتے اور مرثیہ لکھتے۔ کربلا کے سپاہیوں کی یاد میں ہندو حضرات بھی دسویں محرم کو سبیل لگانے کا اہتمام کرتے۔ صوفیاء کے ایسے ہی طرز عمل کی بنیاد پر عہد اکبری کے عالم قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی تصنیف مجالس المومنین میں تمام صوفیاء کا مذہب شیعیت قرار دیا ہے۔ کشمیر میں اسلام کے سب سے بڑے مبلغ میر سید علی ہمدانی کی تحریروں کی بنیاد پر ان کا مذہب طے کرنا کافی مشکل امر ہے۔ ہندوستان میں ان کی اولاد شیعہ اور سنی دونوں مذاہب کی پیرو کار ہے۔ اس لئے فکر و عمل کی یکسانیت اور یگانگت کا صحیح اندازہ تصوف کے میدان میں لگایا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں سہروردی سلسلے کے صوفیاء نے عوام وطبقہ امراء سے تعلقات رکھے اور سلوک وتصوف میں تصانیف اور درس وتدریس پر زیادہ توجہ مرکوز کی جس کی وجہ سے وہ ایک عوامی سلسلہ نہ بن سکا۔ نقشبندیہ صوفیاء نے ذکروفکر کے ساتھ مریدین کی تربیت پر زور دیا تاکہ قلب وروح کی صفائی ہوسکے مگر یہ وعظ وپند اور اصلاح واحتساب کی حد تک رہا ہے۔ ان صوفیاء نے بھی امراء وعوام دونوں سے تعلقات رکھے۔ چشتی صوفیاء نے صالح اعمال پر زور دیا اس لئے انہوں نے کتابی علم کو ضروری سمجھا۔ اخلاق کی درستی اور مریدین کی تربیت کے لئے جماعت خانے تعمیر کئے لیکن امراء وسلاطین سے تعلق نہ رکھا۔ ان کے ذریعہ جاگیروں اور منصب کی پیشکش کو ہمیشہ قبول کرنے سے انکار کیا۔ خدمت خلق کے لئے اپنے تربیت یافتہ مریدوں کو خلافت دے کر مرکزی علاقوں میں بھیجا تاکہ عوام سے ہر حال میں گہرا اور سیدھا رشتہ بنایا جاسکے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ عوام کی سماجی زندگی سے مکمل واقفیت ہو ان کے فکرو رجحان کا صحیح اندازہ اور زبان کا علم ہو اس لئے ان کی زبان سے مکمل واقفیت ضروری تھی۔ گرو گرنتھ میں موجود بابا فرید کا عارفانہ کلام جس میں تصوف کے لطیف مسائل کو بیان کیا گیا پنجابی زبان میں ہیں جو اس علاقے کی عوامی زبان تھی۔

صوفیاء کے اعمال ومجاہدات میں یوگا سے بھرپور فائدہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری نے اٹھایا

جنہوں نے سنسکرت کی کتاب ''امر کنڈا'' کا ترجمہ فارسی میں ''بحر الحیات'' کے نام سے کیا اس میں یوگا کے اُن اعمال کا ذکر ہے جس کے ذریعہ جسم پر روحانی فتح حاصل کی جاسکتی ہے۔ حضرت شاہ عضلا الدین امروہوی نے ایودھیا میں رہ کر سنسکرت کی با قاعدہ تعلیم حاصل کی۲۹۔ دار اشکوہ نے اسلامی فکر اور ہندوستانی فلسفے کی مشترکہ باتوں کو بڑے دلنشیں انداز میں مجمع البحرین'' میں بیان کیا۔ اس نے سر اکبر کے نام سے ۵۲۔ اپنیشدوں کا سنسکرت سے فارسی ترجمہ کیا۔

جہاں تک اسلامی تصوف اور ہندو فلسفے کی فکری ہم آہنگی کا سوال ہے تو ویدوں اور اپنشیدوں کے مطالعہ سے اس کی وضاحت ہوجاتی ہے۔۳۰ اپنشید کے لغوی معنی کسی کے پاس باادب بیٹھنا ہے۔ تصوف میں اس کو ارادت کہا جاتا ہے۔اپنیشد میں خدا کو'' ایکم ادویتم'' کہا ہے ۔لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ اپنیشد کے مطابق خدا ستیہ ستیم'' (حقیقت الحقائق) ہے۔ جیوتشم جیوتش (نورٌ علی نور) ہے قرآن نے اس کو یوں کہا کہ'' اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرضِ اور مثل نور المشکوٰۃ فیھا مصباح'' اپنیشد کے مطابق وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی ہے۔ زمان ومکان اور علت ومعلول کی بندشوں سے آزاد۔قرآن نے کہا'' ھو الاول ھوالآخر ھو الظاھر الباطن۔ اپنیشد کہتے ہیں خدا'' سرو ویاپی'' (محیط کل) ہے'' انتریامی'' (بھیدوں کا جاننے والا) ہے قرآن کہتا ہے'' یَعلَمُ ما بَینَ أیدِیھِم وَماخَلفَھُم اور وَاللّٰہُ مِن وَرَآئِھِم مُّحِیطُ۔'' اپنشد کے مطابق اسے آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے۔'' لَاتُدرِکُہُ الْاَبصَارُ وَھُوَ یُدرِکُ الْاَبصَارَ (اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں (البتہ) وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے)

ویراگ اور سنیاس بہترین طرز حیات ہے۔ صوفیاء نے ترک کا فلسفہ دیا کہ دنیا میں مسافر کی طرح رہو اور دنیا کی لذتوں میں گرفتار نہ ہوجاؤ۔ صوفیاء کے نزدیک حقیقی توحید ماسوء اللہ کا ترک کرنا ہے۔ کیونکہ خدا کی محبت کے ساتھ کسی دوسری چیز کی محبت دل میں نہیں رہ سکتی۔ اپنیشد کہتے ہیں کہ انسان کے حقیقی دشمن نفس امارہ خواہشات نفسانی غضب (کرودھ) حرص لالچ، گھمنڈ ہیں جو ان پر قابو پالے اسے نفس مطمئنہ حاصل ہوجاتا ہے پھر اسے ہر چیز میں خدا کا جلوہ نظر آتا ہے وہ کسی سے

۲۹۔تصوف اور ہندوستانی معاشرہ ص۔ ۴۲۔۴۱،

۳۰۔تفصیل کے لئے دیکھیے نثار احمد فاروقی کا مضمون بعنوان تصوف اور ویدانت مشترک قدریں منقول از تصوف اور ہندوستانی معاشرہ جرنل ا۔ مرشیہ پروفیسر ین بمبئی والا۔ احمد آباد ۱۹۹۸ء ص۔ ۳۹

نفرت نہیں کرتا بلکہ دوسروں کی خدمت کے لئے جیتا ہے۔ اپنیشد کے مطابق دھرم کی روح یہ جاننا ہے کہ ایشور میرے اندر جلوہ گر ہے۔ صوفیاء نے اس بات کو من عرف نفسه فعرف ربه۔(جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا کے ذریعہ ثابت کیا۔

اپنیشد کی تعلیمات کا خلاصہ سب سے پریم ومحبت اور دلی کینہ کپٹ، نفرت اور دشمنی سے پاک ہوجائے۔ تصوف کی تعلیمات کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ اسی لئے صوفیاء نے کہاالخلق عیال اللہ۔ جو کوئی اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی مخلوق سے نفرت کرتا ہے تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

مندرجہ بالا مطالعہ کا حاصل ہندو مسلم اختلاط کا لازمی نتیجہ تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے دین ومذہب کا مکمل علم رکھیں چنانچہ جب تقابلی ومعروضی مطالعہ وتحقیق ہوئی تو مندرجہ بالا حقائق سامنے آئے جس نے لوگوں کی فکر ورائے کو ایک نئی جہت دی جس کا اظہار مرزا مظہر جان جاناں نے اپنے مکتوب میں یوں کیا۔

”جاننا چاہئے کہ اہل ہند کی قدیم کتابوں سے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ نوع انسانی کی پیدائش کے آغاز میں رحمت الٰہی نے ان کی دنیا اور عاقبت کی اصلاح کے لئے وید (بید) نامی ایک کتاب برہما نام کے ایک فرشتے کے ذریعہ بھیجی تھی جو دنیا کی ایجاد کا وسیلہ ہے۔ یہ کتاب چار دفتروں پر مشتمل ہے اور احکام امرونہی اور ماضی ومستقبل کی خبریں اس میں درج ہیں اس کے مجتہدوں نے اس میں چھ مذاہب نکالے ہیں اور اصول عقائد کی بنیاد اس پر رکھی ہے اور اسے دھرم شاستر کا نام دیا ہے۔ یعنی فنی ایمانیات جو علم کلام ہی ہے۔ نوع انسانی کو چار فرقوں میں تقسیم کیا ہے اس کتاب سے چار مسلک نکلے ہیں۔ ہر فرقے کے لئے ایک مسلک مقرر کیا ہے اور فروعی اعمال کی بنیاد اس پر رکھی ہے۔ اسے انھوں نے کرم شاستر کا نام دیا ہے یعنی فن عملیات جسے ہم علم فقہ کہتے ہیں۔[۳۱] مرزا مظہر آگے لکھتے ہیں ”کسی کو قطعی دلیل کے بغیر کافر کہنا آسان نہیں سمجھنا چاہئے۔ اور ان کی بُت پرستی کی حقیقت یہ ہے کہ بعض فرشتے جو اللہ کے حکم سے اس عالم کون وفساد میں تصرف رکھتے ہیں یا بعض کاملوں کی روحیں جو اجسام سے ترک تعلق کے بعد بھی اس دنیا میں تصرف رکھتی ہیں یا بعض زندہ حضرات جو ان کے خیال کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام کی طرح زندہ جاوید ہیں، ان کے بت بنا کر ان کی طرف متوجہ رہتے ہیں اس توجہ کے سبب کچھ مدت کے بعد صاحب صورت سے تعلق پیدا

۳۱۔ مقامات مظہری ص۔ ۲۹۴، مکتوب نمبر ص۔ ۱۴ رئیس کفار ہند کا بیان

کر لیتے ہیں اس کی بنیاد پر دنیا و عاقبت کے تعلق سے اپنی حاجتیں پوری کر لیتے ہیں۔ یہ عملی ذکر رابطہ سے مشابہت رکھتا ہے جو مسلمان صوفیاء کا معمول ہے کہ وہ اپنے پیر کی صورت کا تصور کرتے ہیں اور اس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے شیخ کا بت نہیں بناتے ہیں لیکن ہندوستان میں کفار عرب کے عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ وہ تو بتوں کو اپنی ذات میں موثر اور متصرف کہتے ہیں ۔ اور اللہ کے تصرف کا آلہ نہیں سمجھتے اور انہیں زمین کا خدا جانتے تھے۔ اور خدائے تعالیٰ کو آسمان کو جو الوہیت میں شرک ہے۔ ۳۲

''پس معلوم ہوا کہ یہ مقبول (پسندیدہ) دین تھا جو اب منسوخ ہوگیا اور شرع میں سوائے یہود نصاریٰ کے دین کے منسوخ ہونے کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے علاوہ بھی بہت سے دین منسوخ ہوئے اور بہت سے پیدا اور ختم بھی ہوئے۔ اور جاننا چاہئے کہ آیت کریمہ کے مطابق:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔

(اور ہر امت میں کوئی نہ کوئی خوف خدا دلانے والا ہوا ہے۔) ۳۳

ایک دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

'' وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ'' (اور ہر امت میں ایک رسول ہوا ہے۔) ۳۴

مشہور ہے کہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے تشریف لانے سے پہلے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے گئے ۔ اور ہر قوم پر صرف اپنے پیغمبر کی اطاعت واجب تھی نہ کہ دوسری قوم کے نبی کی۔ ۳۵

قرآن میں وارد ہوا ہے:

"مِنهُم مَّن قَصَصنَا عَلَيكَ وَمِنهُم مَّن لَّم نَقصُص عَلَيكَ"(سابقہ رسولوں میں سے کسی کے حالات تم سے بیان کئے اور کسی کے حالات بیان نہیں کئے)۳۶

قرآن اکثر انبیاء کے احوال کے بیان میں خاموش ہے اس لئے ہندوستان کے انبیاء کے حق میں خاموشی بہتر ہے نہ تو ہمارے لئے ان کی پیروی کرنے والوں کے کفرو ہلاکت کا یقین لازم ہے اور نہ ہی ان کی نجات کا یقین ہمارے لئے واجب ہے صرف حسن ظن رکھنا چاہئے ۔ بشرطیکہ تعصب نہ ہو۔ ۳۷

۳۲۔مقامات مظہری ص۔ ۵۰۰، ۳۳۔القرآن سورہ فاطر ۳۵/ ۲۴، ۳۴۔القرآن سورہ یونس۔ ۱۰/ ۴۷
۳۵۔مقامات مظہری ص۔ ۴۹۹، ۳۶۔القرآن سورہ غافر ۴۰/ ۷۸، ۳۷۔مقامات مظہری ص۔ ۵۰۰۔۴۹۹

ڈاکٹر محمد عمر، مرزا مظہر جان جاناں کے ان خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں مرزا مظہر کے اس خط کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ دارا شکوہ کا وجود صفحہ ہستی سے بہت پہلے اٹھ چکا تھا مگر ان کی روح اب بھی کارفرما تھی۔ اور مرزا مظہر کے خیالات دارا کے خیالات کی بازگشت تھے۔ ایسا گمان ہوتا ہے کہ مرزا مظہر نے دارا شکوہ کی سرِ اکبر کا مطالعہ کیا ہوگا۔ کیونکہ ان کا انداز بیان اور طرز فکر وہی ہے جس کا دارا نے "سرِ اکبر" کے دیباچہ میں اظہار کیا ہے۔ اگر مرزا مظہر کے اس خط کو دارا سے منسوب کردیا جائے تو کسی کو اس بات کا گمان بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ خط کسی اور صاحب فکر کا بھی ہوسکتا ہے۔ ۳۸ے پروفیسر محمد مجیب بھی مرزا جان جاناں کی ہندو مسلم نظریات میں اتحاد پیدا کرنے کی خدمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ ۳۹ے

اس تناظر میں مرزا مظہر جان جاناں کے اس مکتوب میں مذاکرہ خیالات کے تدریجی ارتقاء کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے مرزا مظہر کے عہد تک آتے آتے ہندو مسلم تعلقات ایک جان دو قالب کا انداز اختیار کر چکے تھے۔ یہی وہ سوچ تھی جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی۔ اور ایک ایسی عظیم الشان مشترکہ تہذیب وروایات کو جنم دیا جس نے ہندوستان کو ایک دھارے میں باندھ کر مستحکم ومضبوط بنایا۔ ہندو اور مسلمان کو اتحاد یگانگت کے مضبوط دھاگے میں باندھنے کی کوشش کی جو اس زمانے کے سیاسی حالات کا تقاضہ بھی تھا۔ تاکہ بکھرتے ٹوٹتے ہندوستان کو متحدہ ہندوستانی قومیت کی شکل میں بنائے رکھا جاسکے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے حصول علم کو فرض قرار دیا۔ لیکن علم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مزید محنت و ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی محنت و ریاضت کے بعد علم کی مکمل تفسیر وتعبیر کی مثال ہمیں صوفیاء کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے جن کی خانقاہوں میں یہ کام انجام دیا جارہا تھا ان صوفیاء نے ہندوستان میں امن و آشتی وانسان دوستی کو اپنا مسلک بنا کر اصلاح معاشرہ کا کام انجام دیا۔ نسل انسانی کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہادیٔ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کو مبعوث کیا تھا اسی مقصد کے لئے ہزاروں انبیاء کو دنیا کے مختلف علاقوں میں مبعوث فرمایا۔ اس آخری بعثت کے بعد اس کام کو اہلبیت رسول، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، اولیائے کرام وصوفیائے عظام نے اپنا نصب العین بنا کر انجام دیا۔ اخوت ومساوات اور انسانیت کی مثالیں قائم کیں۔

۳۸۔ڈاکٹر محمد عمر ہندو تہذیب اور مسلمان برہان دہلی جون ۱۹۶۸۔ص۔ ۳۸۱، اس قسم کے خیالات، اظہار اطہر عباس رضوی نے بھی کیا ہے دیکھئے۔Rizvi SAA: Shah Wali- Allah andAstralia1980 P,332،

۳۹۔ M. Miyceb: The Indian - London1967

مذہبی صحائف میں ایمان وعمل کا تصور
ایک تقابلی مطالعہ

الطاف احمد اعظمی

زیر نظر مضمون میں دنیا کے تین بڑے مذہبی صحائف، قرآن، تورات اور انجیل میں مذکورہ ایمان وعمل کے تصورات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کی غرض یہ دکھانا ہے کہ ان ادیان ثلاثہ کے بنیادی تصورات اور اساسی اعمال میں کوئی بنیادی فرق نہیں، فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہے۔لیکن اس کے باوجود مذاہب کے ماننے والوں میں شدید اختلافات ہیں، اور ان کی بنیاد پر اکثر مذہبی نزاعات واقع ہوتی رہتی ہیں۔ اس اختلاف کے ذمہ دار در اصل مذہبی پیشوا ہیں جنہوں نے دین کے کلیات کی غلط تاویل وتشریح کر کے خدا کے دین کی وحدت کو ختم کردیا ہے، جیسا کہ اگلے صفحات سے معلوم ہوگا۔

قرآن کا تصور ایمان وعمل

اسلام آخری دین ہے اور اس کی بنیادی کتاب قرآن غیر محرف صورت میں موجود ہے۔ اس لئے ہم سب سے پہلے اسی کتاب کے تصور ایمان وعمل کا جائزہ لیں گے۔

ایمان کے اصل لغوی معنی امن دینے کے ہیں لیکن صدیوں کے استعمال سے اس کے معانی کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے، چنانچہ اب یہ تصدیق، اقرار وتسلیم اور اعتماد وایقان کے معنوں میں مستعمل ہے۔ علامہ حمید الدین فراہی نے اس کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

'' ایمان کی اصل امن ہے۔ ایمان کے معنی اعتماد کے ہیں۔ اسی سے امن بہ ہے جس کے معنی ہیں صدقه وایقن به۔ ایمان اور ایقان میں فرق ہے۔ ایمان تصدیق وتسلیم کو کہتے ہیں اور اس کی ضد تکذیب، جحود اور کفر ہے۔ اور ایقان کی ضد ظن اور شک ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس نے یقین کیا اس نے تصدیق بھی کی بلکہ بسا اوقات آدمی تکبر اور جوش مخالفت میں اس چیز کی بھی تکذیب کردیتا ہے جس کا اس کو یقین ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کی حکایت میں فرمایا ہے:

فَلَمَّا جَآءَ تْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا(النمل: ۱۳۔۱۴) پس جب ان کے پاس ہماری آنکھیں کھول دینے والی نشانیاں آئیں تو انہوں نے کہا، یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔" اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ جو ایمان لایا اسے یقین بھی حاصل ہوگیا۔ کبھی آدمی غلبۂ ظن کی حالت میں ایمان لاتا ہے پھر خدا کی توفیق سے وہ حالت ظن سے نکل جاتا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایمان، ایقان ہی سے کامل ہوتا ہے۔ تو گویا ایمان کے دو جزو ہیں، علم اور تسلیم، اور ان دونوں کے کامل ہونے سے ایمان بھی کامل ہوتا ہے۔ امن له ، اذعن لقوله، امنه، اعطاه الامنه۔ یہی اصل لغوی معنی ہیں۔ عبرانی میں یہ لفظ قدیم الاستعمال ہے۔ امن کے معنی صدق واعتماد کے ہیں اور اسی سے ایمان وتصدیق کے الفاظ نکلے ہیں اور اسی سے آئین کا لفظ بھی نکلا ہے جس کے معنی تصدیق کے ہیں۔ قرآن مجید نے ہم کو اس کی فروعات سے بھی آگاہ کیا یعنی یہ کہ ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ اللہ پر توکل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: زَادَتْهُمْ اِیْمَاناً وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ (الانفال: ۲)" اور جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جاتی ہیں تو وہ انکے ایمان میں اضافہ کرتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔" اسی طرح ایمان جزم واعتقاد سے عبارت ہے اس لئے لازماً وہ صاحب ایمان کو عمل کے لئے اکساتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یُؤْ مِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۔(البقرہ: ۳)"[1]

ایمان کا لفظ جب اصطلاحاً استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب چند بنیادی امور کو صدق دل سے تسلیم کرنا ہے۔ ان بنیادی امور کا ذکر قرآن کی مختلف سورتوں میں ہوا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍمِّنْ رُّسُلِهٖ(بقرہ: ۲۸۵)

" جو کچھ اللہ کی طرف سے اس کے رسولوں کے پاس بھیجا گیا ہے وہ اس پر ایمان رکھتا ہے اور مومنین بھی سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم رسولوں میں کوئی فرق وامتیاز نہیں کرتے۔"

۱۔عبد الحمید الفراہی، مفردات القرآن مطبع اصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۳۵۸ھ، ص ۲۸، ۲۹

دوسری جگہ فرمایا:

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (سورہ البقرہ:۱۷۷)

''نیکی اس کا نام نہیں کہ تمہارا رخ مشرق کی طرف ہو یا مغرب کی طرف ، بلکہ اللہ ، یوم آخرت ، فرشتوں ، کتابوں اور نبیوں پر... ایمان رکھنا ہی اصل نیکی ہے۔''

یہ بنیادی امور (اجزائے ایمان) دراصل تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت☆۔ کتب ساویہ اور ملائکہ پر ایمان ، ایمان بالرسل کا جز ہے کیوں کہ رسالت پر ایمان اسی صورت میں مکمل ہوگا جب ان دو متعلقہ امور پر بھی ایمان لایا جائے۔

احادیث میں ایمان بالقدر کو بھی اجزائے ایمان میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ فی الواقع ایمان باللہ کا جز ہے اسی لیے قرآن مجید میں اس کو ایک علیحدہ جز کی حیثیت سے بیان نہیں کیا گیا ہے۔

ایمان کے بنیادی اجزاء کے حقیقی مفہوم کو متعدد آیات میں نہایت واضح الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ یہاں صرف تین آیتیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے بالترتیب توحید ، رسالت اور آخرت کا مفہوم بالکل واضح ہوجائے گا۔

وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ لَمۡ يَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ شَرِيۡكٌ فِى الۡمُلۡكِ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرۡهُ تَكۡبِيۡرًا۔ (بنی اسرائیل: ۱۱۱)

'' اور کہہ دو کہ ہر حمد وستائش اس اللہ کے لئے ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے اور نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائی بیان کرو۔''

قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِكُ لِنَفۡسِىۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ لَاسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوۡٓءُ اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ۔

(اعراف:۱۸۸)

" کہہ دو کہ میں خود اپنے نفع ونقصان کا مطلق اختیار نہیں رکھتا۔ سب کچھ اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔ اگر میں غیب کا علم رکھتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچتا۔ میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لائیں۔''

☆شیعہ اثنا عشری جماعت کے عقیدہ کے بموجب عدالت الٰہی اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت بھی اصول دین میں اسلام کا بنیادی حصہ ہے۔

وَمَا اَدْرٰاکَ مَایَوْمُ الدِّیْنِ ،ثُمَّ مَا اَدْرٰاکَ مَایَوْمُ الدِّیْنِ.یَوْمَ لاَ تَمْلِکُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَیْئًا وَّالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰہِ، (سورہ انفطار : ۱۷تا۱۹)

تمہیں کیا معلوم کہ روز جزا کیا ہے ، ہاں تمہیں کیا معلوم کہ روز جزا کیا ہے۔ روز جزا وہ ہے کہ جس دن کوئی آدمی کسی آدمی کے کچھ کام نہ آسکے گا اور جس دن فیصلہ کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہوگا۔''

عمل جزو ایمان ہے

ایمان کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ یہ اقرار زبان کا نام ہے۔ یعنی جس نے زبان سے اجزائے ایمان کا اقرار کرلیا وہ مومن ہے، اعمال اس میں داخل نہیں ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ایمان یعنی تصدیق کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی دل کے پورے یقین کے ساتھ اجزائے ایمان کو تسلیم کرے۔ اس کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جن امور کی صداقت کو قلب ودماغ نے تسلیم کرلیا ہے اس کا زبان سے بھی اقرار کیا جائے، اور تیسرا درجہ سمع وطاعت کا ہے، یعنی زبان سے اقرار ایمان کے بعد خدا اور اس کے رسول کے احکام پر حتی المقدور عمل بھی کیا جائے۔ ان تین درجات سے گزرنے کے بعد ہی ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ جو شخص زبان سے اقرار ایمان کے بعد اسکے مقتضیات پر عمل نہیں کرتا وہ قرآن کے نزدیک مومن نہیں ہے۔ مثلا ایک جگہ فرمایا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن یَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْآخِرِ وَمَاھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ:

(سورہ بقرہ۔ ۸)

'' کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو(زبان سے) اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں حالاں کہ وہ مومن نہیں ہیں۔''

اس آیت میں جن لوگوں کو زبان سے اقرار ایمان کے باوجود مومن تسلیم نہیں کیا گیا۔ وہ یہودیوں کا ایک گروہ تھا اس نفی ایمان کی وجہ ان کے اعمال تھے جو اس بات کی کھلی شہادت دیتے تھے کہ ان کا دعوائے ایمان محض زبانی ہے۔

اس سلسلے میں اہل ایمان کا جو وصف بیان کیا گیا ہے وہ ان کے قول وفعل کا تطابق ہے۔ وہ زبان سے دین کے جن اصولوں (ایمان) کی صداقت کا اعتراف کرتے ہیں ان کے لازمی تقاضوں پر حتی الوسع عمل بھی کرتے ہیں، بالفاظ دیگر ان کی زندگیاں سمع وطاعت سے مزین ہوتی ہیں ،

فرمایا گیا ہے:

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورہ نور: ۵۱)

"جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو اہل ایمان کی صدا یہی ہوتی ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ یہی لوگ فی الواقع کامیاب و بامراد ہیں۔"

اس آیت سے بالکل واضح ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جس کے ساتھ سمع وطاعت کا معاملہ ہو۔اس سمع وطاعت کا دائرہ وسیع ہے۔ اقامت صلوۃ اور زکوۃ کی ادائگی (انفاق) کو اس میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔مثلا ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (سورہ مائدہ:۵۵)

"بے شک تمہارا حامی وناصر تو بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ مومنین ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

طٰسٓ تِلْكَ آيٰتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ • هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ • الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ •.(سورہ نمل : ۱۔۳)

"طٰسٓ یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں، ہدایت اور بشارت ہے ان مومنین کے لئے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔"

قرآن نے یہ بات بھی واضح کردی ہے کہ روز آخرت نجات کا مدار نہ صرف ایمان پر ہے اور نہ صرف اعمال پر بلکہ اسکے لئے دونوں کا ہونا ضروری ہے۔مثلا ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ.

(سورہ بقرہ : ۲۵)

"اور خوش خبری دے دو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ بے شک ان کے لئے (جنت کے) باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔"

دوسری جگہ ہے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ:(سورہ رعد :۲۹)

''جولوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لئے خوش حالی اور نیک انجامی ہے۔''

اوپر کی آیات میں اچھے کاموں کے لئے عمل صالح کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ اس کا صحیح مفہوم جان لینا ضروری ہے ۔لفظ صالح ، صلاح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اسی سے اصلاح کا لفظ مشتق ہے۔قرآن نے اس کے بالمقابل جولفظ استعمال کیا ہے وہ فساد ہے:

وَلَاتُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا(سورہ اعراف۔۵۶)

'' زمین میں اصلاح کے بعد فساد پیدا نہ کرو۔''

فساد کے اصل معنی عدل وقسط کی راہ چھوڑ دینے کے ہیں اس لیے لازماً صلاح کے معنی عدل وقسط یا دوسرے لفظوں میں اعتدال وتوازن کی راہ پر قائم رہنے کے ہوئے۔قرآن نے جہاں اصلاح کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں اس حقیقت کوکھول دیا ہے۔ مثلا ایک جگہ فرمایا ہے۔

فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوا(سورہ حجرات:۹)

"پس اگر وہ (یعنی زیادتی کرنے والا گروہ) باز آجائے تو ان دونوں کے معاملات کو عدل کے ساتھ درست کردو اور (دیکھو) اس صلح وصفائی میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔''

صلاح اور اصلاح کے اس مفہوم کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ ہر وہ اچھا کام عمل صالح ہے جو عدل وقسط یعنی اعتدال وتواسط کے دائرے میں رہ کر کیا جائے اور ہر وہ کام جو اعتدال وتواسط کی حدود سے متجاوز ہو،عمل غیر صالح ہے،خواہ وہ عمل بجائے خود کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ اسراف وتبذیر کو قرآن نے شیطانی عمل قرار دیا ہے (بنی اسرائیل:۲۶) اس لئے کہ مال خرچ کرنے کی دو انتہائی حالتیں ہیں حالاں کہ فی نفسہ مال خرچ کرنا ایک فعل محمود ہے۔ اسی طرح اس نے بخل کو اچھا عمل نہیں کہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بخل وکنجوسی مال خرچ نہ کرنے کی یہ ایک انتہائی حالت کا نام ہے۔ یہاں ملحوظ رہے کہ روز آخرت صرف وہی عمل صالح مستحق اجر قرار پائے گا جوصرف خدا کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے کیا گیا ہو۔

ایمان اورعمل صالح میں اسی نوع کا ربط وتعلق پایا جاتا ہے جو ایک درخت کی جڑ اور اس کے تنے اور شاخوں کے درمیان ہوتا ہے ۔ ایک اچھے درخت کی پہچان یہ ہے کہ اس کی جڑیں زمین کی

گہرائی میں پیوست ہوں اور اس کے تنے اوراس کی شاخیں فضا کی پہنائیوں میں کھلی ہوئی ہوں۔ اگر درخت کی جڑ موجود ہے لیکن اس میں تنے اور شاخیں نہ ہوں تو اس پر درخت کا اطلاق نہیں ہوگا اور اس کا وجود مخلوق خدا کے لئے بے فائدہ ہے۔ اور اگر جڑ ہی موجود نہ ہو تو پھر درخت کے تنے اور اس کی شاخوں کا وجود بھی ناممکن ہے۔ بالکل یہی معاملہ ایمان اور عمل صالح کا ہے۔ ایمان کے بغیر عمل صالح اور عمل کے بغیر حقیقی ایمان کا تصور ممکن نہیں ہے۔

جزا وسزا

اعمال کی جزا وسزا کے تصور کو قرآن میں ایک سے زیادہ آیات میں پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔ اچھے اعمال کی ایک جزا تو وہ ہے جس کا تعلق مادی دنیا سے ہے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ صاحب ایمان کو اس دنیا میں پاکیزہ زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرے گا۔فرمایا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْاُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (سورہ نحل : ۹۷)

جو شخص کوئی اچھا کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس کو ایک پاکیزہ زندگی کی گزارنے کا سامان عطا کریں گے۔"

یہ انفرادی معاملہ ہے۔ اہل ایمان کی جماعت کو جو دنیوی جزا ملتی ہے وہ قومی عزت واقبال ہے۔ قرآن میں اس کو استخلاف فی الارض کہا گیا ہے یعنی زمینی خلافت ۔ ارشاد ہوا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (سورہ نور : ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں گے اور اچھے عمل کریں گے ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین کی خلافت عطا کرے گا جس طرح ان سے پہلے کے لوگوں کو خلافت عطا کی ہے۔"

آج کل مسلمانوں کے ذہن سے اس دنیوی جزا کا تصور تقریباً نکل چکا ہے اوران کی ایک بڑی تعداد جس میں علماء اور عوام دونوں شامل ہیں ،عیسائیوں کی " آسمانی بادشاہت" پر راضی ہوچکی ہے اور اس کے حصول کے لئے انہی راہوں میں گامزن ہے جن میں کبھی عیسائی سرگرم سفر رہ چکے ہیں ۔ کچھ لوگ بلاشبہ" آسمانی بادشاہی" کے ساتھ" زمینی بادشاہی" کی بات بھی کرتے ہیں لیکن انہوں نے اس کے حصول کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے زمینی بادشاہی حاصل ہوتی نظر نہیں آتی اور نہ

آئندہ اس کے حصول کا امکان دکھائی دیتا ہے۔

اس زمینی بادشاہی کے حصول کا جو راستہ قرآن مجید نے بتایا ہے اسی راستے پر چل کر اسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اوپر استخلاف فی الارض سے متعلق جو آیت نقل کی گئی ہے ٹھیک اس سے متصل آیات میں خلافت کے استحقاق کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوا ہے۔

يَعْبُدُونَنِي لَايُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ • وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ • (نور: ۵۵۔ ۵۶)

" میری اطاعت وبندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں گے۔(یعنی میری اطاعت میں غیر خدا کو ذرہ برابر بھی شریک نہ کریں) اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کی روش اختیار کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں اور (اے مسلمانو!) نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

ان آیات کے مطابق اہل ایمان کے لئے دنیوی حکومت کا حصول درج ذیل شرائط پر منحصر ہے:

(۱) خدا کی مکمل اطاعت جس میں غیر اللہ کی اطاعت کا ادنیٰ شائبہ نہ ہو۔

(۲) اقامتِ صلوٰۃ

(۳) ایتائے زکوٰۃ۔

(۴) اطاعت رسول

انہی شرائط کی تکمیل کے بعد صدر اوّل کے مسلمانوں کے ساتھ وعدۂ الٰہی پورا ہوا اور وہ ایک عظیم الشان زمینی بادشاہی کے مالک بنے اور آج انہی شرائط کی عدم تکمیل کی وجہ سے مسلمان نہ صرف اس نعمت خداوندی سے محروم ہیں بلکہ بہت سی جگہوں پر کفار ومشرکین کے غلام بن کر ذلت ونکبت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

توحید کے اس تصور کے ساتھ دوسری چیز جو ہم کو تورات میں ملتی ہے وہ احکام وآئین کا اتباع ہے۔ یہودیوں سے صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ خدا کے احکام وقوانین کا سچے دل سے اتباع کریں گے تو وہ ان کی اولاد کے لطف وکرم سے سرفراز ہوں گے، اور اگر خدا کے حکموں کو توڑیں گے اور سرکشی وشرک میں مبتلا ہوں گے تو اس کا قہر وغضب ان پر نازل ہوگا اور وہ پست وذلیل ہوں گے۔ کتاب استثناء میں فرمایا گیا ہے:

"اور جب تم مجھ سے گفتگو کر رہے تھے تو خدا وند نے تمہاری باتیں سنیں تب خدا وند نے مجھ سے کہا کہ میں ان لوگوں کی باتیں جو انہوں نے تجھ سے کہیں، سنی ہیں۔ جو کچھ انہوں نے کہا ہے ٹھیک کہا۔ کاش ان میں ایسا ہی دل ہوتا کہ وہ میرا خوف مان کر ہمیشہ میرے سب حکموں پر عمل کرتے تاکہ سدا ان کا اور ان کی اولاد کا بھلا ہوتا۔"۲

ایک دوسرے موقع پر کہا گیا ہے: "اور تو اپنے بیٹوں اور پوتوں سمیت خداوند اپنے خدا کا خوف مان کر ان کے تمام آئین اور احکام پر جو میں تجھ کو بتاتا ہوں زندگی بھر عمل کرنا تاکہ تیرا بھلا ہو اور تم خدا وند اپنے باپ دادا کے خدا کے وعدہ کے مطابق اس ملک میں جس میں دودھ اور شہد بہتا ہے، نہایت بڑھ جاؤ۔"۳

اسی طرح استثناء باب ۷ میں فرمایا: "اس لئے جو فرمان اور آئین اور احکام میں آج کے دن تجھ کو دیتا ہوں ان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا اور تمہارے ان حکموں کو سننے اور ماننے اور ان پر عمل کرنے کے سبب سے خدا وند تیرا خدا بھی تیرے ساتھ اس عہد اور رحمت کو قائم رکھے گا جن کی قسم اس نے تیرے باپ دادا سے کھائی اور تجھ سے محبت رکھے گا اور تجھ کو برکت دے گا اور بڑھائے گا۔"۴

یہ بھی فرمایا: "اور تو اپنے دل میں خیال رکھنا کہ جس طرح آدمی اپنے بیٹے کو تنبیہ کرتا ہے ویسے ہی خدا وند تیرا خدا تجھ کو تنبیہ کرتا ہے۔ سو تو خداوند اپنے خدا کی راہوں پر چلنا اور اس کا خوف مان کر اس کے سب حکموں پر چلنا۔"۵

تورات کے وہ احکام جو احکام عشرہ کے نام سے مشہور ہیں ان کی تفصیل کتاب خروج میں اس طرح ہے: "میں خدا وند تیرا خدا ہوں جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا۔ تو میرے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بنانا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیوں کہ میں خدا وند تیرا خدا غیور خدا ہوں، جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں میں ان کے گناہوں کی سزا ان کی اولاد سے تیسری اور چوتھی نسل تک لیتا ہوں، اور جو مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میرے حکموں پر چلتے ہیں میں ان سے محبت کرتا ہوں، ہزار نسلوں تک لطف و محبت کے ساتھ، تم خداوند اپنے خدا کی قسم فضول نہ کھانا کیوں کہ خدا فضول اور جھوٹی قسمیں کھانے والے کو بغیر سزا کے

۲۔ استثناء، باب ۵: ۲۸، ۲۹، ۳۔ ایضا، باب ۶: ۲، ۳، ۴۔ ایضا، باب ۷: ۱۱ تا ۱۳، ۵۔ ایضا، باب ۸: ۵۔۶،

نہیں چھوڑتا۔ سبت کے دن کا احترام کرو۔ تم چھ دن اپنے سب کام اور خدمت کرو، لیکن ساتواں دن خدا کا دن ہے اس دن تم کوئی کام نہ کرو اور نہ ہی تمہارے لڑکے لڑکیاں، تمہارے غلام، تمہاری لونڈیاں اور نہ ہی تمہارے گھریلو جانور اور نہ وہ اجنبی جو تمہارے یہاں مقیم ہو، چھ دنوں میں خداوند نے زمین اور آسمانوں کو اور سمندروں کو اور جو کچھ ان میں ہے پیدا کیا اور ساتویں دن اس نے آرام کیا، تم کسی کو قتل نہ کرو، زنا نہ کرو، چوری نہ کرو، جھوٹی گواہی نہ دو اپنے ساتھی کے خلاف، تم اپنے پڑوسی کے گھر، اس کی بیوی، اس کی لونڈی وغلام، اس کے بیل بھیڑوں میں سے کسی چیز کی بھی خواہش نہ کرو۔ ۶"

یہی وہ احکام ہیں جو لوح موسیٰ پر کندہ تھے اور کوہ طور پر حضرت موسیٰ کو عطا کیے گئے تھے اور بنی اسرائیل کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ ان سے سرموانحراف نہ کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت سخت الفاظ میں اپنی قوم کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"لعنت اس آدمی پر جو کاریگری کی صنعت کی طرح کھودی ہوئی یا ڈھالی ہوئی مورت بنا کر جو خداوند کے نزدیک مکروہ ہے، اس کو کسی پوشیدہ جگہ پر نصب کرے، اور سب لوگ جواب میں کہیں آمین، لعنت اس پر جو اپنے ماں یا باپ کو حقیر جانے اور سب لوگ کہیں آمین لعنت اس پر جو اندھے کو راستے سے گمراہ کرے اور سب لوگ کہیں آمین۔ لعنت اس پر جو پردیسی کے مقدمہ کو بگاڑے اور سب لوگ کہیں۔ آمین، لعنت اس پر جو کسی چوپائے کے ساتھ جماع کرے اور سب لوگ کہیں آمین۔ لعنت اس پر جو اپنی بہن کے ساتھ مباشرت کرے خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو اور خواہ ماں کی، اور سب لوگ کہیں آمین۔ لعنت اس پر جو اپنی ساس کے ساتھ مباشرت کرے اور سب لوگ کہیں آمین، لعنت اس پر جو بے گناہ کو قتل کرے اور انعام لے اور سب لوگ کہیں آمین۔ لعنت اس پر جو شریعت کی ان باتوں پر عمل کرنے کے لئے ان پر قائم نہ رہے اور سب لوگ کہیں آمین۔ ۷

تورات میں اعمال کی جزا وسزا کا تصور خالص دنیوی ہے۔ احکام کے ذکر میں اس کی چند مثالیں گزر چکی ہیں، ایک اور عبارت ملاحظہ ہو: "اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات کو جانفشانی سے مان کر اس کے سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھے سزاوار کرے گا اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات سنے تو یہ سب

۶۔ خروج، باب ۲۰: ۱ تا ۱۷، ۷۔ استثناء باب ۲۷: ۱۵ تا ۲۶،

برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو ملیں گی، شہر میں بھی تو مبارک ہوگا اور کھیت میں بھی مبارک ہوگا۔تیری اولاد اور تیری بھیڑ بکریوں کے بچے مبارک ہوں گے ۔ تیرا ٹوکرا اور تیری کھٹوتی دونوں مبارک ہوں گے ۔ خدا وند تیرے دشمنوں کو جو تجھ پر حملہ کریں تیرے روبرو شکست دلائے گا وہ تیرے مقابلہ کو تو ایک ہی راستے سے آئیں گے مگر تیرے آگے سات سات راستوں سے بھاگیں گے۔ خداوند تیرے انبار خانوں میں اور سب کاموں میں جن میں تو ہاتھ لگائے گا برکت دے گا، اگر تو خداوند اپنے خدا کے حکموں کو مانے اور اس کی راہوں پر چلے تو خداوند اپنی قسم کے مطابق جو اس نے تجھ سے کھائی، تجھ کو اپنی پاک قوم بنا کر رکھے گا۔ اور دنیا کی سب قومیں یہ دیکھ کر کہ تو خدا وند کے نام سے کہلاتا ہے تجھ سے ڈر جائیں گی۔۸"

مزید فرمایا: " لیکن اگر تو خدا کی بات سن کر اس کے سب احکام اور آئین پر جو آج کے دن تجھ کو دیتا ہوں عمل نہ کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو لگیں گی۔شہر میں بھی لعنتی ہوگا اور کھیت میں بھی تو لعنتی ہوگا تیرا ٹوکرا اور تیری کٹھوتی دونوں لعنتی ٹھہریں گے۔ تیری اولاد اور تیرے زمین کی پیداوار اور تیری گائے بیل کی بڑھتی اور تیری بھیڑ بکریوں کے بچے لعنتی ہوں گے ۔تو اندر لعنتی ٹھہرے گا اور باہر جاتے بھی لعنتی ٹھہریگا خداوند ان سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے گا لعنت، اضطراب اور پھٹکار کو تجھ پر نازل کرے گا جب تک کہ تو ہلاک ہو کر نیست و نابود نہ ہو جائے۔ یہ تیری ان بداعمالیوں کے سبب ہوگا جن کو کرنے کی وجہ سے تو مجھ کو چھوڑے گا۔ خدا وند ایسا کرے گا کہ وبا تجھ سے لپٹی رہے گی جب تک کہ وہ تجھ کو اس ملک سے جس پر قبضہ کرنے کو تو وہاں جا رہا ہے، فنا نہ کردے۔ خداوند تجھ کو تپ دق، بخار سوزش اور شدید حرارت اور تلوار اور بادسموم اور گیروئی سے مارے گا، اور یہ تیرے پیچھے پڑے رہیں گے جب تک کہ تو فنا نہ ہو جائے اور آسمان جو تیرے سر پر ہے پیتل کا اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہو جائے گی ۔ خدا وند مینہ کے بدلے تیری زمین پر خاک اور دھواں برسائے گا۔ یہ آسمان سے تجھ پر پڑتی رہیں گی جب تک کہ تو ہلاک نہ ہو جائے ۔خدا وند تجھ کو تیرے دشمنوں کے آگے شکست دلائے گا، تو ان کے مقابلے کے لئے تو ایک ہی راستہ سے جائے گا اور ان کے سامنے سے سات سات راستوں سے بھاگے گا اور دنیا کی تمام قوموں اور سلطنتوں میں تو مارا مارا پھرے گا۔ اور تیری لاش ہوا کے پرندوں اور زمین کے درندوں کی خوراک

۸۔ ایضا، باب۲۸: ۱۵ تا ۲۵

ہوگی اور کوئی ان کو ہنکا کر بھگانے کو بھی نہ ہوگا۔ خداوند تجھ کو مصر کے پھوڑوں بواسیر کھجلی اور خارش میں ایسا مبتلا کر دے گا کہ تو کبھی اچھا نہ ہوگا۔ خداوند تجھ کو جنون، نابینائی اور دل کی گھبراہٹ میں مبتلا کرے گا اور جیسے اندھا اندھیرے میں میں ٹٹولتا ہے ویسے ہی تو دوپہر دن میں ٹٹولتا پھرے گا اور تو اپنے سب دھندوں میں ناکام رہے گا اور تجھ پر ہمیشہ ظلم ہی ہوگا اور تو لٹتا ہی رہے گا، اور کوئی نہ ہوگا جو تجھ کو بچائے، عورت سے تو منگنی کرے گا لیکن دوسرا اس سے مباشرت کرے گا، تو گھر بنائے گا لیکن اس میں بسنے نہ پائے گا تو تاکستان لگائے گا پر اس کا پھل استعمال نہ کرے گا۔ تیرا بیل تیری آنکھوں کے سامنے ذبح کیا جائے گا پر تو اس کا گوشت نہ کھانے پائے گا۔ تیرا گدھا تجھ سے جبری چھین لیا جائے گا اور تجھ کو پھر نہ ملے گا۔ تیری بھیڑیں تیرے دشمنوں کے ہاتھ لگیں گی اور کوئی نہ ہوگا جو تجھ کو بچائے۔ تیری بیٹیاں اور بیٹے دوسری قوموں کو دی جائیں گے اور تیری آنکھیں دیکھیں گی اور سارے دن ان کے لئے ترستی رہ جائیں گی اور تیرا کچھ بس نہ چلے گا۔ تیری زمین کی پیداوار اور تیری ساری کمائی کو ایک ایسی قوم کھائے گی جس سے تو واقف نہیں اور تو سدا مظلوم اور دبا رہے گا۔ یہاں تک کہ ان باتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دیوانہ ہو جائے گا۔ خداوند تیرے گھٹنوں اور ٹانگوں میں ایسے پھوڑے پیدا کرے گا کہ تو ان سے پاؤں کے تلووں سے لے کر سر کی چاندی تک شفا نہ پاسکے گا خداوند تجھ کو اور تیرے بادشاہ کو جسے تو اپنے اوپر مقرر کرے گا، ایک ایسی قوم کے بیچ لے جائے گا جسے تو اور تیرے باپ دادا جانتے بھی نہیں، اور وہاں تو اور معبودوں کی، جو محض لکڑی اور پتھر ہیں، عبادت کرے گا اور ان سب قوموں میں جہاں جہاں خداوند تجھ کو پہنچائے گا تو باعث حیرت، ضرب المثل اور انگشت نما بن جائے گا۔ تو کھیت میں بہت سا بیج لے جائے گا لیکن تھوڑا سا جمع کرے گا کیوں کہ ٹڈی اسے چاٹ لے گی۔ تو تاکستان لگائے گا اور ان پر محنت کرے گا لیکن نہ تو اسے پینے پائے گا اور نہ انگور جمع کرنے پائے گا کیوں کہ ان کو کیڑے کھائیں گے۔ تیرے سب حدود میں زیتون کے درخت لگے ہوں گے پر تو ان کا تیل نہیں کھانے پائے گا کیوں کہ تیرے زیتون کے درختوں کا پھل جھڑ جائے گا تیرے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوں گی پر وہ سب تیرے نہ رہیں گے کیوں کہ وہ اسیر ہو کر چلے جائیں گے۔ تیرے سب درختوں اور تیری زمین کی پیداوار پر ٹڈیاں قبضہ کرلیں گی پردیسی جو تیرے درمیان ہوگا وہ تجھ سے بڑھتا اور سرفراز ہوتا جائے گا پر تو پست ہوتا جائے گا۔ وہ تجھ کو قرض پر قرض دے گا لیکن اسے قرض نہ دے سکے گا وہ سر ہوگا اور تو دم ٹھہرے گا۔ اور چوں کہ خداوند اپنے

خدا کے ان حکموں اور آئین پر جن کو اس نے تجھ کو دیا ہے عمل کرنے کے لئے اس کی بات نہیں سنے گا اس لئے یہ سب لعنتیں تجھ پر آئیں گی اور تیرے پیچھے پڑیں گی اور تجھ کو لگیں گی جب تک تیرا ستیا ناس نہ ہوجائے۔۹"

ان تمام خدائی تنبیہات کے باوجود یہودی قوم اپنی تاریخ کے ہر دور میں خدا کی نافرمانی کرتی رہی ہے ہرمیاہ نبی فرماتے ہیں: "میں تجھے کیوں کر معاف کروں۔ تیرے فرزندوں نے مجھے چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں۔ جب میں نے ان کو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہوگئے۔ ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔ خداوند فرماتا ہے۔ کیا میں ان باتوں کے لئے ان کو سزا نہ دوں گا اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی۔۱۰"

اناجیل میں ایمان وعمل کا تصور

اناجیل میں ایمان وعمل کا ذکر تورات کی ابتدائی پانچ کتابوں کے مقابلے میں قدرے تفصیل سے ہوا ہے۔ توحید کا تصور کچھ دھندلا ہے۔ اور اسکی وجہ باپ اور بیٹے کے الفاظ ہیں۔ لیکن جن مقامات پر یہ الفاظ آئے ہیں ان کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے توحید کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ مثلاً متی میں ہے:

"پھر ابلیس اسے ایک اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان وشوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا: اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے بخش دوں گا یسوع نے اس سے کہا: اے شیطان دور ہو کیوں کہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدا کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔۱۱"

یوحنا میں ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے: "ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے، جانیں ۱۲"

اناجیل میں آج بھی ایسی متعدد عبارتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود کو ایک بشر سمجھتے تھے اور ایک نبی کی حیثیت سے اپنے اس آپ کو پیش کرتے تھے اور اسی چیز

۹۔ ایضا، باب ۲۹: ۱۵ تا ۴۵ ۱۰۔ یرمیاہ: باب ۵: ۷ تا ۹، ۱۱۔ متی، باب ۴: ۸ تا ۱۱، ۱۲۔ یوحنا، باب ۱۷: ۳،۴،

پر لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے۔ مثلاً ایک جگہ ہے:

''اس وقت یسوع نے کہا، اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے یہ باتیں داناؤں سے چھپائیں اور بچوں پر ظاہر کیں۔ میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوا باپ کے اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوا بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہئے۔ اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو! سب میرے پاس آؤ تم کو میں آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھالو اور مجھ سے سیکھو، کیوں کہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن، تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی۔ کیوں کہ میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا۔ ١٣''

ایک دوسرے مقام پر صاف لفظوں میں مسیح علیہ السلام کا یہ اعتراف موجود ہے۔'' یسوع نے ان سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔ ١٤''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ خود کو ایک صاحب اختیار کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی اور اس کے کلام کا پابند بنا کر پیش کیا، فرمایا:'' جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے۔ اور جو مجھے دیکھتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو دیکھتا ہے۔ میں نور ہو کر دنیا میں آیا ہوں تا کہ جو کوئی مجھ پر ایمان لائے اندھیرے میں نہ رہے، اگر کوئی میری باتوں کو سن کر عمل نہ کرے تو میں اس کو مجرم نہیں ٹھہراتا کیوں کہ میں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں بلکہ دنیا کو نجات دینے آیا ہوں، جو مجھے نہیں مانتا اور میری باتوں کو قبول نہیں کرتا اس کا ایک مجرم ٹھہرانے والا ہے یعنی جو کلام میں نے کیا ہے آخری دن وہی اسے مجرم ٹھہرائے گا کیوں کہ میں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا ہے بلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اسی نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس کا حکم ہمیشہ کی زندگی ہے۔ پس جو کچھ اور جس طرح باپ نے مجھ سے فرمایا ہے اسی طرح کہتا ہوں ١٥''

ابتدا میں لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف خدا کا ایک پیغمبر اور بشر سمجھتے تھے جیسا کہ انجیل کی اس عبارت سے بالکل واضح ہے:'' لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے اور خدا کی تمجید کرنے لگے جس نے آدمی کو ایسا اختیار بخشا۔ ١٦''

لیکن یہ صورت حال زیادہ دنوں تک باقی نہ رہی، کچھ تو جہالت کی وجہ سے اور کچھ اس لئے بھی

١٣۔ متی، باب ١١: ٢٥ تا ٣٠، ١٤۔ ایضا، باب ١٣: ٥٨، ١٥۔ یوحنا، باب ١٢: ٤٤ تا ٥٠، ١٦۔ متی، باب ٩: ٨

کہ اس وقت فلسطین رومی سلطنت کا ایک حصہ تھا اور سلطنت کا مذہب اصنام پرستی تھا، چنانچہ رومی سپاہیوں اور جاہل عوام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا، ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ ایک آدمی سے وہ محیّر العقول معجزات صادر ہوسکتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صادر ہورہے تھے۔ اس صورت حال نے آنجناب کو مضطر کردیا۔ آپ نے برملا مختلف مواقع پر عوام اور خواص دونوں کے اس گمراہ کن خیال کی تردید فرمائی۔

موجود اناجیل تو اس سلسلے میں خاموش ہیں کیوں کہ عیسائی خود اس گمرہی کا شکار ہیں اس لئے انہوں نے بالقصد اناجیل سے ایسی تمام عبارتوں کو حذف کردیا، جن سے ان کے مشرکانہ خیالات وعقائد کی تردید ہوتی تھی اور اس کی جگہ باپ اور بیٹے کے الفاظ اور بعض عبارتوں کو بڑھا کر اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کی بھرپور کوششیں کیں، لیکن اہل نظر سے حقیقت حال مخفی نہیں۔

اس سلسلے میں سب سے اہم کتاب انجیل برناباس ہے۔ یہ کتاب آج عیسائی دنیا میں مستند تسلیم نہیں کی جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک خاص حواری برناباس کی لکھی ہوئی ہے جو آخروقت تک آپ کے ساتھ رہے اور جس نے تمام احوال وواقعات کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ اس انجیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دور میں اپنی ذات کے سلسلے میں پھیلی ہوئی گمراہی سے سخت رنجیدہ وملول تھے۔ عام لوگ آپ کے متعلق جس قسم کے خیالات رکھتے تھے اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

''پس جس وقت لوگوں نے یسوع کو پہچانا وہ چلانے لگے'' اے ہمارے خدا تو خوب آیا اور وہ اس کو سجدہ کرنے لگے جیسے کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ ۱۷''

یہ تو عوام کا حال تھا اس بد اعتقادی اور گمراہی سے مذہبی طبقہ بھی محفوظ نہ تھا، ایک کاہن کا یہ عبرت انگیز حال ملاحظہ فرمائیں:

'' تب یسوع تعظیم کے ساتھ کاہن کے نزدیک آیا مگر وہ اور ارادہ کررہا تھا کہ یسوع کو سجدہ کرے۔ پس یسوع نے اونچی آواز سے کہا: خبردار، اے اللہ کے کاہن تو یہ کیا کررہا ہے، خدا کا گناہ نہ کر کاہن نے جواب میں کہا: تحقیق یہود یہ تیری نشانیوں اور تعلیم کے سبب سے بے چین ہوگئی ہے۔ وہ سب آدمی کھلے طور پر کہہ رہے ہیں کہ تو ہی خدا ہے۔ ۱۸''

۱۷۔ انجیل برنباس، فصل ۹۲: ۱۷، ۱۸۔ ۱۸۔ ایضا، فصل ۹۳: ۶تا۱۸

کاہن کا یہ جواب سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پورے مجمع کو اس طرح خطاب فرمایا:
'' اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اے اسرائیلو! بڑی گمراہی میں پڑ گئے ہو اس لئے کہ تم نے مجھ کو خدا کہا ہے جبکہ میں ایک انسان ہوں اور میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اللہ مقدس شہر پر کوئی وبا نہ نازل کردے اور اس کو غیر ملک والوں کے حوالہ کردے تاکہ وہ اسے غلام بنائیں، جس شیطان نے تم کو اس بات کے ساتھ فریب دیا ہے اس پر ہزاروں لعنتیں ہیں، جس وقت یسوع نے یہ بات کہی اس نے اپنے چہرہ پر دو تھپڑ مارے۔ پس اس کے بعد بڑی ہی فریاد اور گریہ وزاری کی کیفیت پیدا ہوگئی یہاں تک کہ کسی نے وہ بات نہیں سنی جو کہ یسوع نے کہی تب اسی سبب سے یسوع نے دوسری دفعہ اپنا ہاتھ چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بلند کیا: اور جب قوم کا رونا دھونا رکا تو اس نے دوبارہ کہا۔'' میں آسمان کے سامنے گواہی دیتا ہوں اور تمام چیزیں جو زمین پر ہیں ان کو گواہ بناتا ہوں کہ تحقیق میں ان تمام باتوں سے بری ہوں جو کہ تم نے کہیں۔ اس لئے کہ میں ایک آدمی ہوں، ایک فنا ہوجانے والی عورت سے پیدا ہوا ہوں اور اللہ کے حکم کا نشان ہوں۔ تمام دوسرے آدمیوں کی طرح کھانے اور سونے کی تکالیف انگیز کرتا ہوں اور سردی وگرمی کی آفات برداشت کرتا ہوں اس لئے جس وقت اللہ آئے گا تاکہ وہ اپنی مخلوق کا محاکمہ کرے تو اس وقت میرا کلام ایک کاٹنے والی تلوار کے مانند ہوگا جو ہر ایسے شخص کو چیر ڈالے گا جو ایمان رکھتا ہو کہ میں (یسوع) انسان سے کچھ زیادہ ہوں۔[۱۹]''

توحید ورسالت کے باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تعلیمات کو جس شخص نے خراب اور شرک سے آلودہ کیا وہ سینٹ پال ہے۔ یہ شخص یہودی تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں آپ کا جانی دشمن اور آپ کی تعلیمات کا منکر تھا۔ آپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد یہ شخص عیسائی ہوگیا اور دین عیسوی کی اشاعت میں سرگرم ہوگیا۔ اشاعت دین ہی کی غرض سے یہ شخص شام چلا گیا، جو اس وقت رومی سلطنت کا ایک حصہ تھا اور جہاں یونانی عقائد (اصنام پرستی) کے ماننے والے آباد تھے۔ اس شخص نے نہایت چالاکی سے دین عیسوی کو مقبول بنانے کے لئے یونانیوں کے اصنام پرستی پر مبنی عقائد کو اپنے مذہب میں شامل کرلیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا جسدی ظہور قرار دیا اور وہ تمام صفات واوصاف آپ کی طرف منسوب کردیے جو صرف خدائے واحد کے لئے سزاوار تھے۔ چوں کہ

۱۹۔ ایضاً فصل ۹۳: ۲ تا ۱۱

موسوی احکام وآئین کا اتباع مشرکوں کے لئے باعث تکلیف اور وجہ ناگواری تھا اس لئے شریعت موسوی کو الہام کی بنیاد پر یہ کہہ کر منسوخ کردیا کہ اب اس کی ضرورت نہیں۔

اس شخص نے ایمان وعمل میں بھی تفریق کردی اور عقیدۂ کفار ایجاد کرکے صرف بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لانے کو نجات کے لئے کافی قرار دیا۔ غرض یہ کہ دین عیسوی کے نام پر ایک بالکل نیا دین ایجاد کرڈالا۔ عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ کفار اس نئے دین کے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہیں عقائد کو بعد کے ادوار میں مصری اور یونانی فلسفہ کی مدد سے علمی انداز میں پیش کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تثلیث اور کفار کا عقیدہ فلسفیانہ انداز وآہنگ میں مشرکانہ تعلیمات کی صدائے باز گشت ہے اور آج تک انہی مشرکانہ عقائد کی تشریح وتاویل میں عیسائی ارباب علم عقل وفکر کی ساری قوتیں صرف کررہے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ توجہ باپ اور بیٹے کی اصطلاحات پر صرف کی گئی اور ان کو وہ معنی پہنائے گئے جس نے دین عیسوی میں تمام اعتقادی اور عملی گمراہیوں کے دروازے کھول دیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے نبی نہ تھے جنہوں نے باپ اور بیٹے کے الفاظ استعمال کیے بلکہ یہ پہلے سے انبیاء بنی اسرائیل کے صحائف میں مستعمل چلے آرہے تھے اور اس سے ان کا مقصود صرف خدا اور اس کے بندوں کے درمیان پائے جانے والے تعلق کو ظاہر کرنا تھا۔ ان کی حیثیت ایک استعارے کی سی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کے باہمی ربط وتعلق کی وضاحت کے لئے یہ استعارہ بجائے خود کافی تھا، لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ توریت کا یہ ایک معروف اسلوب کلام تھا۔ اس کی متعدد مثالیں آج بھی تورات کے صحائف میں موجود ہیں۔ یہاں ہم صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ کتاب سموئل میں ہے:

"اور جب تیرے دن پورے ہوجائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سوجائے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیرے صلب سے ہوگی، کھڑا کرکے اسکی سلطنت قائم کروں گا۔ وہی میرے نام کا گھر بنائے گا اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کروں گا اور میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا۔ [۲۰]"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل انبیاء بنی اسرائیل جیسا کہ اوپر

۲۰۔ کتاب سموئیل، ۲: ۱۲: ۱۲ تا ۱۴۔

بیان ہوا ، ان الفاظ کا عام طور پر استعمال کرتے تھے ، لیکن ان سے حقیقی باپ اور بیٹے کا مفہوم انہوں نے کبھی مراد نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طرح کی گمراہی کے باوجود یہودیوں نے اپنے کسی نبی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حقیقی معنی میں باپ نہیں سمجھا ۔ جب وہ اپنے لیے بھی ابن کا لفظ استعمال کرتے تھے تو مجازی ہی معنی میں۔ قرآن مجید میں ان کا یہ قول موجود ہے: نحن ابناء الله (ہم اللہ کے بیٹے ہیں) اس سے ان کا مقصود جیسا کہ اس کے بعد کی آیت سے بالکل واضح ہے، خدا سے قرب خاص کا اظہار کرنا تھا نہ کہ وہ حقیقت میں خود کو خدا کی صلبی اولاد سمجھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اناجیل میں جہاں ابن اللہ کا لفظ آیا ہے وہ در اصل عبد اللہ (اللہ کا بندہ) اور جہاں ہمارا باپ اور تمہارا باپ کے الفاظ ہیں وہ ربی و ربکم (میرا رب اور تمہارا رب) ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان میں ابن کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہے، ایک نسبت کے لئے ، مثلاً ابن السبیل ، ابن اللیل ، ابن حج ابن حول وسنہ وغیرہ ، دوسرے عبد کے معنی میں ، مثلاً الرجل ، الفتی اور الغلام [۲۱]"

اس معاملے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسقدر محتاط تھے کہ مذہبی معنی میں بھی لفظ رب کے استعمال کو ناپسند کرتے تھے جب کہ علماء یہود کے لئے اس لفظ کا استعمال عام تھا۔ ان کے اس طرز عمل پر تنقید کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: " وہ دعوتوں میں صدر نشینی اور مجامع میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام وتحیات کو پسند کرتے ہیں اور یہ بھی خواہش رکھتے ہیں کہ لوگ انہیں "ربی" کہہ کر پکاریں ۔ لیکن تم مجھے ربی کہہ کر نہ پکارو اس لئے کہ تمہارا رب ایک ہے مسیح اور تم سب بھائی ہو۔ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو رب کے لفظ سے نہ پکارو اس لیے کہ تمہارا رب ایک ہے جو آسمانوں میں ہے اور ایک دوسرے کو معلم بھی نہ کہو کیوں کہ تمہارا معلم ایک ہے یعنی مسیح ۔تم میں سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ خدمت گزار ہے۔ [۲۲]"

مسیح علیہ السلام سے ایک شخص نے کہا: " اے معلم صالح ، میں کون سا کام کروں تا کہ مجھے حیات جاوداں مل جائے۔" آپ نے فرمایا: تو مجھے صالح کیوں کہتا ہے، صالح صرف ایک ہے اور وہ اللہ ہے۔ لیکن تم حیات سرمدی چاہتے ہو تو شرائع پر عمل کرو۔ [۲۳]"

حضرت مسیح علیہ السلام نے صالح کے لفظ پر اس لیے اعتراض فرمایا کہ یہ در اصل رب کا

۲۱۔ مفردات القرآن ،ص ۱۰، ۲۲۔ متی ، باب ۲۳: ۶ تا ۱۲، ۲۳۔ ایضا، باب ۱۹: ۱۷

ترجمہ تھا۔ ۲۴؎ لیکن آنجناب کی ان تنبیہات کے باوجود عیسائی قوم نے ''اب اور ابن'' (باپ اور بیٹا) کے الفاظ کو مجازی کے بجائے حقیقی معنی میں استعمال کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کا حقیقی مدلول قرار دیا۔ اور یہی خیال آج بھی رائج اور مقبول ہے۔

اناجیل میں وقوعِ قیامت کا بیان تمثیلات کے پیرائے میں ہوا ہے اور یہ بیان کسی حد تک قرآن سے ملتا جلتا ہے البتہ اس میں اس دن کی شدت وہولناکی کو جس انداز والفاظ میں مکرر بیان کیا گیا ہے اناجیل اس سے خالی ہیں۔ انجیل کے مطابق وقوعِ قیامت سے پہلے بعض ارضی وسماوی آفات کا ظہور ہوگا اور اس کے بعد آسمانی نظام درہم برہم ہوجائے گا، مثلاً ایک جگہ آیا ہے:

''ان دنوں کی مصیبتوں کے بعد سورج تاریک ہوجائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔ ۲۵؎''

اناجیل میں صاف طور پر لکھا ہے کہ اس دن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے، اور اچانک اس طرح آجائے گا کہ لوگ اس کی طرف سے بے خبر اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے۔ اس دن کے ہولناک مصائب سے صرف اسی آدمی کو امان ملے گی جس کا قلب اپنے خالق ومالک کی یاد سے غافل وبے پرواہ نہ ہوگا۔ مثلاً انجیل میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

''اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے اور نہ بیٹا مگر صرف باپ، جیسا کہ نوح کے دنوں میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کے آنے کے وقت ہوگا۔ کیوں کہ جس طرح طوفان سے پہلے کے دنوں میں لوگ کھاتے پیتے اور بیاہ شادی کرتے تھے اس دن تک کہ نوح کشتی میں

۲۴۔ مفردات القرآن، ص ۱۱۔ اس مقام پر انجیل متی سے جو دو اقتباسات پیش کیے گئے ہیں وہ مولانا فراہیؒ کی کتاب فردات القرآن (ص ۱۰، ۱۱) سے ماخوذ ہیں۔ مولانا یہ ترجمہ غالباً عبرانی انجیل سے کیا ہے کیوں کہ اردو اور انگریزی کے موجودہ تراجم اس سے بالکل مختلف ہیں اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''وہ دعوتوں میں صدرنشینی اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام اور آدمیوں سے ربی کہلانا پسند کرتے ہیں۔ مگر تم ربی نہ کہلاؤ کیوں کہ تمہارا استاد ایک ہے اور تم سب آئین میں بھائی ہو اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیوں کہ تمہارا باپ ایک ہے جو آسمانوں میں ہے اور نہ تم ہادی کہلاؤ کیوں کہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح'' (متی، باب ۲۳: ۶ تا ۱۱) شائع کردہ، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور، ۱۹۵۶۔

اس اقتباس سے بالکل واضح ہے کہ عیسائیوں نے اناجیل میں بعض لفظی تحریفات بھی کی ہیں۔ لیکن ان کا تعلق زیادہ تر باپ اور بیٹے کے الفاظ سے ہے۔ مولانا فراہی نے مفردات القرآن (ص ۱۰) میں انجیل سے ایک عبارت نقل کرکے ترجمہ کی غلطیوں کو واضح کیا ہے جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

۲۵۔ متی، باب ۲۴: ۲۹، ۳۰۔

داخل ہوا اور جب تک طوفان آکر ان سب کو بہانہ لے گیا ان کو خبر نہ ہوئی۔ اسی طرح ابن آدم کا آنا ہوگا۔ اس وقت دو آدمی کھیت میں ہوں گے ایک لے لیا جائے گا اور دوسرا چھوڑ دیا جائے گا۔ پس جاگتے رہو کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارا خداوند کس دن آئے گا۔ لیکن یہ جان رکھو کہ اگر گھر کے مالک کو معلوم ہو کہ چور رات کے کون سے پہر آئے گا تو جاگتا رہے اور اپنے گھر میں نقب نہ لگانے دے۔ اس لئے تم بھی تیار رہو کیوں کہ جس گھڑی تم کو گمان بھی نہ ہوگا، ابن آدم آجائے گا، پس وہ دیانت دار اور عقل مند نوکر کون ہے جسے مالک نے اپنے نوکروں چاکروں پر مقرر کیا تاکہ وقت پر ان کو کھانا دے۔ مبارک ہے وہ نوکر جسے اس کا مالک آکر ایسا ہی کرتا پائے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اپنے سارے مال کا مختار کردے گا، لیکن اگر وہ خراب نوکر اپنے دل میں یہ کہہ کر کہ میرے مالک کے آنے میں ابھی دیر ہے اپنے ہم خدمتوں کو مارنا شروع کردے اور شرابیوں کے ساتھ کھائے پیے تو اس نوکر کا مالک ایسے دن کہ وہ اس کی راہ نہ دیکھتا ہو اور ایسی گھڑی کہ وہ نہ جانتا ہو، آموجود ہوگا اور خوب کوڑے مار کر اس کو ریاکاروں میں شامل کرے گا۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ [۲۶]''

تورات کے برخلاف اناجیل میں جزا وسزا کا اخروی تصور موجود ہے۔ اناجیل کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ روز آخرت ہر شخص کے ایک ایک قول اور ایک ایک فعل کا محاسبہ ہوگا اور بے لاگ طریقہ سے صادق وکاذب اور راست باز اور شریر انسانوں میں تفریق کردی جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

'' اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو نکمی بات لوگ کہیں گے عدالت کے دن اس کا حساب دیں گے۔ کیوں کہ تو اپنی باتوں کے سبب سے راست باز ٹھہرایا جائے گا اور اپنی باتوں کے سبب سے قصور دار ٹھہرایا جائے گا۔ [۲۷]''

یوم آخرت کو اناجیل میں آسمانی بادشاہی [۲۸] سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس آسمانی بادشاہی کی اصل حقیقت کو عیسیٰ علیہ السلام نے متعدد تمثیلات کے ذریعہ بیان فرمایا ہے، ایک تمثیل میں فرماتے ہیں:

'' آسمان کی بادشاہی اس آدمی کی مانند ہے جس نے کھیت میں اچھا بیج وبویا مگر لوگوں کے سوتے

۲۶۔ ایضا، باب ۲۴: ۳۶ تا ۵۱، ۲۷۔ ایضا، باب ۱۲: ۳۷، ۲۸۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ کا خیال ہے کہ آسمانی بادشاہی سے مراد پیغمبر آخر الزماں کی بعثت ہے۔ حضرت عیسیٰ مسیح کی آمد کا مقصد ہی آسمانی بادشاہی یعنی خاتم النبیین کے ظہور کا مژدہ سنانا تھا۔ اسی لیے قرآن مجید میں ان کا وصف مبشر بیان کیا گیا ہے۔(ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد،الصف: ۶) ملاحظہ ہو مفردات القرآن، ص ۳۸،

ہیں اس کا دشمن آیا اور گیہوں میں کڑوے دانے بھی بو گیا پس جب پتیاں نکلیں اور بالیں آئیں تو وہ کڑوے دانے بھی دکھائی دیے۔ گھر کے مالک کے نوکروں نے آ کر اس سے کہا: اے خداوند ! تو نے تو اپنے کھیت میں اچھا دانہ بویا تھا؟ اس میں کڑوے دانے کہاں سے آ گئے؟ اس نے ان سے کہا ، یہ کسی دشمن نے کیا ہے۔ نوکروں نے اس سے کہا تو کیا چاہتا ہے کہ ہم جا کر انکو جمع کریں اس نے کہا نہیں ، ایسا نہ ہو کہ کڑوے دانے جمع کرنے میں تم ان کے گیہوں بھی اکھاڑ لو۔ کٹائی تک دونوں کو اکٹھا بڑھنے دو اور کٹائی کے وقت میں کاٹنے والوں سے کہہ دوں گا کہ پہلے کڑوے دانے جمع کر لو اور جلانے کے لئے ان کے گٹھے باندھ لو اور گیہوں میرے کھیت میں جمع کر دو۔۲۹ ''

اس تمثیل کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مسیح نے فرمایا: '' اچھے بیج کا بونے والا ابن آدم ہے اور کھیت دنیا ہے اور اچھا بیج بادشاہی کے فرزند اور کڑوے دانے اس کے شریر فرزند ہیں ۔ پس جس طرح کڑوے دانے جمع کیے جاتے ہیں اور آگ میں جلائے جاتے ہیں اسی طرح دنیا کے آخر میں ہوگا، ابن آدم اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ سب ٹھوکر کھلانے والی چیزوں اور بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اس وقت راست باز اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے، جس کے کان بند ہوں وہ سن لے۔ ۳۰ ''

اسی بات کو ایک دوسری تمثیل میں یوں بیان فرمایا ہے: '' آسمان کی بادشاہی اس بڑے جال کی مانند ہے جو دریا میں ڈالا گیا اور اس نے ہر قسم کی مچھلیاں سمیٹ لیں اور جب بھر گیا تو اسے کنارے پر کھینچ لائے اور بیٹھ کر اچھی اچھی مچھلیوں کو تو برتنوں میں جمع کر لیا اور جو خراب ہوں انہیں پھینک دیں۔ دنیا کے آخر میں ایسا ہی ہوگا۔ فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جدا کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔۳۱ ''

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ عیسائی مذہب میں اصل اہمیت صرف ایمان کو حاصل ہے اور عمل صالح کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے اور نجات اخروی کا مدار اعمال کے بجائے صرف ایمان پر ہے۔ اس سلسلے میں مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

'' یہاں ایک خاص نکتہ ہے جس کو سمجھے بغیر آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ یہود نے سب سے زیادہ

۲۹۔ متی ، باب ۱۳: ۲۴ تا ۳۰،   ۳۰۔ایضا ،باب ۱۳: ۲۴ تا ۳۰،   ۳۱۔متی ، باب ۱۳: ۴۷ تا ۵۰،

اہمیت رسم ورواج کو دی تھی اور عیسائیوں نے اس کے برخلاف صرف ایمان پر نجات وفلاح کا مدار رکھا ہے چنانچہ حواریوں کے خطوط اور ملفوظات میں اس تعلیم کو بہت کچھ نمایاں کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ عمل نہیں بلکہ صرف ایمان نجات کا ذریعہ ہے۔ اسلام کی پہلی تکمیلی شان اس بارے میں یہ ہے کہ وہ دونوں کی اصلاح کر کے ان دونوں کو جمع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نجات نہ تنہا ایمان اور نہ تنہا عمل پر بلکہ ایمان صحیح اور عمل صالح کی جامعیت پر موقوف ہے۔۳۲"

مجھے حیرت ہے کہ مولانا جیسے متبحر عالم نے ایسی بے دلیل بات کیسے لکھ دی۔ عہد حاضر کے عیسائی علماء تو بے شک ایمان ہی پر نجات اخروی کو موقوف قرار دیتے ہیں لیکن اس بات کی تائید نہ تو اناجیل سے ہوتی ہے اور نہ ہی حواریوں کے خطوط اور ملفوظات سے۔

اناجیل میں ایمان وعمل دونوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے اور بغیر عمل صالح کے روز آخرت نجات ممکن نہیں ہے۔ ایک یہودی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اے استاد میں کون سی نیکی کروں کہ حیات جاوداں حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا:

"تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔ نیک تو ایک ہی ہے لیکن اگر حیات جاوداں چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر، اس نے کہا کون سے حکموں پر؟ یسوع نے کہا یہ کہ خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ اس جوان نے کہا کہ میں نے ان سب باتوں پر عمل کیا ہے۔ اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟ یسوع نے اس سے کہا، اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال واسباب بیچ کر میرے پیچھے ہولے، مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہوا اور چلا گیا کیوں کہ وہ مالدار تھا۔۳۳"

اناجیل میں صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ آسمان کی بادشاہی یعنی جنت کی حیات جاوداں اسی کو حاصل ہوگی جو صرف زبان سے خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتا بلکہ عمل سے بھی اپنے صادق مومن ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ حقیقی مومن وہی ہے جو اپنے نفس کی مرضی کے بجائے خدا کی مرضی پر چلتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"جو مجھ سے اے خداوند، اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمانی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا بلکہ جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔ اس دنیا بہتیرے مجھ سے کہیں گے،

۳۲۔ سیرت النبی، ج ۴، ص ۸۸۲، ۳۳۔ متی، باب ۱۹: ۱۷ تا ۲۲،

اے خداوند، اے خداوند کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا۔ اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے؟ اس وقت میں ان سے صاف کہہ دوں گا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو! میرے پاس سے چلے جاؤ پس جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقلمند آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا۔ اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر پر ٹکریں لگیں لیکن وہ نہ گرا کیوں کہ بنیاد چٹان پر ڈالی گئی تھی اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اس بے وقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے ریت پر اپنا گھر بنایا اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر کو صدمہ پہنچا اور وہ گر گیا اور بالکل برباد ہوگیا۔ ۳۴؎"

ایک دوسری جگہ فرمایا: "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں انھیں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ بھی توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہوجائے پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔ ۳۵؎"

سچی محبت کی بنیاد عمل یعنی فرماں برداری پر ہے۔ اگر فرماں برداری نہیں تو ایسی محبت ناقابل اعتبار ہے۔ اگر ایک آدمی اپنے والدین سے سچی محبت کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی خدمت کے لئے کہیں اور وہ انکار کردے۔ سچی محبت کی کسوٹی یہی ہے کہ محبت کرنے والا محبوب کی مرضیات کا پابند ہوجائے اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ محبت ریاکاری کے سوا اور کچھ نہیں، جیسا کہ یسعیاہ نبی نے فرمایا ہے: "یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دور ہے۔ ۳۶؎"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے متعدد خطبات میں عمل کو سچی محبت کی علامت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

"اگر کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے کہ تو وہ میرے کلام پر عمل کرے گا اور میرا باپ اس سے محبت رکھے گا اور ہم اس کے پاس آئیں گے اور اس کے ساتھ سکونت کریں گے اور جو میرے کلام پر عمل نہیں کرتا وہ مجھ سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جو کلام تم مجھ سے سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس

۳۴۔ متی، باب ۷: ۲۱ تا ۲۷، ۳۵۔ ایضا، باب ۵: ۱۷ تا ۲۰، ۳۶۔ ایضا، باب ۱۵: ۸،

نے مجھے بھیجا ہے۔ ۳۷"

دوسری جگہ فرمایا ہے: " اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو، اور میں باپ سے درخواست کروں گا وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا جو ابد تک تمہار ساتھ رہے گا۔ ۳۸"

یہی بات ایک اور جگہ تمثیل کے پیرایہ میں کہی گئی ہے: " انگور کا حقیقی درخت میں ہوں اور میرا باپ باغبان ہے جو ڈالی مجھ میں ہے اور پھل نہیں لاتی اسے وہ کاٹ ڈالتا ہے اور جو پھل لاتی ہے اسے چھانٹتا ہے تا کہ زیادہ پھل لائے۔ اب اس کلام کے سبب سے جو میں نے تم سے کیا ہے پاک ہو تم مجھ میں قائم رہو اور میں تم میں جس طرح شاخ اگر انگور کے درخت کے ساتھ قائم نہ رہے تو وہ پھل نہیں لا سکتی اسی طرح اگر تم مجھ میں قائم نہ رہو گے تو پھل نہیں لا سکتے میں انگور کا درخت ہوں تم اس کی ڈالیاں ہو جو مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اس میں وہ بہت پھل لاتا ہے کیوں کہ مجھ سے جدا ہو کر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی مجھ میں قائم نہ رہے تو ڈالی کی طرح پھینک دیا جاتا ہے اور سوکھ جاتا ہے اور لوگ انھیں جمع کر کے آگ میں جھونک دیتے ہیں اور وہ جل جاتی ہے اگر تم مجھ میں قائم رہو اور میری باتیں تم میں قائم رہیں تو جو چاہو مانگو وہ تمہارے لیے ہو جائے گا میرے باپ کا جلال اسی سے ہوتا ہے کہ تم بہت پھل لاؤ اور جب ہی تم میرے شاگرد ٹھہرو گے۔ جیسی باپ نے مجھ سے محبت کی ویسی ہی میں نے تم سے محبت رکھی۔ تم میری محبت میں قائم رہو اگر تم میرے حکموں پر عمل کرو گے تو میری محبت میں قائم رہو گے جیسے میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا ہے اور اس کی محبت میں قائم ہوں۔ ۳۹"

حواریوں کے خطوط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایمان و عمل کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کو سب سے زیادہ جس بات کی تعلیم دی وہ ایمان اور عمل صالح کی تعلیم ہے۔ حواری یعقوب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

" ساری نجاست اور بدی کے فضلہ کو دور کر کے اس کلام کو صدق دل سے قبول کر لو جو دل میں بویا گیا اور تمہاری روح کو نجات دے سکتا ہے۔ لیکن کلام پر عمل کرنے والے بنو نہ کہ محض سننے والے جو اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ کیوں کہ جو کوئی کلام سننے والا ہے اور اس پر عمل نہ کرے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو اپنی قدرتی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے۔ اور دیکھ کر چلا جاتا ہے اور بھول جاتا

۳۷۔ یوحنا، باب ۱۴: ۲۴، ۳۸۔ ایضا: ۱۶، ۱۷، ۳۹۔ ایضا، باب ۱۵: ۱ تا ۱۰،

ہے کہ میں کیسا تھا۔ لیکن جو شخص آزادی کامل کے ساتھ شریعت کو غور سے دیکھتا ہے وہ اپنے کام میں اس لیے برکت پائے گا کہ سن کر بھولتا نہیں بلکہ عمل کرتا ہے۔ اگر کوئی اپنے آپ کو دیندار سمجھے اور اپنی زبان کو لگام نہ دے بلکہ اپنے دل کو دھوکہ دے تو اس کی دینداری باطل ہے۔ ہماری خدا اور باپ کے نزدیک خالص اور بے عیب دینداری یہ ہے کہ یتیموں اور بیواؤں کی مصیبت کے وقت خبر لے اور اپنے آپ کو دنیا سے بے داغ رکھے۔ ۴۰؎"

حواری پطرس کا ایک خط ملاحظہ ہو: "سب کے سب ایک دل اور ایک دوسرے کے ہمدرد بنو، برادرانہ محبت رکھو، نرم دل اور فروتن بنو، بدی کے عوض بدی نہ کرو، اور گالی کے بدلے گالی نہ دو بلکہ اس کے برعکس برکت چاہو کیوں کہ تم برکت کے وارث ہونے کے لئے بلائے گئے ہو۔ ۴۱؎"

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں: "تم اپنی طرف سے کمال کوشش کر کے ایمان پر نیکی اور نیکی پر معرفت اور معرفت پر پرہیز گاری اور پرہیزگاری پر صبر اور صبر پر دینداری۔ اور دینداری پر برادرانہ الفت اور برادرانہ الفت پر محبت کو بڑھاؤ۔ ۴۲؎"

حواری یوحنا کے ایک خط میں ہے: "اگر ہم اس کے حکموں پر عمل کریں گے تو اس سے ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم اسے جان گئے۔ جو کوئی یہ کہتا ہے کہ میں اسے جان گیا ہوں اور اس کے حکموں پر عمل نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے اور اس میں سچائی نہیں۔ ہاں جو کوئی اس کے کلام پر عمل کرتا ہے اس میں یقیناً خدا کی محبت کامل ہوگئی ہے۔ ۴۳؎"

حواریوں کے خطوط اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ ارشادات سے یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہوگئی کہ اناجیل میں ایمان کے ساتھ عمل صالح پر بھی زور دیا گیا ہے۔ جو عیسائی علماء صرف ایمان پر نجات کا مدار رکھتے ہیں وہ خود اپنی کتاب کے منکر ہیں۔

خاتمہ کلام

سطور بالا میں ہم نے قرآن مجید، تورات اور انجیل کے تصور ایمان و عمل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے بالکل واضح ہوگیا ہے کہ اس بات میں قرآن کی تعلیم زیادہ جامع اور ہمہ گیر ہے۔

۴۰۔ یعقوب کا عام خط، باب ۳: ۸ تا ۲۷،
۴۱۔ پطرس کا پہلا عام خط، باب ۳: ۸ تا ۱۰
۴۲۔ پطرس کا پہلا عام خط، باب ۱: ۵ تا ۷
۴۳۔ یوحنا کا پہلا عام خط، باب ۲: ۳ تا ۵

تورات میں ایمان وعمل کا جو تصور ملتا ہے وہ جامع نہیں ہے۔ اس میں توحید کا تصور یقیناً موجود ہے لیکن ایمان کے دوسرے اجزا یعنی ایمان بالرسل اور ایمان بالآخرۃ کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ احکام وآئین شریعت پر عمل کی تعلیم وتاکید تو ہے لیکن دین کے دو بڑے حکم، نماز اور زکوٰۃ کے ذکر سے اس کے صفحات خالی ہیں۔ اعمال کی جزا وسزا کا تصور مکمل طور پر دنیوی ہے۔ اخروی جزا وسزا کا اس میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

اناجیل میں ایمان کے اجزائے ترکیبی یعنی توحید رسالت اور آخرت کا ذکر ہے لیکن مجمل طور پر اور تمثیلی اسلوب میں ہے۔ توحید ورسالت کے حقیقی تصور کو باپ اور بیٹے کی اصطلاحوں نے بڑی حد تک دھندلا اور ناقابل فہم بنادیا ہے۔ اگر ان اصطلاحات کی جگہ عبد اور رب کی قرآنی اصطلاحات کو رکھ دیا جائے تو توحید ورسالت کا تصور بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ اناجیل میں تصور آخرت کو تمثیلات کے پیرایہ میں ایک سے زیادہ مقامات پر پیش کیا گیا ہے لیکن اس تصور میں وہ زور وقوت اور وضاحت نہیں جو قرآنی تصور آخرت کی خصوصیت ہے۔ جہاں تک بنیادی احکام کا تعلق ہے ان کا ذکر اناجیل میں ہے اور ان پر عمل کی تلقین بھی کی گئی ہے، لیکن تورات کی طرح ان میں بھی نماز اور زکوٰۃ کا ذکر غائب ہے۔ اس کے علاوہ اعمال کی جزا وسزا کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ خالص اخروی ہے۔

تورات اور انجیل کے بر خلاف قرآن مجید میں ایمان وعمل کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ بہت جامع اور مفصل ہے، اس میں کسی طرح کی افراط وتفریط نہیں ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کے لئے ایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اجزائے ایمان میں توحید اور معاد کے تصورات کو اس قدر شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس باب میں اس سے زیادہ شرح وتفصیل ممکن نہیں ہے۔ نیز اس تصور کو جس طرح انفس وآفاق کے عقلی دلائل سے مزین کیا گیا ہے اس سے تورات اور اناجیل کے صفحات خالی ہیں۔ رسالت کی حقیقت کو بھی اس انداز واسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اس سے شرک کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق اصولی احکام کے علاوہ نماز اور زکوٰۃ کی تعلیم کو، جو تمام اعمال حسنہ کی اصل واساس ہے، نہایت تاکید، تکرار اور وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اعمال کی جزا وسزا کا قرآنی تصور بھی مبنی بر اعتدال ہے، اخروی جزا وسزا کے ساتھ دنیوی جزا وسزا کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن نے دین قیم کے حقیقی خط وخال کو جس طرح عقل اور انسانی فطرت سے ہم آہنگ کرکے مفصل اور بتکرار پیش کیا ہے

اس طور پر تورات اور انجیل میں دین حق کا تعارف نہیں کرایا گیا۔

ایمان وعمل کے باب میں قرآن کی اس حکیمانہ تعلیم کے باوجود یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ عصر حاضر کے مسلمانوں کا فکری اور عملی رویہ افسوس ناک ہے۔ وہ غیر شعوری طور پر یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، نہ حقیقی ایمان باقی ہے اور نہ اعمال صالحہ، صرف چند مذہبی اعمال ورسوم کی ظاہری ادائیگی کا نام دین رکھ لیا گیا ہے۔اس سے بھی زیادہ الم ناک بات ہے کہ ان کی ایک بڑی تعداد شرک جلی میں مبتلا ہے: فاعتبروا یا اولی الابصار

نبی کی معرفت

مقصد کی جانب عام ھدایت

علّامہ سید محمد حسین طباطبائی

معاد

جو لوگ اسلامی علوم سے کسی حد تک واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں روح اور جسم کا ذکر اکثر آیا ہے۔اگرچہ جسم اور بدن کا، جو اس کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے، تصور کرنا نسبتاً آسان ہے لیکن روح اور نفس کا تصور ابہام اور پیچیدگی سے خالی نہیں۔

شیعہ اور سنی متکلمین اور فلسفی روح کی حقیقت کے بارے میں مختلف نظریات رکھتے ہیں، تاہم یہ بات کسی حد تک مسلم ہے کہ اسلام کی نظر میں روح اور بدن دو ایسی حقیقتیں ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔موت کی وجہ سے بدن زندگی کی خاصیت کھودیتا ہے اور بتدریج تحلیل ہوجاتا ہے لیکن روح کی یہ صورت نہیں بلکہ دراصل روح ہی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ جب بدن کا روح سے اتصال ہوتا ہے تو بدن بھی اس سے زندگی حاصل کرتا ہے اورجب روح بدن سے جدا ہوجاتی ہے اور اپنا رشتہ اس سے توڑلیتی ہے (یعنی جب موت واقع ہوجاتی ہے تو بدن کام کرنا چھوڑدیتا ہے لیکن روح اپنی زندگی جاری رکھتی ہے۔

قرآن مجید کی آیات اور ائمہ اہلبیتؑ کے اقوال پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی روح دکھائی نہیں دیتی ہے لیکن اس کا مادی جسم سے ایک قسم کا رشتہ اور تعلق ضرور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں فرماتا ہے۔

''ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہمیں نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا۔ پھر ہمیں نے منجمد خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا پھر ہمیں نے لوتھڑے کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہمیں نے اسے ایک دوسری صورت میں پیدا کیا۔''(سورہ مومنون۔ آیات ۱۲ تا ۱۴)

ان آیات کی ترتیب سے واضح ہے کہ شروع میں بتدریج مادی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے اور جب روح ،شعور اور ارادے کے ظہور کی جانب اشارہ کیا گیا ہے تو ایک اور تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے جو پہلی تخلیق سے مختلف ہے۔

ایک اور مقام پر ان منکرین کے جواب میں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کا جسم جو موت کے بعد تحلیل ہوجاتا ہے اور اس کے عناصر منتشر ہوکر معدوم ہوجاتے ہیں ایک نئی زندگی پائے اور بعینہٖ پہلے والا انسان بن جائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

اے رسولؐ کہدو کہ ملک الموت جوتم پر تعینات ہے تمہاری روحیں تمہارے بدنوں سے نکال لے گا اور اسکے بعد تم سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے (سورہ سجدہ۔آیت ۱۱)

یعنی موت کے بعد تمہارے جسم تحلیل ہوکر مٹی کے ذروں میں غائب ہوجاتے ہیں لیکن خود تمہیں (یعنی روحوں کو) ملک الموت نے تمہارے بدنوں سے نکال لیا ہے اور تم ہمارے پاس محفوظ ہو۔

ان آیات کے علاوہ قرآن مجید ایک جامع بیان میں خود روحوں کو غیر مادی قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے:

''(اے رسولؐ) تم سے لوگ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں ۔تم کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے۔'' (سورہ بنی اسرائیل ۔آیت ۸۵)

ایک اور مقام پر اپنے ''امر'' کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

'' جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، پس وہ بلا توقف ہوجاتی ہے۔''

(سورہ یسٰین ۔آیات ۸۱۔۸۲)

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اشیاء کی تخلیق کے بارے میں اللہ کا امر تدریجی نہیں ہے اور نہ ہی زمان ومکان سے مشروط ہے لہٰذا روح اللہ سے منسوب ہونے کے علاوہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ یہ کوئی مادی چیز نہیں ہے اور اس میں مادی خصوصیات بھی نہیں ہیں۔ یعنی یہ تقسیم تبدیلی اور زمان ومکان سے محدود ہونے کی خاصیتوں سے مبرا ہے۔

روح کی حقیقت کے بارے میں ایک اور نقطہ نگاہ سے بحث

عقلی کاوش بھی روح کے بارے میں قرآن مجید کے نظریے کی تائید کرتی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک

اپنے اندر ایک حقیقت کی موجودگی سے آگاہ ہے جسے وہ ''میں'' کہتا ہے اور یہ آگاہی انسان میں ہمیشہ موجود رہتی ہے۔

بعض اوقات انسان اپنا سر، ہاتھ، پاؤں اور دوسرے اعضاء حتی کہ اپنا بدن تک بھول جاتا ہے لیکن جب تک کہ خود اپنے آپ (میں) کا احساس اس کے ادراک سے خارج نہیں ہوتا، اس ادراک کو نہ تو تقسیم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے حالانکہ انسان کا بدن مسلسل تبدیل ہوتا رہتا ہے اور اپنے لئے مختلف مقامات کا انتخاب کرتا ہے اور وقت کے مختلف لمحات سے گزرتا ہے لیکن مذکورہ بالا حقیقت (میں) قائم رہتی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ کوئی مادی چیز ہوتی تو اس میں تقسیم اور زمان ومکان کی تبدیلی جیسی مادی خاصیتیں موجود ہوتیں۔

بدن میں مادہ کہ یہ تمام خصوصیتیں موجود ہوتی ہیں اور بدن اور روح کے ارتباط کی وجہ سے انہیں روح سے بھی منسوب کردیا جاتا ہے۔ تاہم تھوڑے سے غور کے نتیجے میں یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ یہ لحہ اور وہ لحہ، یہ جگہ اور وہ جگہ، یہ شکل اور وہ شکل، یہ سمت اور وہ سمت، یہ سب بدن کی خاصیتیں ہیں اور روح ان سے منزہ ہے۔ دراصل یہ لیپاپوتی اس بدن کے راستے سے ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ادراک، شعور اور علم کے بارے میں جو روح کی خصوصیات ہیں یہی استدلال ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر علم ایک مادی خصوصیت ہوتی تو مادہ کی شرائط کے مطابق تقسیم اور تجزیہ کے قابل ہوتی اور اس پر زمان اور مکان کا اطلاق ہوتا۔

بلاشبہ یہ عقلی بحث طویل ہوسکتی ہے اور اسکے متعلق ایسے بہت سے سوالات اور جوابات ہیں جن کا جائزہ لینا سردست ممکن نہیں۔ جو مختصر بحث یہاں پیش کی گئی ہے اس کا مقصد فقط بدن اور روح کے بارے میں اسلامی اعتقادات کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اس موضوع پر مکمل بحث کے لئے اسلامی فلسفہ پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔[1]

موت کے بارے میں اسلامی نظریہ

گو بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت انسان کو معدوم کردیتی ہے اور انسانی زندگی فقط پیدائش

۱۔ جن کتابوں کے مطالعے کا فاضل مصنف نے مشورہ دیا ہے کہ ان سے بالخصوص ان کی مراد صدرالدین شیرازی اور انکے علاوہ ایران کے دیگر اسلامی فلسفی ہیں جنہوں نے روح اور اس کی صلاحیتوں کے بارے میں پہلے فلسفوں کے مقابلے میں زیادہ مدلل بحث کی ہے تاہم جہاں تک روح کے غیر مادی ہونے کا تعلق ہے بوعلی سینا کی کتابوں میں اس کے کافی عقلی ثبوت مہیا کیے گئے ہیں۔ ناشر

اور موت کے درمیانی عرصے تک محدود ہے لیکن اسلام کے نظریہ کے مطابق موت انسانی زندگی کے ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے کی جانب انتقال کا نام ہے۔ اسلام کے مطابق انسان ایک ایسی جاودانی زندگی کا مالک ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ۔موت جس کے معنی روح کے بدن سے علیحدگی کے ہیں۔ انسان کو زندگی کے ایک نئے مرحلے میں داخل کرتی ہے جس میں مایوسی اور خوشی کا انحصار ان اچھے اعمال پر ہوتا ہے جو موت سے پہلے گزاری جانے والی زندگی میں انجام دیے گئے ہوں۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے:

''تمہیں معدوم ہونے کے لیے نہیں زندہ رہنے کے لیے بنایا گیا ہے ۔ ہوتا صرف یہ ہے کہ تم ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوجاتے ہو۔''[۲]

برزخ

جو کچھ ہم کتاب اور سنت سے اخذ کرسکتے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ انسان موت اور قیامت کے دوران ایک محدود اور عارضی زندگی گزارتا ہے جو ایک درمیانی منزل (برزخ) کی ایسی کڑی ہے جو موجودہ دنیا کی زندگی اور جاودانی زندگی کو آپس میں جوڑ دیتی ہے۔موت کے بعد انسان سے اسکے اعتقادات اور زندگی میں کیے گئے اچھے اور برے اعمال کے بارے میں سوال کیے جاتے ہیں۔اس سرسری محاسبے اور اس پر دیے گئے فیصلے کی روشنی میں اسے پسندیدہ اور خوشگوار اور ناخوشگوار زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ وہ نئی زندگی قیامت کے انتظار میں گزارتا ہے۔ عالم برزخ میں انسان کی زندگی اس شخص کی کیفیت سے مشابہ ہوتی ہے جسے اس کے اعمال کی بازپرس کے سلسلے میں کسی عدالت میں طلب کیا گیا ہو۔ اس سلسلے میں اس پر جرح کی جاتی ہے اور سارے واقعہ کی چھان بین ہوتی ہے اور جب اس کی مسل مکمل ہوجاتی ہے تو پھر وہ مقدمہ چلنے کا منتظر ہوتا ہے۔

برزخ میں انسان کی روح موجودہ دنیا میں میں کیے گئے اعمال کے مطابق زندگی گزارتی ہے۔[۳] اگر وہ نیک ہوتو نیک اور خدا رسیدہ لوگوں کے درمیان خوشی اور نیک بختی کی زندگی بسر کرتا ہے اور اگر بد ہوتو اپنا وقت عذاب اور تکلیف میں گذارتا ہے اور شیطانوں اور گمراہ لوگوں کے

۲۔ بحار الانوار (جلد ۳۔صفہ ۱۶۱) اعتقادیہ شیخ صدوق سے ماخوذ ،
۳۔ بحار الانوار جلد ۳۔ باب البرزخ)،

پیشواؤں کے ساتھ رہتا ہے۔[۴] نیک لوگوں کی حالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار (مقام قرب) سے روزی پاتے ہیں اور اللہ نے ان پر جو فضل وکرم کیا ہے اور اس پر بہت خوش ہیں اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے اور ان میں آکر شامل نہیں ہوئے وہ ان کی نسبت یہ خیال کرکے خوش ہوتے ہیں کہ ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ ہی وہ آزردہ خاطر ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور فضل وکرم اور اس بات کی خوشخبری پاکر خوش ہورہے ہیں کہ اللہ مومنین کے ثواب کو برباد نہیں کرتا۔" (سورہ آل عمران ـ آیات ۱۶۹ تا ۱۷۱)

اور ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو اس دنیا میں اپنا مال ودولت جائز طریقے سے نہیں خرچ کرتے یوں فرماتا ہے:

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آئے تو وہ کہتا ہے:

اے پروردگار! مجھے ایک بار پھر اس مقام پر واپس کردے جسے میں چھوڑ آیا ہوں، لیکن نہیں یہ ایک بیکار بات ہے جو وہ کرتا ہے اور ان کے (مرنے کے بعد) عالم برزخ ہے جہاں انہیں اس دن تک رہنا ہوگا جب وہ دوبارہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔" (سورہ مومنون ـ آیات ۹۹ ـ ۱۰۰)

روز قیامت

آسمانی کتابوں میں فقط قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جس نے قیامت کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ جہاں توریت نے اس دن کا کوئی ذکر نہیں کیا اور انجیل نے اس کی جانب محض اشارہ کیا ہے، وہاں قرآن مجید نے سینکڑوں جگہ اس کا تذکرہ مختلف ناموں سے کیا ہے او اس دن بنی نوع انسان پر جو گذرے گی اسے کہیں مختصر اور کہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس نے بارہا بتایا ہے کہ روز جزاو قیامت پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا اللہ پر اور یہ کہ یہ اسلام کے تین بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ جو شخص قیامت کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اسکے مقدر میں دائمی بدبختی اور ہلاکت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے اعمال کا کوئی حساب کتاب نہ ہو اور انکی کوئی جزا وسزا نہ ملے تو دین

۴ـ بحارالانوار (جلد ۳ ـ باب البرزخ)

کی دعوت کا جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا مجموعہ ہے اور جس میں بعض کام کرنے کو کہا گیا ہے اور بعض سے منع کیا گیا ہے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوگا کیونکہ دین کا قبول کرنا اور اس کے مقرر کردہ قواعد وضوابط کی پیروی کرنا پابندیاں قبول کئے اور آزادی سے دستبردار ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے اور اگر دین کی متابعت کا حاصل کچھ نہ ہوتو لوگ اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے اور اپنی طبیعی آزادی سے دستبردار نہیں ہوں گے۔

اس دلیل سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ قیامت کے دن کے ذکر اور بیان کی اہمیت دینی دعوت کے اصول کی اہمیت کے برابر ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ روز جزا پر ایمان انسان کے تقویٰ اختیار کرنے اور کبیرہ گناہوں اور بری خصلتوں سے اجتناب برتنے کا اہم ترین عامل ہے جیسے کہ اس دن کو بھلادینا اور اس پر ایمان نہ رکھنا ہر برائی اور گناہ کی اصلی جڑ ہے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔

''بلاشبہ جولوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں انہیں بڑی سخت سزا ملے گی کیونکہ انہوں نے قیامت کے دن کو بھلادیا۔'' (سورہ ص۔آیت ۲۷)

جیسا کہ اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے قیامت کے دن کو بھلادینا گمراہی کا اصلی سبب گردانا گیا ہے۔ انسان اور کائنات کی تخلیق اور آسمانی مذاہب کے مقاصد پر غور کرنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حساب وکتاب کا بھی ایک دن ہوگا۔

جب ہم انسان کی پیدائش اور جہان ہستی کے بارے میں غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی کام (جو کہ لازمی طور پر ایک قسم کی حرکت بھی ہے) ایک تغیر پذیر مقصد اور ہدف کے بغیر انجام نہیں پاتا اور وہ کام بذات خود ہرگز مقصد نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ایک مقصد کی تمہید ہوتا ہے اور اس مقصد کی خاطر انجام دیا جاتا ہے حتیٰ کہ بعض کام جو بادی النظر میں بے مقصد معلوم ہوتے ہیں (مثلاً جبلی اقدامات اور بچوں کا کھیل وغیرہ) اگر ہم ان کا بغور مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ ان کاموں کی نوعیت کے مطابق ان کے مقاصد بھی ہیں۔ جہاں تک جبلی کاموں کا تعلق ہے جو کہ عموماً حرکت کی شکل میں ہوتے ہیں جس مقصد کی جانب حرکت ہو وہی اس کا مقصد ہوتا ہے اور بچوں کے کھیل میں کھیل کی نوعیت کے مطابق ایک خیالی مقصد ہوتا ہے جسے حاصل کرنے کی خاطر کھیل کھیلا جاتا ہے۔

بلاشبہ انسان اور دنیا کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بری ہے کہ کوئی فضول اور بے مقصد کام کرے مثلاً ہمیشہ پیدا کرے روزی دے اور مار دے اور پھر پیدا کرے،

روزی دے اور مار دے اور سی طرح بناتا اور تباہ کرتا رہے اور اس کا کوئی مستقل مقصد نہ ہو۔

لہٰذا ضروری ہے کہ دنیا اور انسان کے پیدا کرنے کا کوئی مستقل مقصد ہو۔ درحقیقت اس کا فائدہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا جو کہ ہر چیز سے بے نیاز ہے بلکہ مخلوق کو پہنچتا ہے۔ پس یوں کہنا چاہئے کہ دنیا اور انسان ایک مستقل حقیقت اور زیادہ کامل وجود کی طرف گامزن ہیں جو فنا نہیں ہوتا اور لازوال ہے۔

اس کے علاوہ جب ہم لوگوں کی حالت پر دینی تعلیم وتربیت کے نقطۂ نگاہ سے غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ خدا وند عالم کی رہنمائی اور دینی تربیت کے نتیجے میں وہ نیک اور بد کے دوگروہوں میں تقسیم ہوجاتے یں، تاہم اس زندگی میں ان کے مابین کوئی تمیز نہیں کی جاتی بلکہ کامیابی عموماً بدکاروں اور ظالموں کے حصے میں آتی ہے اور نیکوکار مصائب، محرومی اور ظلم کا شکار رہتے ہیں۔ اس صورت میں عدل خدا وندی کا تقاضہ ہے کہ ایک اور دنیا بھی ہو جس میں مذکورہ بالا گروہوں میں سے ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا ملے اور لوگ ایسی زندگی گزاریں جس کے وہ مستحق ہوں۔

پس تخلیق اور قوانین خداوندی کے مقصد کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہر شخص کے لئے قیامت کا دن آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس حقیقت کی یوں وضاحت کی ہے۔

"ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں بیکار نہیں بنایا۔ ہم نے انہیں بجز سچائی کے نہیں بنایا مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔" (سورہ دخان۔ آیت ۳۸۔۳۹)

ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

"ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو جو چیزیں ان کے درمیان ہیں انہیں بیکار نہیں پیدا کیا۔ یہ ان لوگوں کا احمقانہ خیال ہے جو کافر ہو گئے ہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو آگ (دوزخ) کے منکر ہیں کیا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے، ہم انہیں ان لوگوں کے برابر کردیں جو روئے زمین پر فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو فاجروں کی مانند قرار دیں۔"" (سورہ ص۔ آیات ۲۸۔۲۸)

پھر فرماتا ہے۔: "جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو ایمان لائے اور اچھے کام بھی کرتے رہے اور ان سب کا جینا مرنا یکساں ہوگا؟ یہ لوگ کیا برے حکم لگاتے ہیں؟ اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت سے پیدا کیا تاکہ ہر شخص کو

اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے اوان پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (سورہ جاثیہ۔آیات ۲۱۔ ۲۲)

مزید وضاحت

اس سے قبل ہم نے قرآن مجید کے ظاہر اور باطن کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے اس امر کی جانب اشارہ کیا تھا کہ قرآن مجید نے اسلامی علوم مختلف طریقوں سے بیان کیے ہیں اور یہ طریقے بالعموم ظاہری اور باطنی نظریوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔

ظاہری طریقے سے جو کچھ بیان کیا جائے وہ، وہ ہے جو عام لوگوں کے سادہ خیالات کی سطح کے مطابق ہو اور اسکے برعکس جو کچھ باطنی طریقے سے بیان کیا جائے وہ خاص لوگوں کے لئے ہے اور اسکا ادراک فقط اس بصیرت سے حاصل ہوتا ہے جو روحانی زندگی گزارنے سے میسر آتی ہے۔

ظاہری نقطہ نگاہ سے جو نظریہ جنم لیتا ہے اس کے مطابق اللہ جہان ہستی کا مطلق فرمانروا ہے اور تمام کائنات اس کی ملکیت ہے۔ اس نے بیشمار فرشتے پیدا کیے ہیں تاکہ وہ کائنات کے ہر حصے کے بارے میں اس کی جانب سے دیے گیے احکام پر عمل درآمد کریں۔ تخلیق کا ہر حصہ اور اس کا نظام فرشتوں کے ایک خاص گروہ سے متعلق ہے اور وہی اس خطے کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

بنی نوع انسان اس کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں جن کے لیے لازم ہے کہ اس کے اوامر و نواہی کی پیروی کریں اور اس کے احکام مانیں اور پیغمبر اس کا پیغام یعنی وہ شریعتیں اور قوانین لانے والے ہیں جو اللہ اپنے بندوں کے لئے بھیجتا ہے اور ان پر عمل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اطاعت کے بدلے ثواب اور نیک جزا اور کفر اور گناہ کے بدلے میں سزا اور عقوبت کا وعدہ کیا ہے اور جیسا کہ اس نے فرمایا ہے وہ وعدہ خلافی نہیں کرے گا اور اس کے عدل کا تقاضہ ہے کہ نیک اور بدلوگ جو اس دنیا میں اپنی اچھائی اور برائی کے مطابق ثمرات زندگی کے ضمن میں باہم یکساں ہیں۔ ہستی کی ایک اور صورت میں ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ نیکوں کو اچھی اور خوشگوار اور بروں کو بری اور ناگوار زندگی عطا فرمائے۔

پس اللہ تعالیٰ اپنے عدل اور وعدوں کے مطابق، ان سب کو جو اس دنیا میں ہیں ان کی موت کے بعد زندہ کرے گا اور ان کے ایمان اور اعمال کا مفصل جائزہ لے گا اور ان کا صحیح صحیح فیصلہ کرے گا۔ وہ ہر حقدار کو اس کا حق دے گا اور جس کسی پر ظلم ہوا ہوگا ظالم سے اس کا بدلہ لے گا۔ وہ ہر شخص کو

اس کے اعمال کی جزا اور سزا دیگا۔ چنانچہ کچھ لوگوں کو ہمیشہ کے لئے جنت ملے گی اور کچھ ایسے ہوں گے جنہیں ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

یہ قرآن مجید کا ظاہری بیان ہے اور بلاشبہ سچا اور درست ہے تاہم اس کی زبان انسان کی سماجی زندگی سے جنم لینے والے خیالات سے مرتب کی گئی ہے تاکہ اس کا فائدہ زیادہ عام ہو اور اسکا دائرہ عمل زیادہ وسیع ہو۔

جن لوگوں کو حقائق کا ادراک حاصل ہے اور وہ قرآن مجید کی باطنی زبان سے کسی حد تک واقف ہیں وہ ان بیانات سے وہ چیزیں سمجھتے ہیں جو سادہ اور عام سوجھ بوجھ کی سطح سے بالاتر ہیں۔قرآن مجید بھی اپنے سادہ اور غیر پیچیدہ بیانات کے درمیان کبھی کبھی ان کے باطنی مقصد کی جانب اشارہ کرتا ہے وہ متعدد اشاروں سے مختصراً یہ بتاتا ہے کہ جہان ہستی اپنے تمام اجزا کے ساتھ کہ انسان بھی ان میں سے ایک ہے اپنے تکوینی سفر کی بدولت (جو ہمیشہ کمال کی جانب ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف حرکت کررہا ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب اس کی یہ حرکت اختتام پر پہنچ جائے گی او اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے سامنے اپنی علیحدہ ہستی مکمل طور پر کھودے گا۔

انسان جو کہ اس دنیا کا ایک حصہ ہے اور جس کا مخصوص ارتقا علم اور شعور کے ذریعے ہے بڑی تیزی سے اپنے پروردگار کی جانب حرکت کررہا ہے اور جس دن اس کی حرکت ختم ہوجائے گی اس دن وہ بے مثل خدا کی حقانیت اور وحدت کا واضح طور پر مشاہدہ کرے گا۔ وہ دیکھے گا قدرت، تسلط اور کمال کی ہر صفت کی مالک فقط اللہ کی مقدس ذات ہے اور اسی طرح ہر چیز کی اصلیت بھی اس پر واضح ہوجائے گی۔

یہ جہاں ابدیت کی پہلی منزل ہے۔ اگر انسان اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اور ان لوگوں سے جو اس کے نزدیک ہیں ارتباط، اتصال، الفت اور انس پیدا کرلے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور عالم بالا کے پاک لوگوں کی صحبت میں ایسی خوش بختانہ زندگی گزارے گا جس کی تعریف وتوصیف ناممکن ہے لیکن اگر اس دنیا کی زندگی سے محبت اور وابستگی اور اس عارضی اور بے پایاں لذتوں کی خاطر عالم بالا سے رشتہ توڑنے اور اللہ اور اس کی بارگاہ کے پاکیزہ بندں سے اسے کوئی انس اور محبت نہ ہوتو وہ دردناک عذاب اور دائمی بدبختی میں مبتلا ہوجائے گا۔ یہ درست ہے کہ انسان اس دنیا میں جو اچھے یا بُرے کام کرتا ہے وہ عارضی ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں لیکن ان

اچھے یا بُرے اعمال کی تصویریں اس کے اندر نقش ہوجاتی ہیں اور ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتی ہیں اور یہی اس کی آئندہ کی خوشگوار یا تلخ زندگی کا سرمایہ ہیں۔

جو کچھ اُوپر بیان کیا گیا ہے اور اس کی تصدیق ان قرآنی آیات سے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بلاشبہ سب کو تمہارے پروردگار کی طرف پلٹنا ہے۔'' (سورہ علق ۔آیت ۸)

پھر فرماتا ہے:''جان لو کہ تمہارے امور اللہ تعالیٰ تک پہنچتے ہیں۔'' (سورہ شوریٰ ۔آیت ۵۳)

مزید فرماتا ہے۔: '' آج کے دن مطلق امر اللہ کا ہے۔'' (سورہ انفطار ۔آیت ۱۹)

ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔:

''اے (یادخدا) سے اطمینان اور آرام پانے والی روح اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ۔ پس تو میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری بہشت میں داخل ہوجا۔'' (سورہ فجر آیات ۲۷ تا۔۳۰)

اور قیامت کے دن بنی نوع انسان کے کچھ افراد سے جو خطاب کیا جائے گا اس سلسلے میں فرماتا ہے: بُرے کام کرنے والے سے کہا جائے گا:

'' تو اس دن سے غافل تھا۔ اب ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹادیا ہے تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔'' (سورہ ق۔آیت ۲۲)

قرآن مجید کی تاویل کے بارے میں (یعنی ان حقائق کے بارے میں جو قرآن کا سرچشمہ ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

'' کیا یہ لوگ صرف انجام (تاویل) کے منتظر ہیں حالانکہ جس دن انجام کا وقت آئے گا، جو لوگ اسے بھولے بیٹھے تھے وہ کہیں گے کہ بیشک ہمارے پروردگار کے سب رسول حق لے کر آئے تھے ۔کیا ہمارے لئے کوئی سفارش کرنے والے ہیں جو ہماری سفارش کریں یا کیا ہم پھر (دنیا میں) لوٹائے جاسکتے ہیں تاکہ جو کام کرتے تھے انہیں چھوڑ کر دوسرے کام کریں ؟ بیشک ان لوگوں نے اپنے نفسوں کو بیحد نقصان پہنچایا اور جو افترا پرداز یاں کرتے تھے وہ سب غائب ہوگئیں۔ (سورہ اعراف ۔آیت ۵۳)

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ:

'' اللہ اس دن انہیں پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان جائیں گے کہ اللہ برحق اور حق ظاہر کرنے

والا ہے'' (سورہ نور۔ آیت ۲۵)

'' اے انسان تو اپنے پروردگار کی حضوری کی کوشش کرتا ہے تو ایک نہ ایک دن اس سے ملاقات کرے گا۔'' (سورہ انشقاق۔ آیت ۶)

''جوشخص اللہ سے ملاقات کا خواہشمند ہو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ وقت جو اللہ نے ملاقات کے لئے مقرر کیا ہے، آنے والا ہے۔'' (سورہ عنکبوت۔ آیت ۵)

'' جوشخص اپنے پروردگار سے ملاقات کا آرزو مند ہو اسے چاہئے کہ اچھے کام کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔'' (سورہ کہف۔ آیت ۱۱۱)

'' اے اطمینان پانے والی روح اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل، اس حال میں کہ تو اس سے راضی پس وہ تجھ سے راضی پس تو میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری بہشت میں داخل ہوجا۔''(سورہ فجر۔ آیت ۲۷ تا ۳۰)

''جب بڑی سخت مصیبت (قیامت) آموجود ہوگی اور جس دن انسان اپنے کاموں کو خود یاد کرے گا اور جہنم دیکھنے والوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی تو جس نے (دنیا میں) سر اٹھایا تھا اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی تھی اس کا ٹھکانا یقیناً دوزخ ہے مگر جو شخص اپنے پرودگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا اور اپنے جی کو ناجائز خواہشوں سے روکتا رہا اس کا ٹھکانا یقیناً بہشت ہے۔''(سورہ نازعات۔ آیات ۳۴ تا ۴۱)

جزا کی اعمال سے مطابقت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

'' (پھر کہا جائے گا) اے کافرو! آج بہانہ نہ ڈھونڈو۔ تم جو کچھ کرتے تھے تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا۔'' (سورہ تحریم۔ آیت ۷)

کائنات کا تسلسل

یہ جہان ہستی جو ہمیں نظر آتا ہے اس کی عمر لامحدود نہیں ہے اور ایک دن ایسا آئے گا جب اس جہان اور اس میں رہنے والوں کی بساط الٹ دی جائے گی جیسا کہ قرآن مجید نے تصدیق کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

'' ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے انہیں'' حق'' اور ایک معینہ مدت کے

لئے پیدا کیا ہے۔" (سورہ احقاف۔ آیت ۳)

سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا اس دنیا اور نسل انسانی سے پہلے کوئی اور دنیا اور کوئی اور نسل انسانی بھی موجود رہی ہے اور کیا اس دنیا اور اس میں رہنے والوں کے خاتمے پر (جس کی قرآن مجید بھی تائید کرتا ہے۔) کوئی اور دنیا اور نسل انسانی بھی پیدا کی جائے گی؟ قرآن مجید بجز اشاروں کے ان سوالوں کا کوئی صریح جواب نہیں دیتا۔ تاہم ائمہ اہلبیتؑ سے منقول روایات کے مطابق ان سوالوں کا جواب اثبات میں ہے۔ [۵]

۵۔ چھٹے امامؑ نے فرمایا: "شاید تم خیال کرتے ہو کہ اللہ نے تم سے پہلے کوئی نسل انسانی پیدا نہیں کی۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ واللہ۔ اس نے تم سے پہلے ہزاروں انسانی نسلیں پیدا کی ہیں اور تم انہیں سے آخری ہو۔"

پانچویں امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کرنے کے بعد وہ انواع پیدا کیں جن میں سے کوئی بھی آدمؑ کی نسل سے نہ تھی۔ اس نے انہیں خاک سے پیدا کیا اور ہر موجود کو یکے بعد دیگرے زمین پر متمکن کردیا۔ پھر اس نے آدمؑ کو پیدا کیا جو بنی نوع انسان کے جد امجد تھے اور ان کے ذریعے سے ان کی اولاد کو پیدا کیا۔

چھٹے امام نے فرمایا ہے:

"یہ خیال نہ کرو کہ دنیا کے خاتمے اور قیامت کے بعد صالح لوگوں کو بہشت میں اور بدکاروں کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اللہ کی پرستش کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اللہ نر اور مادہ کے ازدواج کے بغیر دوبارہ اپنے ایسے بندے پیدا کریگا جو اس کی توحید کو پہچانیں گے اور اس کی پرستش کریں گے۔" (بحار الانوار۔ مطبوعہ کمپانی۔ جلد ۱۴ صفحہ ۷۹)

ایمان ومعرفت کا تعلق

علامہ محمد رضا حکیمی

قرآن کی نظر میں

ا۔ ہم عنقریب ہی اپنی (قدرت کی) نشانیاں اطراف (عالم) میں اور خود ان میں بھی دکھادیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے گا کہ وہی یقیناً حق ہے...(سورہ فصلت آیت ۵۳)

۲۔ اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تم میں بھی ہیں تو کیا دیکھتے نہیں۔ (سورہ ذاریات آیت ۲۱۔۳۰)

حدیث کی نظر میں

ا۔ حضرت رسول کریمؐ کا ارشاد ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے خدا کو پہچان لیا۔ (بحار ۲/ ۳۲ از کتاب مصباح الشریعہ)

۲۔ حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور دریافت کیا یا رسول اللہؐ حق کی معرفت کا کون سا راستہ ہے؟ آپ نے فرمایا اپنی معرفت۔ (بحار ۷۰/ ۷۲ از کتاب ''عوامی العنانی'')

۳۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا نفس کی معرفت مفید ترین معرفت ہے۔ (غررالحکم ۳۱۹)

۴۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اپنے نفس کی معرفت سے بڑھ کر کوئی معرفت نہیں (تحف العقول ۲۸)

۵۔ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے جس شخص نے اپنی معرفت میں دسترس حاصل کی وہ اعلیٰ مقام پر فائز اور کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ (غررالحکم ۳۲۲)

۶۔ حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے معرفت کا اسرار آمیز ہدف یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے۔(غررالحکم ۲۲۲)

۷۔ حضرت علیؑ کا قول ہے کہ جو شخص اپنی معرفت رکھتا ہے وہ ہر علم ومعرفت کے انتہائی نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ (غررالحکم ۲۹۳)

۸۔ حضرت علیؑ نے فرمایا عالم وہ ہے جو اپنی قدرومنزلت کو پہچانتا ہو اور کسی بھی شخص کی نادانی وجہالت کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنی قدر نہیں جانتا۔ (نہج البلاغہ ۳۰۴ عبدہ ا/ ۲۱۴)

۹۔ حضرت علیؑ نے فرمایا جو شخص اپنی حد (اور منزلت) نہیں پہچانتا وہ تباہ ہوجاتا ہے۔ (نہج البلاغہ ۱۱۵۹/عبدہ ا/ ۸۱)

۱۰۔ حضرت علیؑ کا قول ہے منفعت بخش معرفت وہ ہے جس سے انسان اپنے عیوب کو پہچان سکے۔(غررالحکم ۳۱۹)

۱۱۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کسی بھی شخص کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ اپنے عیوب سے آگاہ نہ ہو۔ ارشاد ۱۴۲۰

۱۲۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا انسان کے بدترین عیوب میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے عیوب اس سے پوشیدہ رکھے جائیں۔ (غررالحکم ۳۰۲)

۱۳۔ حضرت علیؑ نے فرمایا، جو شخص اپنی قدرو قیمت کو باقی رکھتا ہے یہ قدرو قیمت پھر اسے باقی رکھتی ہے۔ (نہج البلاغہ ۹۳۶ عبدہ ۲/ ۵۷)

۱۴۔ حضرت علیؑ نے فرمایا، جو شخص اپنی عظمت سے واقف نہیں وہ کسی کی عظمت کو نہیں جانتا۔ (غررالحکم ۲۹۰)

۱۵۔ حضرت علیؑ نے وہ حکومتی دستور العمل جو آپ نے مالک اشتر کے لئے تحریر فرمایا تھا...اپنے منشیان دفاتر کی اہمیت پر نظر رکھنا۔ اپنے معاملات ان کے سپرد کرنا جو ان میں بہتر ہوں اور اپنے ان فرامین کو جن میں مخفی تدابیر اور (مملکت کے) رموز واسرار درج ہوتے ہیں خصوصیت کے ساتھ ان کے حوالے کرنا جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق کے مالک ہوں۔... اور وہ تمہارے حق میں جو معاہدہ کریں اس میں کوئی خامی نہ رہنے دیں اور نہ تمہارے خلاف کسی سازباز کا توڑ کرنے میں کمزوری دکھائیں اور وہ معاملات میں اپنے صحیح مرتبہ اور مقام سے ناآشنا نہ ہوں کیونکہ جو اپنا صحیح مقام نہیں پہچانتا وہ دوسروں کے قدرومقام سے اور بھی زیادہ ناواقف ہوگا۔ (نہج البلاغہ، ۱۰۱۵ عبدہ ۲/ ۱۰۱)

۱۶۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی قدرو قیمت کو پہچاننے کے سلسلہ میں فرمایا خود کو ایک پستی سے دور رکھو چاہے وہ تمہیں اپنی طرف کھینچتی ہو۔ اس لئے کہ تم جس چیز کے مقابل میں خود کو

(اپنی قدرو قیمت کو) دے رہے ہو وہ عوض کے طور پر کچھ نہیں دیگی۔ (نہج البلاغہ ۹۲۹)
۱۷۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا خود پرستی اور غرور کی راہوں کو اپنی معرفت کے ذریعہ بند کرو۔ (تحف العقول ۷۔۲)

دنیا کی معرفت:
قرآن کی نظر میں

۱۔ خدا وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو جنہیں تم دیکھتے ہو بغیر ستون کے اٹھا کر کھڑا کر دیا پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا اور سورج اور چاند کو (اپنا) تابعدار بنایا کہ ہر ایک وقت مقررہ تک چلا کرتا ہے وہی (دنیا کے) ہر ایک کام کا انتظام کرتا ہے اور اسی غرض سے کہ تم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونے کا یقین کرو (اپنی) آیتیں تفصیل وار بیان کرتا ہے اور وہ وہی ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں (بڑے بڑے) اٹل پہاڑ اور دریا بنائے اور اس میں ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں پیدا کیں (جیسے کھٹے میٹھے) وہی رات (کے پردہ) سے دن کو ڈھک دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ غوروفکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں (قدرت خدا کی) بہترین نشانیاں ہیں اور خود زمین میں (دیکھو) بہت سے ٹکڑے باہم ملے ہوتے ہیں اور انگور کے باغ اور کھیتی اور خرموں کے درخت کی ایک جڑ اور دو شاخیں اور بعض اکیلا (ایک ہی شاخ کا) حالانکہ سب ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور پھلوں میں بعض کو بعض پر ہم ترجیح دیتے ہیں بیشک جو لوگ عقل والے ہیں ان کے لئے اس میں (قدرت خدا کی) بہترین نشانیاں ہیں۔ (سورہ رعد آیت ۴۔۲)
۲۔ اور زمین کو (بھی اپنے مخلوق کے رہنے سہنے کو) ہم ہی نے پھیلایا اور اس میں (میخ کی طرح) پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے اور ہم نے اس میں ہر قسم کی مناسب چیز اگائی اور ہم نے ہی نے انھیں تمہارے واسطے زندگی کے ساز وسامان بنا دیئے اور ان جانوروں کے لئے بھی جنہیں تم روزی نہیں دیتے اور ہمارے یہاں تو ہر چیز کے بے شمار خزانے (بھرے) پڑے ہیں اور ہم (اس میں سے) ایک نپی تلی مقدار بھیجتے رہتے ہیں اور ہم ہی نے وہ ہوائیں بھیجی جو بادلوں کو پانی سے بھرے ہوئے ہیں۔ پھر ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے تم لوگوں کو وہ پانی پلایا اور تم لوگوں نے تو کچھ اس کو جمع کر کے نہیں رکھا تھا۔ (سورہ حجر آیت ۲۲۔۱۹)

حدیث کی نظر میں

۱۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا خداوند عالم نے لوگوں کے درمیان انبیاء اور مرسلین کو مبعوث کیا تاکہ وہ ان سے فطرت کے عین مطابق خدا کیلئے عہدو پیان کریں اور وہ جن نعمتوں کو فراموش کر چکے ہیں انہیں یاد دلائیں... نیز اس کی آیات ونشانی کو ان کے سامنے پیش کریں جسے ان کے سر پر جو چھت بنائی گئی ہے یا زیر قدم جو زمین بچھائی گئی ہے۔...(نہج البلاغہ ۳۳)

۲۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا اگرلوگ اس کی عظیم قدرت اور وسیع نعمت کی طرف سوچیں تو وہ اپنے راستہ پر لوٹ آئیں اور جلادینے والی آگ سے ڈرنے لگیں لیکن ان کے دل تو بیمار ہیں۔ ان کی بصارتیں ماند پڑگئیں ہیں، وہ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کو کیوں نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح خلق کیا گیا ہے تاکہ وہ یہ سوچ سکیں کہ خود ان کی تخلیق کیسے ہوئی اور انہیں کس طرح بنایا گیا اور ان کے لئے آنکھیں، کان، ہڈیاں اور جلد بنائی گئیں۔ ذرا چیونٹی کی طرف تو دیکھو جو اپنی جسامت اور ظرافت کے لحاظ سے حلقہ چشم اور کاسۂ فکر میں سا بھی نہیں سکتی۔ (نہج البلاغہ۔۲۳۶)

معرفت خدا: قرآن کی نظر میں

۱۔ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے ایک قسم کی اطلاع ہے تاکہ لوگ اسکے ذریعہ سے (عذاب خدا سے) ڈرائے جائیں۔ اور تاکہ یہ بھی یقین جان لیں کہ بس وہی (خدا) ایک معبود ہے اور جو لوگ عقل والے ہیں نصیحت وعبرت حاصل کریں۔ (سورہ ابراہیم آیت ۲۵)

۲۔تو پھر سمجھ لو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں...(سورہ محمد آیت ۱۹)

۳۔ بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے پانی سے دلچسپ وخوشنما باغ اگائے تمہارے تو بس کی یہ بات نہ تھی کہ تم ان درختوں کو اگا سکتے تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ خود (اپنے جی سے گڑھ کے بتوں کو) اس کے برابر بناتے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو (لوگوں کے) ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اس کے درمیان جابجا نہریں دوڑائیں اور ا کی مضبوطی کے واسطے پہاڑ بنائے اور (میٹھے کھاری) دو دریاؤں کے درمیان حد فاصل بنایا تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں) ان میں کے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں۔ بھلا وہ کون ہے جو خلقت کو نئے سرے سے پیدا

کرتا ہے پھر اسے دوبارہ (مرنے کے بعد) پیدا کرے گا وہ کون ہے جو تم لوگوں کو آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے۔ ہر گز نہیں۔ (اے رسول) تم (ان مشرکین سے) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ (سورہ نمل آیت۔ ۶۱۔۶۰ اور ۶۴)

حدیث کی نظر میں

۱۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا دین کا پہلا مرحلہ خدا کی معرفت ہے اور صحیح معرفت یہ ہے کہ انسان اس بات کو قبول کرے اور اس کی تصدیق کرے کہ خدا ہے اور وجود خدا کی صحیح تصدیق یہ ہے کہ اس کو ایک وتنہا مانے...نہج البلاغہ ۲۳

آ: حجت خدا کی معرفت: پیغمبر اکرمؐ۔ قرآن کی نظر میں

۱۔ ہم نے یقیناً اپنے پیغمبروں کو واضح وروشن معجزے دیکر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور (انصاف کی) ترازو نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں...(سورہ حدید آیت ۲۵)

۲۔ (اے رسول) ہم نے تمہارے پاس (بھی) تو اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد والے پیغمبروں پر بھیجی تھی اور جس طرح ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب وعیسیٰ وایوب ویونس وہارون وسلیمان کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی اور تم کو بھی ویسا ہی رسول مقرر کیا جس طرح اور بہت سے رسول (بھیجے) جن کا حال ہم نے تم سے پہلے بیان کر دیا اور بہت سے ایسے رسول (بھیجے) جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا اور خدا نے تو موسیٰ سے (بہت سے باتیں بھی کیں اور ہم نے نیکوں کو بہشت کی خوشخبری دینے والے اور بدوں کو عذاب سے ڈرانے والے پیغمبر (بھیجے) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے اور خدا تو بڑا زبردست حکیم ہے۔ (سورہ نساء آیت ۱۶۵۔۱۶۳)

۳۔ کہ جب ان کے قوم (عاد وثمود) کے پاس ان کے آگے سے اور پیچھے سے پیغمبر (یہ خبر لے کر) آئے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔...(سورہ نصف آیت ۱۴)

۴۔ اور (اے رسول) پیغمبران ماسلف کے حالات میں سے ہم ان تمام قصوں کو تم سے بیان کئے دیتے ہیں جن سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کر دیں گے۔....(سورہ ھود آیت ۱۲۰)

حدیث کی نظر میں

ا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا خداوند عالم سبحانہ نے اولاد آدم کے درمیان پیغمبروں کو منتخب کیا اور ان سے اس بات کا عہدو پیمان لیا کہ وہ دین کی تبلیغ کریں گے اور رسالت ومنصب الٰہی کے قیام کا عمل انجام دیں گے۔... اس نے اپنے پیغمبروں کو اس طرح لوگوں کے درمیان بھیجا اور انہیں ایک کے بعد ایک کرکے لوگوں میں مبعوث کرتا رہا تاکہ وہ لوگوں کو فطرت پر چلنے کا عہد یاددلاتے رہیں اور خدا کی فراموش کردہ نعمتوں کو بھی یاد کرائیں اور اپنے پیغام کے پہنچانے کے ساتھ ساتھ حجت کو ان کے اوپر تمام کریں اور جو کچھ کہ انسان کے عقل وضمیر میں پوشیدہ ہے۔ (فطری اور وجدانی معرفت (دریافت) اسے ظاہر وآشکار کریں اور دنیا کی مناسب وموزوں نشانیوں سے لوگوں کو باخبر کریں...

(نہج البلاغہ ۳۳)

ب: اولوالعزم پیغمبر:

قرآن کی نظر میں

ا۔ وہی تو (وہ خدا) ہے کہ جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ (مبعوث کرکے) بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اگر چہ مشرکین برامانا کریں۔ (سورہ توبہ ۳۳)

۲۔ اے ایماندارو! جب تم کو ہمارا رسول (محمدؐ) ایسے کام کے لئے بلائے جو تمہاری روحانی زندگی کا باعث ہو تو تم خدا اور رسول کا حکم دل سے قبول کرلو...(سورہ انفال آیت ۲۴)

۳۔ لوگو تم ہی میں سے (ہمارا) ایک رسول تمہارے پاس آچکا ہے (جس کی شفقت کی یہ حالت ہے کہ) اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ اور اسے تمہاری بہبودی کا ہوکا ہے ایمانداروں پر حد درجہ شفیق مہربان ہے۔ (سورہ توبہ ۱۲۸)

۴۔ محمد تمہارے مردوں میں سے (حقیقۃ) کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کی مہر (یعنی ختم کرنے والے) ہیں اور خدا تو ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ (سورہ احزاب ۴۰)

۵۔ تمہارے واسطے رسول اللہ کا ایک اچھا نمونہ تھا (مگر ہاں یہ) اس شخص کے واسطے ہے جو خدا اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور خدا کی یاد بہ کثرت کرتا ہو۔ (سورہ احزاب ۲۱)

حدیث کی نظر میں

۱۔ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اے اولاد عبد المطلب قسم ہے خداوند کریم کی میں نے پوری دنیای عرب میں کوئی ایسا جوان نہیں دیکھا جو مجھ سے بہتر کوئی چیز تمہارے لئے لایا ہو۔ میں تمہارے لئے خیر دنیا وآخرت لیکر آیا ہوں۔ خدا وند عالم نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اسکی طرف بلاؤں (الغدیر ۲؍۲۷۹)

۲۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور فرستادہ نبی ہیں۔ خدا وند عالم نے انہیں شعور دین، پائیدار سنت، زندہ جاوید کتاب، درخشندہ نور، جگمگاتی روشنی، حق وباطل تفریق پیدا کرنے والے قوانین کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان سے شک وشبہات کوختم کرسکیں اور محکم نشانیوں کی طرف سے لوگوں کو پرامید کرکے حجت خدا ان پر تمام کریں۔ سابقین پر ہونے والے عذاب کا تذکرہ کرکے انہیں خوفزدہ کریں۔ اور وہ وقت جبکہ وہ مبعوث کئے گئے لوگ فتنوں میں گرفتار تھے ان کا دین سے رشتہ منقطع ہوچکا تھا۔ اعتماد ویقین کے قدم متزلزل ہوچکے تھے عقیدے پائمال اور تمام کام پریشانیوں کی نذر ہوگئے تھے۔ دشواریوں سے باہر نکلنے کی راہ تاریک ہوچکی تھی، حق وباطل ایک دوسرے سے ہم آمیز ہوگئے تھے راہیں دشوار اور کور دلی سب پر غالب ہوچکی تھی (نہج البلاغہ ۴۳۔۴۲)

۳۔ حضرت علیؑ نے فرمایا... پھر اس وقت خدا وند عالم نے حضرت محمد مصطفیؐ کوحق کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ بندگان کو بتوں کی پرستش کے بجائے اس کی عبادت کی طرف اور شیطان کی فرمانبرداری کے بجائے اللہ کی فرمانبرداری کی طرف واپس لائیں۔ اور اس قرآن کی طرف جس کا بیان روشن اور راہیں محکم ہیں۔ تاکہ لوگ اپنے معبود کو جو بھول چکے ہیں پھر سے پہچان لیں۔' (نہج البلاغہ ۴۴۶)

ج۔ قرآن کریم: قرآن کی نظر میں

۱۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قرآن اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور جو ایماندار اچھے کام کرتے ہیں ان کو یہ خوش خبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر اور ثواب ہے۔ (سورہ اسراء آیت ۹)

حدیث کی نظر میں

۱۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا جو شخص بھی قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے کسی کو اس سے بڑھ کر کوئی چیز دی جو اس کو دی گئی ہے تو حقیقی طور پر خدا نے جس چیز کو بزرگ قرار دیا ہے اسے اس نے چھوٹا شمار کیا اور جس چیز کو خدا نے چھوٹا شمار کیا ہے اسے اس نے بڑا سمجھا۔ (وسائل الشیعہ ۴؍۸۲۷)

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا خداوند عالم نے اپنے کلام میں اپنی مخلوقات کے لئے روشنی پیدا کی ہے یہ الگ سی بات ہے کہ اسے وہ لوگ دیکھ نہیں پاتے۔ (بحار ۹۲؍۱۰۷) از کتاب ''اسرار الصلوٰۃ'' شہید ثانی۔

و آئمہ معصومین
قرآن کی نظر میں

۱۔ اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہونچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہونچایا اور (تم ڈرو نہیں) خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

خدا نے ہرگز کافروں کی قوم کو منزل مقصود تک نہیں پہونچایا۔ (سورہ مائدہ ۶۷)

۲۔ (اے ایماندارو) تمہارے مالک سرپرست تو بس یہی ہیں خدا اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ (سورہ مائدہ ۵۵)

۳۔ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے (اس) دین اسلام کو پسند کیا...(سورہ مائدہ آیت ۳)

حدیث کی نظر میں

۱۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے اپنے آباد واجداد کے حوالے سے فرمایا کہ رسول خدا کا ارشاد ہے تمہارے آئمہ خدا کی طرف سے تمہارے رہبر مقرر کئے گئے ہیں ۔لہٰذا سوچ سمجھ کر دین میں اور

نماز میں کسی کی اقتداء کررہے ہو، بحار ۸۸/۹۹ از کتاب کمال الدین''
۲۔ حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباء کرام سے انھوں نے حضرت رسول خدا سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا تمہارے آئمہ خدا وند عالم کے یہاں تمہارے نمائندے لہٰذا غور کرو تم اپنے دین اور اپنی نمازوں کے لئے کسے خدا کی طرف بھیج رہے ہو۔ (بحار ۸۸/ ۸۶، قریب الاسناد'' ۵۲)
۳۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اے ابوحمزہ! جب تم میں سے کوئی شخص چند میل کے لئے عازم سفر ہوتا ہے تو وہ کسی رہبر کی تلاش میں رہتا ہے اور تم تو آسمان کی راہوں کے بہ نسبت زمین کے راستوں سے بہت ناواقف ہو لہذا اپنے لئے راستے کی حجتوں کو تلاش کرو۔ (اصول کافی ۱/ ۱۸۴)

۴۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے اس آیت'' اَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَاَحْيَيْنٰاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمٰاتِ... '' (سورہ انعام ۱۲۲) کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں (بے تکلف) چلتا پھرتا ہے اس شخص کا سامنا ہوسکتا ہے جس کی یہ حالت ہے کہ (ہر طرف سے) اندھیروں میں (پھنسا ہوا) ہے؟ آپ نے فرمایا'' مردہ'' یعنی وہ شخص جو کچھ نہیں جانتا 'نور یعنی وہ آئمہ جو اس کی رہبری کررہے ہیں تاریکی یعنی ایسا شخص جو امام کی معرفت نہ رکھتا ہو۔ (اصول کافی ۱/ ۱۸۵)
۵۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام: راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ خدا وند عالم کے اس قول'' وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ '' (سورہ لقمان آیت ۱۲) ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی ہے کیا مراد ہے؟ آپ نے'' فرمایا اسے امام زمانہ کی معرفت عطا کی گئی تھی''۔ (تفسیر علی بن ابراہیم ۱۶۱)

۶۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اپنے امام کی معرفت کے بغیر انتقال فرماتا ہے اس کی موت جاہلیت کی موت ہے اور اگر لوگ اپنے امام زمانہ کی معرفت نہیں رکھتے تو ان کا کوئی عذر قابل قبول نہیں اور جو معرفت امام کے ساتھ اس دنیا سے اٹھتا ہے تو اس امر یعنی قیام قائم آل محمد اور ان کے ظہور میں جلدی ہو یا تاخیر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ (اس لئے کہ اس نے حق کو پہچانا اور اس کی پیروی کی) اور جو شخص بھی اپنے امام کی معرفت کے ساتھ اس دنیا سے جاتا ہے وہ اس شخص جیسا ہے جو امام قائم کے ساتھ ان کے خیمے میں ہوگا اور ان پر اپنی جان

نثار کریگا۔ (بحار ۲۳ر ۷۷ از کتاب ''المحاسن'')
۷۔ دو امام میں سے (یعنی حضرت محمد باقرؑ یا حضرت امام صادقؑ) کسی ایک نے فرمایا ''بندہ جب تک کہ خدا اس کے رسول، تمام آئمہ کرام اور اپنے امام زمانہ کو نہ پہچان لے اور ان کا معتقد ہوتے ہوئے انہیں قبول نہ کرے اس وقت تک مومن نہیں کہا جاسکتا''۔ پھر آپ نے فرمایا'' یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ امام (پہلے امام اور سلسلہ امامت سے) ناواقف ہو اور پھر بھی وہ بعد والوں کو (اپنے امام زمانہ کو) پہچانے۔'' (اصول کافی۔ ۱ر ۱۸۰)

ہجرت کے پانچویں سال کے واقعات
اسلام کے دشمنوں پر مکمل کنٹرول[1]

آیت اللہ جعفر سبحانی

ابھی پیغمبر اکرمؐ کی ہجرت کا پانچواں سال ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ جنگ احذاب کا شوروغل اور ''قبیلۂ بنی قریظہ'' کی بغاوت کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔ شہر مدینہ اور اس کے اردگرد کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور جوانی کی منزلیں طے کرتی ہوئی اسلامی حکومت کی بنیادیں اور مضبوط و مستحکم ہوگئیں اور اسلامی مملکت کے دائرہ اختیار میں موجود علاقوں میں نسبتاً صلح وسلامتی کا ماحول پیدا ہوگیا۔ لیکن یہ امن وسلامتی وقتی نوعیت کی تھی۔ مسلمانوں کے رہبر عالی قدر کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ دشمنوں کے حالات پر کڑی نگاہ رکھیں اور اسلام کے خلاف ابھرنے والی ہر سازش کا پوری طاقت سے گلا گھونٹ دیں۔

صلح وسلامتی کے ماحول نے انھیں یہ موقع فراہم کردیا کہ جنگ احزاب کی آگ بھڑکانے والے بعض ایسے افراد کے خلاف تادیبی کارروائی کرسکیں جو احزاب کی روانگی کے دوران مسلمانوں کے دائرہ اختیار ودسترس سے باہر چلے گئے تھے۔ جنگ احزاب کی آگ بھڑکانے والوں میں سے ایک 'حیی بن اخطاب'' تھا جو جنگ بنی قریظہ میں قتل کرڈالا گیا تھا۔ لیکن اس کا دوست اور ساتھی ''سلام بن ابی الحقیق'' خیبر میں زندگی بسر کررہا تھا اور یہ کھلی ہوئی حقیقت تھی کہ یہ خطرناک آدمی ایک لمحے کے لئے بھی آرام سے نہیں بیٹھتا تھا بلکہ وہ ہمیشہ مختلف احزاب کو اسلام کے خلاف بھڑکانے میں ہمہ تن سرگرم رہا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں خصوصی بات یہ تھی کہ بت پرست عرب اسلام کے خلاف جنگ کے لئے ہمہ تن آمادہ تھے اور اگر جنگی اخراجات کے لئے لازمی بجٹ کا انتظام ہوجاتا تو جنگ احزاب والی صورت حال دوبارہ پیدا ہوجاتی۔

۱۔ سیرۂ ابن ہشام جلد ۳/۲۹۱ طـ ۱۳۵۵ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سلام نے قتل کا منصوبہ پانچویں ہجری کے خاتمہ سے قبل تیار کیا گیا تھا لیکن اگر ''بنی قریظہ'' کے گٹھ جوڑ کو نگاہ میں رکھا جائے جو ۱۹ رذی الحجہ کو عمل میں آیا تو یہ بات بعید از حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

ان معاملات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے پیغمبر اکرمؐ نے خزرج ؎۲ کے نوجوانوں کو اس کام کے لئے تعینات کردیا کہ وہ اس کینہ پرور فاسد عنصر کا کام تمام کردیں لیکن اس کی ازواج و اولاد میں سے کسی کو ذرہ برابر کوئی اذیت نہ پہونچے۔ قبیلۂ خزرج کے بہادر نوجوانوں کی ایک ٹولی رات میں خیبر کے علاقے میں داخل ہوئی۔ ان لوگوں نے سلام کے گھر کے اردگرد واقع گھر کے دروازوں کو باہر سے بند کردیا تاکہ اگر شوروغل کی آواز ابھرے تو یہ لوگ اپنے گھروں سے باہر نہ نکل سکیں۔ اس کے بعد یہ لوگ سیڑھیوں سے اوپری منزل پر پہونچ گئے جہاں سلام رہا کرتا تھا۔ ان لوگوں نے سلام کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ سلام کی زوجہ باہر آئی اور دریافت کیا۔ "آپ لوگ کون ہیں؟" ان لوگوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "ہم لوگ عرب ہیں اور غلہ خرید نے کے لئے آئے ہیں۔ ؎۳ سلام کی زوجہ نے زیادہ تحقیق نہیں کہ اور گھر کا دروازہ کھول کر ان لوگوں کو سلام کے کمرہ کا پتہ بتادیا جہاں وہ سونے کے لئے گیا تھا۔ ان لوگوں نے کمرہ کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ اندر سے بند کرلیا تاکہ شورشرابہ کی آواز کمرہ سے باہر نہ جاسکے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے بڑی آسانی سے اس خطرناک آدمی کا کام تمام کردیا جس نے کافی دنوں سے مسلمانوں کا سکون چھین رکھا تھا۔ بہرحال اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد یہ لوگ سیڑھیوں سے نیچے اتر گئے اور قلعہ کے باہر چھپ گئے۔

سلام کی بیوی کے نالہ وشیون کی آواز نے پڑوسیوں کو بیدار کردیا۔ ان لوگوں نے چراغ کی روشنی میں ان نوجوان عربوں کا تعاقب کیا لیکن ہر ممکن کوشش کے باوجود انھیں ان لوگوں کا سراغ نہ ملا۔ آخرکار وہ لوگ اپنے گھروں کی طرف واپس چلے گئے۔ اس وقت مسلمانوں کی ہمت کا یہ عالم تھا کہ ان لوگوں میں سے ایک نے رضاکارانہ انداز میں یہ تجویز پیش کی کہ میں ایک انجان آدمی کی حیثیت سے ان لوگوں کے درمیان جاکر یہ پتہ لگاؤں کہ حقیقت کیا ہے کیونکہ یہ تصور کیا جارہا تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔

جس وقت وہ آدمی حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے ان یہودیوں کے درمیان پہونچا اس نے دیکھا کہ یہودیوں نے "سلام" کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور سلام کی زوجہ لوگوں سے واقعہ کی

۲۔ پیغمبر نے یہ ذمہ داری خزرجیان کے سپرد اس وجہ سے کی تھی کہ ان کے رقیب قبیلہ اوس والوں نے "کعب اشرف" کا قتل کیا تھا۔ لہٰذا دونوں قبیلوں کے درمیان امتیازات میں توازن قائم رکھنے کی غرض سے یہ کام عمداً خزرجیان کے سپرد کیا گیا تھا۔

۳۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا نفس کی معرفت مفید ترین معرفت ہے۔ (غرر الحکم ۳۱۹)

تفصیل بیان کررہی ہے۔ اچانک سلام کی زوجہ نے اپنے شوہر کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا اور کہنے لگی۔ "خدای یہود کی قسم! میرا شوہر مرگیا۔" ۴ یہ خبر سنتے ہی وہ مسلمان مجاہد واپس آگیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو حقیقت سے آگاہ کردیا۔ رات کی تاریکی میں وہ سبھی لوگ اپنی پناہ گاہ سے باہر نکلے اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں پہونچ کر ان لوگوں نے پیغمبر اکرمؐ کو تمام حقائق سے آگاہ کردیا۔ ۵

قریش کے دور اندیش افراد حبشہ کی طرف روانہ

قبیلہ قریش کے بعض دور اندیش افراد اسلام کی روز افزوں ترقی سے بہت پریشان تھے لہٰذا وہ حبشہ کی طرف روانہ ہوگئے تاکہ وہاں پرسکون زندگی بسر کرسکیں۔ ان لوگوں نے یہ سوچا کہ اگر محمدؐ جزیرۃ العرب پر مسلط ہوجاتے ہیں تو یہ لوگ واقعہ رونما ہونے سے قبل اپنے آرام وآسایش کا سارا سامان حبشہ میں جمع کرلیں گے اور اگر اس معرکہ آرائی میں قریش نے فتح حاصل کرلی تو یہ لوگ دوبارہ اپنے قدیمی وآبائی گھروں کو آباد کرلیں گے۔

عمرو عاص اسی جماعت میں شامل تھا اور بڑے قیمتی تحفہ وھدیہ کے ساتھ اس نے حجاز سے حبشہ کی طرف روانگی اختیار کی۔ یہ لوگ اس روز حبشہ میں داخل ہوئے جس روز جعفر بن ابی طالب اور دیگر مسلمان مہاجرین کے سلسلے میں حاکم حبشہ کے نام پیغمبر اکرمؐ کا پیغام لیکر "عمر بن امیہ ضمری" سرزمین حبشہ میں وارد ہوچکے تھے۔ حاکم حبشہ نجاشی کے دربار سے اپنی غیر معمولی قربت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے عمرو عاص نے اپنے دوستوں سے کہا کہ میں ابھی اپنے مخصوص تحفوں کے ساتھ حاکم حبشہ نجاشی سے اپنی ملاقات کے دوران ان سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ مجھے یہ اجازت دیدے کہ میں محمدؐ کے نمائندہ کی گردن ماردوں۔ وہ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی نیت سے دربار کے اندر داخل ہوا۔ قدیم رسم وروایت کے مطابق زمین بوسی کے بعد اس کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا۔ سلطان نے اس کی مزاج پرسی کرتے ہوئے پوچھا" تم اپنے ملک سے ہمارے لئے کیا سوغات وخوشخبری لائے ہو"؟

عمروعاص نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔" جی ہاں! قربان جاؤں۔" اس کے بعد تمام گرانقدر

۴۔ ذات وإلا یہوذ" یعنی خدای یہود کی قسم وہ مرگیا۔

۵۔ سیرہ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۲۷۵۔ ۲۷۴

تحائف سلطان نجاشی کے قدموں میں ڈالتے ہوئے کہا۔" جو شخص ابھی آپ کے دربار سے باہر گیا ہے یہ ایسے آدمی کا نمائندہ ہے جس نے ہمارے بزرگوں اور نامور بہادروں کو قتل کرڈالا ہے۔ کیا تم مجھے یہ اجازت دیتے ہو کہ میں اپنے بزرگوں کا انتقام لیتے ہوئے یہاں اس کی گردن ماردوں۔ اگر تم مجھے یہ موقع فراہم کردو تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا۔"

عمرو عاص کی باتوں سے سلطان نجاشی پر ایسا غیظ وغضب طاری ہوا کہ اس نے بے تحاشہ اپنے منہ پر تھپڑ مارنا شروع کردیا جس کو دیکھنے سے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اس کے بعد سلطان نجاشی نے عمرو عاص سے کہا۔" تو مجھ سے اس آدمی کے نمائندہ کو قتل کرنے کی درخواست کررہا ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح امین وحی نازل ہوتے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایسے شخص کو تیرے حوالے کردوں تاکہ تو اسے قتل کرڈالے۔"؟ [۶] خدا کی قسم وہ حق پر ہے اور اُسے اپنے دشمنوں پر فتح وکامیابی حاصل ہوگی" عمرو عاص کہتا ہے کہ میں سلطان نجاشی کی یہ باتیں سن کر محمد کے مذہب کی طرف مائل ہوگیا لیکن میں نے یہ بات اپنے ساتھیوں سے نہیں بتائی۔ [۷]

تلخ حوادث کی روک تھام

نہایت تلخ وناپسندیدہ حادثہ رجیع کے دوران خانوادہ "بنی لحیان" سے وابستہ "عضل" اور "قارہ" نامی قبائل کے کچھ لوگوں نے مسلمان مبلغین کی ایک جماعت کو نہایت بیرحمی کے ساتھ قتل کرڈالا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس جماعت کے دو لوگوں کو زندہ گرفتار کرکے قبیلہ قریش کے ہاتھوں فروخت کردیا تھا اور ان لوگوں نے مسلمانوں سے انتقام لیتے ہوئے ان دونوں کو پھانسی پر لٹکادیا تھا۔ مسلمانوں کو اس بات سے گہرا صدمہ ہوا اور سپاہ تبلیغ اسلام کی سرگرمیاں متوقف ہوگئیں۔ اس وقت جب مسلمانوں کی راہ میں آنے والی تمام رکاوٹیں دور ہوگئیں اور یہود واحزاب کا گٹھ جوڑ بھی ٹوٹ گیا تو مسلمانوں کے رہبر عالی قدر نے یہ لازمی سمجھا کہ قبیلہ "بنی لحیان" کی لازمی تادیب وتنبیہ کردی جائے تاکہ دوسرے قبیلے والوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوجائے اور وہ مذہب اسلام کی تبلیغ میں سرگرم دیگر جماعتوں کو اذیت نہ پہونچائیں۔

۶۔ اتسالنی ان اعطیک رسول رجل یا تیہ الناموس الاکبر الذی یاتی موسیٰ بقتلہ۔؟،

۷۔ سیرہ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۲۷۶۔۲۷۷

انہوں نے ہجرت کے چھٹے سال کے پانچویں مہینے میں " ابن ام مکتومؓ" کو مدینہ میں اپنی جگہ چھوڑا اور کسی سے کچھ بتائے بغیر مدینہ سے باہر نکل پڑے کیونکہ انہیں یہ ڈرتا تھا کہ اگر انھوں نے اپنا منصوبہ بیان کیا تو قریش کو اس کی اطلاع ضرور ہوجائے گی۔ پس وہ ملک شام کی طرف جانے والے راستہ پر بڑھتے چلے گئے۔ کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد انھوں نے اپنا راستہ بدل دیا اور "عزان" میں، جو خانوادہ "بنی لحیان" کا علاقہ تھا، پڑاؤ ڈال دیا۔ لیکن دشمنوں کو مسلمانوں کے ارادہ کا اندازہ ہوگیا تھا اسی وجہ سے ان لوگوں نے پہاڑوں پر پناہ لے رکھی تھی اس مسلحانہ حملہ اور دشمن کی بدحالی کا غیر معمولی اثر مرتب ہوا اور ان لوگوں کے دلوں پر غیر معمولی خوف اور مسلمانوں کا رعب ودبدبہ طاری ہوگیا۔

پیغمبر اکرمؐ نے اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر ایک علاقہ میں فوجی گشت کا اہتمام بھی کیا اور خود ۲۰۰ سپاہیوں کے ہمراہ 'عزان، سے عسفان، تک کا فاصلہ طے کیا اور اسی علاقے میں فوجی پڑاؤ ڈال دیا جو مکہ کے قریب میں واقع ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے دس سپاہیوں کو "تحقیقی گروہ" کی شکل میں مکہ کی سرحد پر واقع "کراع النعیم" نامی علاقے میں بھیجا ان لوگوں کی نقل وحرکت سے قریش کو پتہ چل گیا کہ یہ سپاہیان اسلام" ہیں اور کافی طاقتور ہوگئے ہیں۔ اس کے بعد رسول اکرمؐ نے روانگی کا حکم جاری کردیا اور سب لوگ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

جابر بن عبد اللہ انصاری کا بیان ہے کہ اس غزوہ سے واپسی کے بعد پیغمبر اکرمؐ یہ ارشاد فرمارہے تھے کہ" سفر کی تکلیف، نقل وانتقال کی پریشانی اور انسان کی مادی زندگی اور خانوادہ میں رونما ہونے والے ناپسندیدہ حوادث سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔"[۸]

غزوۂ ذی قرد

پیغمبر کی مدینہ واپسی کے بعد ابھی چند روز بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ عیینہ بن حصن فزاری" قبیلہ "غطفان" کے کچھ لوگوں کی مدد سے ملک شام کے قریب واقع مدینہ والوں کی" غابہ" نامی چراگاہ سے اونٹوں کے ایک گلہ پر قبضہ کرلیا۔ ان لوگوں نے چرواہوں کو قتل کرڈالا اور مسلمان عورت کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے۔" سلمی اسلمی" نے، جو شکار کے ارادہ سے مدینہ سے باہر نکلا تھا، یہ واقعہ اپنی

۸۔ اعوذ باللہ من وعثا... الاھل۔" تاریخ طبری جلد ۲۔ ص ۵۴ ۴، مغازی واقدی جلد ۲ ص۔ ۵۳۵

آنکھوں سے دیکھ لیا۔ وہ فوراً ہی ''سلع'' نامی اونچی جگہ پر چڑھ گیا اور مسلمانوں کو اپنی مدد کے لئے پکارنے لگا۔ وہ بار بار یہی کہہ رہا تھا۔'' واصباحا!'' مدد طلب کرنے کے لئے عربوں کے درمیان یہی نعرہ رائج تھا۔ اس کے بعد اس نے لٹیروں کا تعاقب کیا اور اپنی تیراندازی کے ذریعہ لٹیروں کے فرار کی راہ روک دی۔ سب سے پہلے پیغمبر اکرم نے سلمہ کی فریاد استغاثہ سنی اور انہوں نے بھی لوگوں کو مدد کے لئے طلب کرنا شروع کردیا۔ کچھ لوگ اپنی سواریاں لئے ہوئے پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ پیغمبر نے ان لوگوں کو فوراً ہی'' سلد بن زید'' کی سپہ سالاری میں لٹیروں کا تعاقب کرنے کے لئے بھیج دیا اور بعد میں خود بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ ان لوگوں کے درمیان مختصر سی جنگ بھی واقع ہوئی جس میں دو مسلمان اور تین لٹیرے مارے گئے ۔ آخر کار سپاہ اسلام لوٹے گئے زیادہ سے زیادہ اونٹوں کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی اور قیدی مسلمان خاتون بھی آزاد ہوگئی۔ لیکن دشمن قبیلہ ''عطفان'' کے درمیان پناہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ رسول اکرم ایک شب و روز ''ذی قرد'' نامی علاقے میں مقیم رہے۔ اگر چہ سپاہیان مدینہ اس بات پر مصر تھے کہ دشمن کا تعاقب جاری رکھا جائے لیکن پیغمبر نے مصلحت نہ دیکھی اور وہاں سے مدینہ واپس آگئے۔ ۹

ناجائز نذر

لٹیروں کے چنگل سے آزاد ہونے والی مسلمان خاتون پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ جب وہ لوگ مجھے اس اونٹ کے ساتھ قیدی بنا کر لے جارہے تھے تو میں نے نذر مانی تھی کہ اگر مجھے دشمن کے ہاتھوں سے نجات حاصل ہوگئی تو میں اس اونٹ کو نحر کردوں گی۔ اس عورت کی بات سے پیغمبر کے ہونٹوں پر نمکین مسکراہٹ دکھائی دی۔ انھوں نے اس عورت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تو نے اس اونٹ کو کیسی اجرت ادا کی۔ اس نے تجھے نجات وآزادی دلائی اور تو اسے مارڈالنا چاہتی ہے؟! اس کے بعد رسول اکرمؐ نے اپنی بات کو زیادہ واضح انداز میں پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ایسی نذر جس سے معصیت خداوندی کا ارتکاب یقینی ہو یا کوئی شخص کسی ایسی چیز کی نذر مان لے جو اس کی ملکیت نہ ہو قطعی درست نہیں ہے۔ تو نے جس شتر کی نذر مانی ہے وہ تیری نہیں میری ملکیت ہے۔ ۱۰ لہٰذا تیرے اوپر کوئی بھی نذر واجب ولازم نہیں ہے۔ ۱۱

۹۔ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۵۵، مغازی واقدی جلد ۲۔ ۵۳۷ـ۵۴۹،
۱۰۔ انہ لانذر فی معصیۃ اللہ ولا فیما تملکین انما ھی ناقۃ من ابلی۔''
۱۱۔ سیرہ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۲۸۱ـ۲۸۹، طبقات کبری جلد ۲ ص ۱۳۳

سیرت حضرت فاطمه زهرا (س)

مولانا طیب رضا

حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا پیغمبر اکرمؐ کی چہیتی بیٹی تھیں آپ ہی کے ذریعہ سے رسول اکرمؐ کی نسل طاہرہ دنیا میں باقی ہے ۔ آپ کے شریک حیات شیر خدا حضرت علیؑ تھے۔ آپ شیعوں کے ۱۱ اماموں کی ماں کی حیثیت سے متعارف ہیں، مذہب اسلام میں عورتوں کے لئے نمونہ عمل ہیں۔

اسلام نے تنہا اپنی کتاب اور قوانین کو سند قرار نہیں دیا ہے بلکہ قوانین کے ساتھ ساتھ کچھ شخصیتوں کو عملی نمونہ کے طور پر پیش کیا اور ان کی سیرت کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ لوگ کتاب کی تعلیمات اور اسلام کی روح سے خود کو روشن کرسکیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیغمبر اکرم اور بارہ آئمہ کی زندگی اور ان کی سیرت لوگوں کے لئے نمونہ عمل اور اسوہ حسنہ کا درجہ رکھتی ہے۔

خدا وند عالم نے عورت اور مرد کو مخصوص خصوصیات دیکر پیدا کیا ہے بہت سارے حالات، کیفیات اور جذبات ایسے ہیں جو عورتوں میں پائے جاتے ہیں لیکن مردوں میں نہیں۔ اس لحاظ سے ضروری تھا کہ اسلام کے پیغمبر اکرم اور آئمہ طاہرین کے ذریعہ عورتوں کے لئے ایسا نمونہ پیش کیا جائے جو نمونہ عمل بن سکے۔ کوئی ایسا ہو جو عملی طور پر یہ بتا سکے کہ ایک مسلمان عورت کیسی ہو، عورت کا باپ کے ساتھ کیا برتاؤ ہو، شوہر کے ساتھ کیسا سلوک ہو اولاد کے ساتھ کیسا کردار ہو، سماجی ومعاشرتی اور سیاسی زندگی اس کی کیسی ہونی چاہئے۔ جناب زہرا (س) نے ایسا ہی نمونہ عمل اور ایسی ہی سیرت پیش کی جو اسلام کی خواتین کے لئے نمونہ عمل بن گئی۔ اسی لئے پیغمبر اکرمؐ نے جناب فاطمہ (س) کے لئے فرمایا مریم اپنے زمانے کی عورتوں میں ممتاز تھیں تم پوری کائنات کی عورتوں سے برتر ہو۔''

اس طرح اسلام میں حضرت فاطمہ زہرا (س) خواتین کے لئے نمونہ عمل ہیں مشہور مصری مورخ عباس محمود العقاد نے بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں ۔

''ہر دین میں ایک ideal نمونہ اور مقدس خاتون کا وجود پایا جاتا ہے اور اس دین کے ماننے

۱۔ توفیق ابو علم'' فاطمہ زہرا'' ص۔۱۱

والے خداوند عالم کی آیت ونشانی کے طور پر اس کا احترام کرتے ہیں مثلاً حضرت مریم مسیحی مذہب میں مقدس خاتون شمار کی جاتی ہیں اسی طرح اسلام میں حضرت زہرا عورتوں کے لئے نمونہ عمل ہیں ۲

ہر دین میں عملی شخصیت اس دین کی خصوصیات وتجلیات کا مظہر ہوتی ہے ۔ اوروہ اس مذہب کی تعلیمات کا زندہ پیکر ہوتا ہے ، مثلاً مسیحیت کا نمونہ جو کہ تحریف ہوچکا ہے یہ ایسا دین ہے جو سماج سے دوری ، رہبانیت کا دلدادہ ، دنیا سے کنارہ کشی اور معنویت وروحانیت کے ساتھ تصوف پر تکیہ رکھتا ہے وہ جو مسیحیت میں ideal خاتون کے طور پر پیش کی گئی ہیں وہ حضرت مریم ہیں اور وہ انہیں تعلیمات کا مظہر ہیں کیونکہ مسیحیت ایک رخی دین ہے اس لئے حضرت مریم کی شخصیت میں روحانیت ہی روحانیت دکھائی دیتی ہے ۔

لیکن اسلام چند رخی multi dimentional معنویت ہے جو روحانیت بھی رکھتا ہے اور زندگی میں معاشرت سیاست عبادت خاندان کے فرائض نیز اس میں عرفان ہے اور جہاد بھی .. حضرت زہرا (س) جو اسلام کی نمونہ خاتون ہیں ان میں یہ گوناگوں خصوصیات پائی جاتی ہیں انہوں نے خود اپنی زندگی میں ان تمام محاذوں پر مثالی کردار پیش کیا۔ اکثر علماء ومحققین جیسے تقی سبکی، جلال سیوطی، زرکشی اور تقی مقریزی نے دنیا کی تمام خواتین پر حضرت زہرا (س) کی فضیلت کا اقرار کیا ہے اور ان کی سیرت کو نمونہ عمل اختیار کرنے پر صریحی طور پر ذکر کیا ہے۔ تقی سبکی جو معتبر عالم اہل سنت ہیں اس سوال کے جواب میں کہ اسلام میں سب سے افضل خاتون کون ہے فرماتے ہیں" میرا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت فاطمہ (س) بنت محمدؐ دنیا کی تمام خواتین سے افضل اور بالاترین ہیں۔ ابن داود نے بھی اسی سوال کے جواب میں کہا ہے" پیغمبر خداؐ کے فرمان کی سند کے مطابق کہ انھوں نے فاطمہ (س) کو اپنے جسم کا ٹکڑا قرار دیا ہے ممکن نہیں کہ کوئی فاطمہ (س) سے افضل ہوسکے اس لئے کہ کسی بھی شخص پر رسول کے پارہ جگر ہونے کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔

پیغمبر اکرمؐ نے اپنی حدیث میں بھی حضرت فاطمہ زہرا (س) کو" دنیا کی عورتوں کی سردار" اور تاریخ کی عورتوں میں ان کے کردار عمل کو نمونہ عمل اور اسوہ قرار دیا ہے اہل سنت کی معتبر کتاب میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا" فاطمہ (س) میری جان ہے۔ اس لئے کہ وہ عورتوں کی سردار ہے ۔ اس امت کی عورتوں کے لئے باعث سرور ہے اور جب با ایمان خواتین کے درمیان

۲۔ ایضاً۔ ص ۱۱۵

سب سے افضل خاتون ہو تو کیا یہ خوشی کی بات نہیں ہے؟

عمر ابن حصین سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا اے میری جان فاطمہ(س) ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم دنیا کی خواتین کی سردار ہو؟ حضرت فاطمہ(س) نے دریافت کیا۔ پھر مریم بنت عمران کا کیا مرتبہ ہے؟ آپ نے فرمایا اے جان پدر! وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار تھیں اور تم تاریخ کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔"

اس لحاظ سے حضرت فاطمہ (س) دنیا کی تمام خواتین کے لئے نمونہ عمل ہیں۔ انھوں نے عملی طور پر اس بات کا ثبوت پیش کیا کہ ایک مسلمان عورت کو کس طرح سے روحانی معاملات میں شریک وسہیم ہونا چاہئے اور خانوادہ کی پرورش و پرداخت اور اجتماعی امور میں کیسا کردار پیش کرنا چاہئے۔

حضرت فاطمہ زہرا (س) کی زندگی میں ہمیں تینوں پہلو یعنی عرفان اور خانوادہ کے جملہ وظائف کی انجام دہی نیز تحریک اسلامی کی اجتماعی اور اعتقادی محاذوں پر شرکت نظر آتی ہے۔

"مباہلہ" حضرت فاطمہ زہرا (س) کے عرفانی اور معنوی مقامات کی زندہ جاوید سند ہے۔ تاریخی واقعات میں ملتا ہے کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے نصاریٰ نجران سے روحانی اور معنوی مقابلہ کے لئے مباہلہ کیا جو کہ عبادت وریاضت اور معنویت میں شہرت رکھتے تھے، آپ نے اس مقابلہ کے لئے پورے عالم اسلام سے صرف پانچ افراد کا انتخاب کیا انھیں پانچ روحانی شخصیتوں میں ایک حضرت زہرا(س) تھیں۔ نصاریٰ اپنی معنوی کامیابیوں پر بہت خوش تھے لیکن ان میں یہ قوت نہ تھی کہ وہ ان روحانی شخصیتوں کا مقابلہ کرتے چنانچہ مسیحی رہبر ابو حارثہ نے مباہلہ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جب ان کے ساتھیوں نے پوچھا کہ کیا تم محمدؐ سے مباہلہ نہیں کررہے ہو تو ابو حارثہ نے جواب دیا خدا کی قسم میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ پہاڑ کی طرف اشارہ کردیں تو پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دے اور اگر یہ ہمارے اوپر لعنت کردیں تو ایک سال بھی نہ گذرے گا ایک نصرانی بھی روئے زمین پر نہ بچے گا سب کے سب ان کی لعنت سے تباہ ہوجائیں گے۔

یہ واقعہ حضرت زہرا (س) کے عرفانی اور معنوی مقامات کا نمایاں مظہر ہے۔ لیکن عیسائیت کے برخلاف اسلام میں عرفان ومعنویت راہب وگوشہ نشین کے عرفان جیسا نہیں بلکہ محاذ جنگ پر ایک مجاہد کے عرفان جیسا ہے۔ انسان اجتماعی زندگی میں بھی شریک رہتا ہے۔ حضرت زہرا (س) نے جن کی سیرت دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہے اس مسئلہ کو بھی اپنے عمل سے ثابت کیا۔

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت زہرا (س) نے بعض غزوات میں شرکت بھی کی ہے اور حضرت رسول کریمؐ نے اجتماعی مسائل میں حضرت زہرا (س) سے مشورہ کیا ہے اور جنگوں میں بہت سارے امور ان کے حوالے کئے۔

جناب زہرا (س) نے معاشرہ کی اجتماعی اور فکری زندگی میں شرکت کی۔ پیغمبر کی احادیث کی روایت کی۔ عورتوں تک ان کے ارشادات پہونچائے اور جنگوں میں شرکت کی۔ اور تیروتبر کی بارش میں بھی ضرورت کے مطابق باپ اور شوہر کی ہمراہی کی۔ پیاسے مجاہدوں تک پانی پہنچایا زخمیوں کی تیمار داری کی، اور شجاعت داسلامی لشکر کی غیرت کی محرک بنیں۔

واقدی لکھتا ہے کہ ''فاطمہ (س) جنگ احد میں مسلمان زخمی سپاہیوں تک پہنچیں اور ان کی مرہم پٹی کی۔''

دیگر اجتماعی مسائل میں بھی حضرت زہرا رسول کریمؐ کے شانہ بہ شانہ رہیں جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب عورتوں نے رسول خدا کے ہاتھ پر بیعت کی اس وقت حضرت زہرا (س) رسول کریمؐ کے پہلو میں تھیں۔

حضرت رسول خداؐ کے بعد بھی حضرت فاطمہ زہرا (س) اسلامی معاشرہ میں نمایاں نظر آئیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کامیابی کا پہلا پیکر اور ظالم کے مقابل میں اس کے ظلم پر اعتراض وفریاد کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔ مسجد نبوی میں حضرت زہرا (س) کی شعلہ بیانی، اور پہاڑ کو چور چور کر دینے والی تقریر آپ کی شجاعت وشہامت باریک بینی اور مستقبل فہمی کی بہترین مثال ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ عورت کا اسلامی معاشرہ میں ان سیاسی مسائل میں خاموش رہنا بہتر نہیں جس کا تعلق براہ راست اس کی زندگی سے ہے۔

لیکن ایک مسلمان عورت کا ہر حال میں اپنے معاشرہ کی ذمہ داریوں میں شریک رہنا اور اپنے عورت ہونے کے وجود پر قائم رہنا ضروری ہے۔ اس کا باعفت ہونا اور اسلامی حجاب کی پابندی کرنا بھی ضروری ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا (س) اپنے رفتار گفتار سے بھی اس نکتہ کو آشکار کیا۔

انس بن مالک سے روایت کی گئی ہے کہ ایک روز پیغمبر خدا نے اصحاب سے پوچھا عورتوں کے لئے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟ کوئی اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ حضرت علیؑ بلا تامل حضرت زہرا (س) کے پاس تشریف لائے اور یہ سوال ان کے سامنے دہرایا، حضرت فاطمہ (س) نے جواب دیا

آپ نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ خواتین کے لئے سب سے اچھی چیز یہ ہے کہ وہ مردوں پر نگاہ نہ کریں اور مردوں کے لئے بھی اچھا یہ ہے کہ نامحرم عورتوں کی طرف نہ دیکھیں۔ حضرت علیؑ لوٹ کر آئے اور آپ نے یہی جواب حضرت رسول کریم کو دیا۔ حضرت نے پوچھا یا علی کس نے تمہیں اس جواب سے باخبر کیا حضرت علیؑ نے فرمایا فاطمہ(س) نے تب حضرت رسول خدا نے فرمایا'' حق ہے کہ فاطمہ(س) میرا پارہ تن ہے۔'' حضرت زہرا (س) یہ بتانا چاہتی ہیں کہ عورت اسلامی معاشرہ میں نسوانی کردار کی خصوصیت کے ساتھ حفاظت اور اجتماعی زندگی میں شرکت رکھتی ہے اور اپنی عفت وپاکدامنی کو اپنا زیور سمجھتی ہے۔

مسلمان عورت خانوادہ کی خدمت کرنا اور معاشرہ کی نئی نسل کی پرورش کرنے کو اپنا وظیفہ سمجھتی ہے۔ جناب زہرا(س) اس حالت میں جبکہ روحانی اور عرفانی بیانات کے مطابق مصداق آیہ تطہیر ہیں اور اجتماعی حالات اور سیاسی اعمال میں شریک ہیں وہ اس حالت میں بھی اپنی گھریلو ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہیں، بہترین ماں، اچھی زوجہ، وفاشعار بیٹی کا کردار پیش کرتی ہیں فاطمہ(س) اپنے باپ کے لئے ایک بیٹے جیسا کردار ادا کرتی ہیں وہ صرف ایک بیٹے جیسا کردار نہیں بلکہ ایک محب، ایک مشیر، دوست اور باپ کی مددگار جیسا عمل پیش کرتی ہیں مشکلوں میں ان کے ساتھ رہتی ہیں اور انہیں تسلیاں دیتی ہیں اسی وجہ سے انھوں نے انھیں ام ابیہا یعنی باپ کی ماں کا لقب دیا۔

فاطمہ(س) اپنے شوہر کے لئے ایک مہربان شریک حیات ہیں، علی جیسی شخصیت کی مونس تنہائی ہیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ مشکلوں میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ یکے بعد دیگرے درد والم کا سامنا ہے لیکن پیشانی پر شکن نہیں۔

حضرت زہرا (س) ایک ایسی ماں ہیں جو حسن وحسین جیسے بچوں اور زینب جیسی دختر کی پرورش کرتی ہیں ۔ اخلاق وکردار کی نظر سے حضرت زہرا تمام لوگوں کے لئے چاہے وہ مرد ہوں یا عورت نمونہ عمل ہیں۔

فاطمہ(س) مظہر عظمت خواتین

حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اسلام میں عورت کے کردار کی بلندی کی مظہر ہیں۔ اسلام نے تاریخ عالم میں پہلی بار عورت کو ایک مکمل انسانی شخصیت کے طور پر شمار کیا ہے، اسلام سے قبل حتی کہ

انسان کی اجتماعی اور فکری نظام کی ترقیوں کے باوجود مثلاً یونانی نظام عورتوں کو دوسرے درجہ کی شخصیت میں شمار کرتا تھا اسی طرح ظہور اسلام سے قبل عرب میں بھی عورتوں کو نچلے درجہ کا انسان سمجھا جاتا تھا۔ عرب اس ضرب المثل کو گفتگو میں عنوان کے طور پر پیش کرتے تھے ''اَلْمِرْاَۃُ حَیْوَانٌ طَوِیلُ الشَّعْرِ قَصِیرُ الْفِکْرِ'' عورت ایک ایسا جانور ہے جس کے بال بڑے ہوتے ہیں اور فکر کوتاہ'' یہاں تک کہ اصطلاحاً متمدن کہی جانے والی مغربی دنیا میں بھی دو صدی قبل تک کسی عورت کے لئے مالکیت کا حق قانونی نہیں تھا لیکن اس کے برعکس اسلام نے عورت کو ایک مکمل انسان کا درجہ دیا اور تقویٰ کو مرد یا عورت کی فضیلت کا سبب قرار دیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا'' المراۃ الصالحۃ خیر من الف رجل غیر صالح '' ایک متقی عورت ایک ہزار غیر متقی اور غیر صالح مرد سے بہتر ہے، (جامع الاخبار) نیز آپ نے فرمایا'' من اخلاق الانبیاء حب النساء '' ۔قرآن نے صریحی طور پر یہ اعلان کردیا ۔ لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُواْ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیبٌ مِّمَّااکْتَسَبْنَ...(نساء ۳۲) لِلْرِّجَالِ نَصِیبٌ مِّمَّاتَرَکَ الْوٰلِدٰانِ وَالْاَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیبٌ مِّمَّاتَرَکَ الْوَالِدانِ وَالْاَ قْرَبُونَ...(نساء ۷) یہ تمام آیات واحادیث منعکس ہوتی ہیں عورت کی شخصیت کے اس احترام کی طرف جس کا اسلام قائل ہے۔ اسلام نے عورت کو تمام انسانی حقوق دئے اور اس کی روحانی فکری ، اجتماعی ترقی کی راہیں معین کیں ۔

البتہ وہ ترقی وبلندی جو اسلام کی نظر میں ہے اس ترقی سے بالکل مختلف ہے جسے مغربی تہذیب عورتوں کی ترقی قرار دیتی ہے ۔ اسلام اس نظریہ کا قائل ہے کہ عورت اپنے نسوانی کردار کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی ترقیوں کی منزل طے کرے جبکہ مغربی تہذیب عورتوں کو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ وہ پہلے عورت ہونے کے وجود کا انکار کرے تاکہ وہ ترقی کی دوڑ میں شریک ہوسکے یہ ترقی اصل میں اپنی نسوانیت پر سرمشار ہونے کے مترادف ہے نہ کہ عورتوں کی پیشرفت ہے، مغربی تہذیب کا نظریہ یہ ہے کہ جب تک عورت مرد کی صورت نہ اختیار کرے ترقی نہیں کرسکتی ، حقیقت میں یہ عورت کی سب سے بڑی توہین ہے، عورتوں کے حقوق کی بازیابی کے نام پر یہ عورتوں کا مذاق اڑانا ہے۔ اسلام اس بات کا معتقد ہے کہ عورت کو چاہئے کہ وہ اپنی شخصیت اوراپنے وقار کی حفاظت کرے اس لئے کہ اس کی یہ شخصیت اس کی بلندی وترقی کا اہم مقام ہے اور عورت اپنی ذمہ داریوں کو کسی طرح مرد کی ذمہ داری سے کم تر نہ سمجھے۔اس کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ ہے کہ

معاشرہ کی آنے والی نسل کا بوجھ اٹھانا اور اس کی تربیت کرنا۔عورت کو اپنی عظیم ذمہ داری یعنی انسان سازی کو فراموش نہ کرنا چاہئے۔مغربی عورت نے انسان سازی کے بجائے مشینی پرزوں کے بنانے کو اپنی عظمت کا حصہ قرار دے دیا۔ اسلام مساوی حقوق کا قائل ہے لیکن حقوق میں مشابہت کا قائل نہیں جبکہ اہل مغرب حقوق میں مساوات کے نام پر حقوق کی مشابہت کے قائل ہیں۔ اور عورت کو اس کے بلند نسوانی کردار سے محروم کر کے مرد کی شبیہ بنا کر پیش کرر ہے ہیں ۔ اگر کسی تہذیب کسی گروہ یا کسی شخص کا یہ اصرار ہے کہ عورت پہلے مرد کے طور طریقے اختیار کرے پھر وہ احترام کی قابلیت پیدا کرے تو گویا اس نے عورت کے مقام ومرتبہ کی توہین کی ہے۔

اسلام میں عورت کو اپنے عورت ہونے کی حفاظت کرنے کی تلقین کی گئی ہے وہ اپنے مخصوص الٰہی پیغام کو جو بچوں کی تربیت اور خاندان کی ذمہ داریوں سے مربوط ہے فراموش نہیں کرسکتی ہے۔ اس حالت میں سماج کے تمام شعبوں میں مکتب کی خدمت ، خداونداور اس کے بندو ں کے حقوق اور راہ اجتہاد ومجاہد ت میں شرکت رکھتی ہے اور احترام وبلند مقام ومنزلت کی حامل ہے حضرت فاطمہ زہراؑ اس بلند مقام کا عظیم ترین مظہر ہیں۔

حضرت زہرا(س)عورت ہونے کے باوجود مصداق آیہ تطہیر ہیں۔ وہ ان پانچ افراد میں شامل ہیں جنہوں نے مباہلہ کے موقع پر پیغمبر اکرمؐ کی ہمراہی کی۔آپ اسلام کی چودہ مقدس شخصیتوں میں سے اور تاریخ اسلام کی اہم وباعظمت شخصیتوں میں سے ایک ہیں اور آپ نے اس بات کا پتہ دیا کہ ایک عورت کس طرح روحانی اور فکری کمال حاصل کرسکتی ہے ، حضرت فاطمہ صلوت اللہ علیہا ایک ایسی خاتون ہیں جنہیں اسلام نے تمام لوگوں کے لئے نمونہ عمل قرار دیا ہے۔

شیعہ اور سنی تمام اہم روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت زہرا(س) رسول کریمؐ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب فرد ہیں۔ رسول خداؐ ان کو بہت چاہتے تھے۔ حاکم نے ''مستدرک'' میں ثعلبہ سے نقل کیا ہے کہ جب کبھی بھی پیغمبر اکرمؐ کسی غزوہ یا جنگ سے واپس آتے تو مسجد سے ہوکر سب سے پہلے جناب زہرا (س) کے گھر آتے۔ابن سعد نے اپنی کتاب ''شرف النبوۃ'' میں تحریر کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اے فاطمہ(س) خداوند عالم تمہارے غصہ سے غصہ میں آتا ہے اور تمہاری خوشی پر خوش ہوتا ہے۔ اور استیعاب میں تحریر ہے کہ حضرت عائشہ سے سوال کیا گیا کہ رسول خدا کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب ترین شخص کون ہے آپ نے فرمایا فاطمہ(س) ۔ ترمذی نے رسالہ بن

زید سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا فاطمہ(س) میرے نزدیک محبوب ترین فرد ہے۔

جناب زہرا (س) کی تمام بلندی وعظمت اور احترام جس کے قائل رسول کریمؐ تھے اور وہ محبت جو آپ ان سے رکھتے تھے وہ صرف ایک باپ ہونے کے رشتہ سے نہ تھی اس لئے کہ پیغمبر ایک عام انسان کی طرح نہ تھے بلکہ وہ ایسے شخص تھے جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا'' وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ اِنْ هُوَاِلَّا وَحْيٌ يُوحىٰ '' پیغمبر جو کچھ کہتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں وہ خدا کی مرضی اور اس کی وحی کے مطابق کرتے ہیں ۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک باپ کے لئے فطری بات ہے کہ وہ اپنے بچوں سے محبت کرے نہ یہ کہ خلاف فطرت اس کی تعظیم کرے اور ام ابیھا'' کا لقب دے دے۔ اس کے غصہ کو خدا کا غصہ اور اس کی خوشی کو خدا کی خوشی قرار دے۔ یہ تمام چیزیں اس بات کی علامت ہیں کہ حضرت رسول خدا رسالت کی خاطر اور حضرت زہرا (س) کی معنوی شخصیت کے تئیں ان کا احترام کرتے تھے اور وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ اسلام میں عورت ہونا اس کی فضیلت کو سلب کرنا نہیں ۔ بلکہ اسلام میں عورت اگر انسانی فضائل وکمالات اور معنوی بلندی کی ضامن ہوتو وہ اپنے زمانہ کے مردوں سے بھی برتر شمار کی جاتی ہے۔

جب حضرت رسول کریم جناب زہرا(س) کے لئے اس طرح کے احترام کے قائل تھے تو یہ طبیعی ہے کہ مسلمان مختلف ادوار وحالات میں بھی حضرت زہرا کی عظمت ومنزلت کے قائل ہوں۔ تمام بزرگ علماء اسلام نے خود کو خاک پای حضرت فاطمہ(س) کہنے پر افتخار کیا ہے ۔ اور انہوں نے حضرت زہرا(س) کو قرآن کے معجزہ کو ظاہر کرنے والی شخصیت اور رسالت کے دعووں کی تصدیق کرنے والی فرد قرار دیا ہے ۔ اس لئے کہ تنہا حضرت زہرا ہی وہ رشتہ ہے جن کے ذریعہ سے پیغمبر اکرمؐ کی نسل دنیا میں باقی اور محفوظ ہے۔ قرآن کی پیش گوئی ثابت ہوئی کہ کفر رسوا ہوگا کفار ومشرکین نے حضرت رسول خداؐ کی نسبت سے یہ کہا تھا کہ آپ تو'' ابتر'' یعنی مقطوع النسل ہیں جبکہ قرآن نے یہ اعلان کردیا تھا کہ'' اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ '' ہم نے آپ کو کوثر یعنی کثرت نسل عطا فرمایا۔ آپ کے دشمن ابتر ہیں۔ اور یہ'' کوثر'' حضرت فاطمہ(س) کے حوالے سے رسول خدا کو عطا ہوا۔ اس لحاظ سے مومنوں کی نظر میں اور علماء اسلام کی نظر میں فاطمہ(س) صرف یہ کہ رسول خدا کی چہیتی بیٹی نہیں ہیں بلکہ اسلام کی مقدس شخصیتوں ، قرآن ناطق، رسالت کے دعوؤں کی گواہ ، اور قرآن کے اعجاز اصالت کی شاہد ہیں۔

فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا ایسی خاتون ہیں کہ ان کی روحانی عظمتوں کی وجہ سے انہیں ''بتول کہا گیا۔''بتول'' اسے کہتے ہیں جو دنیا سے بیزار اور حق سے منسلک ہو۔

مجمع البحار میں آیا ہے کہ مریم اور حضرت زہرا (س) دونوں کو بتول کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ وہ خواتین تھیں جو کہ فضیلت و دینداری میں دنیا سے بیزار اور خدا سے قریب تھیں۔ حضرت فاطمہ (س) کو مسلمان صدیقہ، مبارکہ، طاہرہ، رضیہ، مرضیہ، کے لقب سے بھی جانتے ہیں۔ ان میں کا ہر ایک لقب حضرت زہرا (س) کی ایک فضیلت کو نمایاں کرتا ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا (س) مسلمان عورتوں کے لئے نمونہ عمل ہیں..اور دوسری طرف وہ عورت کے عظیم کردار کا مظہر بھی ہیں۔

امام العالمین سید الساجدین

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

سید محبوب الرحمن نیازی، جے پور

آپ کی ولادت شریف باختلاف روایات ۳۳ھ ۳۵ھ یا ۳۸ھ میں ۱۵ر جمادی الاوّل بروز جمعہ یا پنج شنبہ مدینہ منورہ میں ہوئی اسلامی تقویم کے حساب سے ۱۵ جمادی الاوّل روز جمعہ ۳۵ھ کو انگریزی تاریخ ۲۰ رنومبر ۶۵۵ء تھی۔

نام علی اور کنیت ابو محمدؐ اور لقب زین العابدین ہے۔ جس کی وجہ تسمیہ شواہد النبوۃ میں یہ لکھی ہے کہ آپ نماز تہجد میں مشغول تھے۔ شیطان اژدہے کی صورت میں ظاہر ہوکر آپ کے پاس آیا آپ کے پاؤں کی انگلی پکڑی مگر اس پر آپ نے کچھ خیال نہیں کیا پھر اس نے کاٹا اور تکلیف ہوئی تاہم آپ نے نماز کو جاری رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر کردیا کہ یہ شیطان ہے اس وقت آپ نے اس کو ایک تھپڑ مارا اور فرمایا کہ اے ملعون ہمارے پاس سے دور ہو۔ اس وقت غیب سے آواز آئی ''انت زین العابدین'' اس دن سے آپ کا لقب زین العابدین ہوگیا۔ آپ کی والدہ کا نام شہر بانو تھا۔

عبادت وطاعات اوراخلاق وعادات

جس وقت آپ نماز کے لئے وضو کرتے تھے تو روئے مبارک کا رنگ پیلا پڑجاتا تھا اور آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا۔ لوگ اس کا سبب دریافت کرتے تو فرماتے کہ احکم الحاکمین شہنشاہ علی الاطلاق کے دربار کی حاضری کا وقت ہے مجھ پر کیوں نہ ہیبت طاری ہو۔ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور مسجد میں تھے، گھر میں آگ لگ گئی۔ ہر چند لوگوں نے شور مچایا کہ یا ابن رسولؐ اللہ گھر میں آگ لگ گئی مگر آپ نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا وہ آگ بجھا دی گئی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت کیا گیا کہ آپ نے آگ کا کیوں خیال نہ کیا۔ فرمایا کہ مجھ پر آتش دوزخ کا خیال غالب تھا

اور آتش دنیا کی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں ہے۔

آپ نے گھر میں ایک تنہا جگہ مقرر فرمائی تھی وہاں عبادت کرتے تھے جب گھر والے سب سوجاتے آدھی رات گذر جاتی تو آپ دعا اور مناجات میں مصروف ہوتے اور کہتے" یا الٰہی قیامت کی سختی اور ہیبت مجھے تکیہ پر سر رکھنے نہیں دیتی" پھر سجدہ میں گر جاتے اور اس قدر گریہ وزاری کرتے کہ گھر والے آپ کے گرد جمع ہوجاتے اور رونے لگتے مگر آپ کو کچھ خبر نہ ہوتی اور آپ بدستور دعا میں مصروف رہتے اور کہتے" الٰہی میری بس یہی آرزو ہے کہ جب میں تیری خدمت میں آؤں اس وقت تجھ کو اپنے سے خوش پاؤں" آپ فرماتے تھے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی ہیبت اور خوف سے کرتے ہیں وہ حقیقی بندے ہیں مگر جو لوگ آرزوئے حصول جنت کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں وہ تاجر ہیں۔ وہ اپنے مصاحبوں سے فرماتے تھے کہ تم ہمارے ساتھ محبت میں للّٰہیت کا لحاظ رکھو۔ میں تم کو عذاب الٰہی سے اس وقت تک نہیں بچا سکتا جب تک تم اعمال صالح کے پابند نہ ہو ہماری ولایت میں سے تم بغیر عبادت وتقویٰ کے حصہ نہیں پاسکتے۔

اصمعیؒ روایت کرتے کہ ایک دن میں چاندنی رات میں خانۂ کعبہ کا طواف کررہا تھا ناگاہ میں نے ایک دردناک آواز سنی میں ادھر گیا دیکھا کہ ایک خوبصورت اور خوب سیرت جوان جس کی پیشانی سے نور پھوٹ رہا تھا چہرے پر دونوں طرف گیسو پڑے ہوئے تھے جن سے خوشبو آرہی تھی نہایت بے قراری اور عاجزی کے ساتھ غلاف خانۂ کعبہ پکڑے ہوئے کہہ رہا تھے" اے آقا! اے میرے مولا! لوگوں کی آنکھوں میں نیند آگئی اور تو اے مالک! ہمیشہ زندہ اور قائم وبیدار ہے۔ بادشاہوں نے اپنے دروازوں پر دربان مقرر کئے ہیں اور تیرا دروازہ محتاجوں اور فقیروں کے لئے بھی ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ یہ گناہگار فقیر محتاج مسکین وتباہ کار ہے تیرے دروازے پر کھڑا ہے اور تیری نظر رحمت کا امیدوار ہے۔ اے رحیم! اے کریم! اے ارحم الراحمین! گوشۂ چشم عنایت سے اس کی طرف دیکھ لے۔ اے بے قراروں اور مضطروں کی دعا قبول کرنے والے! اور اے رات کو فریاد کرنے والوں کی فریاد سننے والے! اے بیماریوں اور فتنوں کو دور کرنے والے! اے مصیبت کے وقت تسکین دینے والے! اگر تو صرف نیک آدمیوں کو بخشیگا تو پھر گناہگاروں کو بخشنے والا کون ہے؟" اے میرے پروردگار! اے میرے مولا! میرے آنسوؤں پر اپنی رحمت نازل فرما۔ میرے گناہوں کو بخش دے کیونکہ تو غفور الرحیم ہے اور اپنے فضل وکرم سے میرے ساتھ درگذر فرما کہ تو اکرم الاکرمین ہے۔ الٰہی میں نے تیری

اطاعت اور عبادت بوجہ علم ومعرفت کے کی ہے تو تو ہی مستحق شکر ہے تیرا ہی احسان مجھ پر ہے اگر میں نے تیری نافرمانی کی ہے تو میری حجت مجھ پر پوری ہوچکی ہے مگر تو رحم فرما اور میری نافرمانیوں کو معاف فرمادے اور مجھے اپنے جد نامدار تیرے حبیب خاص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے محروم نہ رکھ۔ الٰہی جینے کا مزا تیرے ذکر کے ساتھ ہے اور مرنے کا مزا تیرے عفو کے ساتھ۔ دن وہ ہیں جو تیری طاعت میں کٹیں اور راتیں وہ ہیں جو تیری عبادت میں بسر ہوں۔ آدمی وہ ہے جس کے دل میں تیری محبت ہو۔ جنت کی آرزو صرف اس وجہ سے ہے کہ اس میں تیرا دیدار ہوگا۔ لوگوں کے گناہ اور ان کی نافرمانیاں تجھے کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتیں اور ان کے اعمال صالح ونیکیاں تجھ کو کوئی نفع نہیں پہونچا سکتیں۔ الٰہی زاد راہ تھوڑا ہے اور مسافت طولانی بڑی اور دور دراز ہے۔ میں نہیں جانتا یہ کس طرح طے ہوگی زاد راہ کی کمی کا غم کروں یا درازیٔ راہ کا۔ سخت حیران و عاجز ہوں۔ مجھے دنیا میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس نے مجھ سے زیادہ گناہ کیے ہوں اور میری طرح برے اعمال کیے ہوں اگر تو مجھے آتش دوزخ سے جلائے تو پھر تیری رحمت کیا ہوئی ؟ میں ایک غریب عاجز ہوں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے درد دل کا حال تجھ سے کہتا ہوں الٰہی تو ہی مجھے تسکین دے۔''

اس طرح فریاد زاری اور مناجات کرتے ہوئے وہ صاحب بے ہوش ہوگئے اور گر پڑے۔ میں دوڑ کر قریب گیا اور ان کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔ زلفیں اٹھا کر دیکھا تو وہ حضرت زین العابدینؑ ۔ یہ دیکھ کر میں رونے لگا اور میرے آنسو آپ کے چہرہ انور پر گرے تو آپ کو ہوش آیا فرمایا تم کون ہو جو میرے اور میرے مولا کے راز ونیاز میں حائل ہوتے ہو۔ میں نے عرض کیا میں اصمعی ہوں یا سیدی ومولائی آپ اس قدر گریہ وزاری آہ ونالہ کیوں کرتے ہیں آپ تو اہلبیت رسولؐ ہیں آیت تطہیر آپ لوگوں کی شان میں نازل ہوئی۔ یہ سن کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا اے اصمعی !جان لے کہ اللہ پاک نے جنت کو فرما برداروں اور عابدوں کے لئے بنایا ہے خواہ اس میں کوئی غلام حبشی ہی کیوں نہ ہو اور دوزخ کو نافرمانوں اور گناہگاروں کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ خواہ کوئی آزاد قریشی ہی کیوں نہ ہو جس وقت صور پھونکا جائے گا سب نسبتیں منقطع ہوجائیں گی اور کوئی کسی کو نہ پوچھے گا۔ ہاں جس کے اعمال صالح میزان الٰہی میں بھاری اتریں گے وہی نجات پائے گا ۔ یہ فرما کر آپ مناجات میں مشغول ہوگئے اصمعی کہتے ہیں میں زیادہ دیر رکنے کی ہمت نہ کرسکا اور آپ کو اسی حال میں چھوڑ کر چل دیا۔

امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے قریش میں سے کسی کو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے

بہتر نہ پایا۔ فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ آپ اپنے جد امجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت حدیث کرتے تھے۔ آپ کی جلالت قدر و رفعت پر اجماع ہے۔ آپ سے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن یحیٰ انصاری ابوزیاد۔ زید بن اسلم۔ ابوجعفر امام محمدؑ باقرؑ نے اور بہت سے لوگوں نے حدیث روایت کی ہے۔ آپ سفر میں تشریف لے جاتے تو اپنے نسب شریف کو چھپاتے لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی نسبت ظاہر کر کے کچھ ایسا ماحصل کروں جس کو میں خود لوگوں کو دیتا ہوں ۔

آپ کسی کو کچھ عطا فرماتے تو سب سے چھپا کر دیتے اور باوجود ضرورت کے اپنے لئے کچھ نہ رکھتے۔ جو کچھ آتا سب راہ خدا میں صرف فرما دیتے۔ جس دن آپ نے وفات پائی اس دن معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کے سو گھروں کا وظیفہ آپ کی ذات سے مقرر تھا جو آپ خود پوشیدہ طور پر پہونچا دیتے تھے۔ ضعیف اور کمزور لوگوں کے لئے آپ کنوئیں سے پانی نکالتے اور مشک کندھے پر رکھ کر خود پہونچا دیتے۔ آپ کی کمر پر مشک اٹھانے سے نشان پڑ گیا تھا۔ کثرت عبادت و ریاضت کی وجہ سے آپ بہت نحیف و کمزور ہوگئے تھے ۔ ایک دن صاحبزادے امام محمد باقر علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ آخر اتنی سخت عبادت کی کوئی حد بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کیا میری طرف سے احکم الحاکمین کے دربار میں تم جوابدہی کروگے۔ اللہ کے لئے جس قدر رنج و محبت مشقت واذیت میں برداشت کرتا ہوں وہ مجھے دنیا ومافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔ ایک شخص نے آپ پر الزام لگایا۔ آپ نے فرمایا اگر میں ایسا ہی ہوں جیسا کہ تم مجھے کہتے ہو تو میں جناب باری میں توبہ واستغفار کرتا ہوں اور اگر میں اس تہمت سے پاک ہوں تو اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ تمہاری خطا معاف فرمائے۔ یہ سن کر وہ شخص اٹھا اور آپ کے قدموں کو بوسہ دیکر کہنے لگا آپ بیشک اس الزام سے پاک ہیں جو میں نے آپ پر لگایا یہ میری بڑی گستاخی ہے برای خدا مجھے معاف فرمایئے۔ آپ نے فرمایا میں نے معاف کیا اور اللہ معاف فرمائے۔ اس شخص نے یہ آیت پڑھی '' اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَلَتَهٗ '' (یعنی اللہ خوب جانتا ہے کہ نبوت کی اہلیت اور اس کا استحقاق کس کو ہے) بیشک آپ کا خاندان رسالت ونبوت ولایت وامامت کا خاندان ہے۔

حضرت امام زین العابدین اپنے والد کے ساتھ میدان کربلا میں موجود تھے۔ اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ سخت بیمار تھے جب سب اصحاب وانصار حسین شہید کردئے گئے تو شمر ذی الجوشن

اپنے سپاہیوں کے ہمراہ درانہ خیمہ میں گھس آیا اور اس نے حضرت زین العابدین کو دیکھ کر کہا کہ اس کو بھی قتل کردو۔ ایک آدمی نے کہا کہ ہم ایسے نو جوان مریض کو قتل کردیں جو لڑائی میں نہ تھا۔ عمر بن سعد نے کہا اس مریض سے کچھ نہ بولو۔ ابن سعد بد نہاد نے منادی کرادی کہ جو شخص علی بن حسینؑ کو ہمارے پاس لائے گا وہ تین سو درہم انعام پائے گا۔ حضرت امام فرماتے ہیں ایک شخص روتا ہوا میرے پاس آیا اور میرے ہاتھ گردن میں باندھنے لگا۔ واللہ وہ مجھے ان لوگوں کے پاس بندھا ہوا لے گیا اور ان لوگوں کے حوالے کرکے تین سو درم حاصل کر لئے۔ مجھے ابن زیاد کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے کہا تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے کہا علی بن حسینؑ! کیا اللہ نے علی کو قتل نہیں کر دیا؟ میں نے کہا میرے ایک بھائی تھے جن کا نام بھی علی تھا انہیں لوگوں نے قتل کر دیا۔ اس نے کہا نہیں اللہ نے انہیں قتل کیا۔ میں نے کہا" اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا"(اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت نکال لیتا ہے) اس نے میرے قتل کا حکم دیا۔ حضرت زینب بنت علیؑ نے چلا کر کہا "اے زابن زیاد! تجھے ہم لوگوں کا خون (جو تو کر چکا ہے) کافی ہے! میں اللہ کے واسطے تجھ سے درخواست کرتی ہوں پہلے مجھے قتل کروادے پھر اس کو قتل کرانا" اس نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

جب آپ کو کوفہ یزید کے دربار میں لے جایا جارہا تھا تو کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا **كيف اصبحتم اهلبيت الرحمة** آپ نے جواب دیا "**اصبحنا من قومنا بمنزلة قوم موسیؑ من آل فرعون يذبّحون ابنائنا ويستحيون نسائنا فلا نذرى بامن سائنا وهذا حقيقة بلا۔**"

ترجمہ: کیسی صبح کی تم نے اے اہل بیت نبوت؟ ہماری صبح ہماری قوم کے ہاتھ سے ایسی ہے جیسی موسیٰؑ کی صبح قوم فرعون کے ہاتھ سے تھی۔ ہمارے بچوں کو مار ڈالا ہماری عورتوں کو لونڈی بنایا گیا نہ ہم کو صبح کی خبر ہوتی ہے نہ شام کی۔ یہ ہماری مصیبت کی حقیقت ہے۔

ایک مرتبہ ہشام بن عبد الملک طواف خانہ کعبہ کے لئے آیا ہوا تھا ہجوم خلائق کی وجہ سے اسے سنگ اسود تک جانے کی جگہ نہ ملی۔ اتنے یں جناب امام زین العابدینؑ تشریف لائے۔ لوگ آپ کو دیکھ کر ادھر۔ رادھر ہوگئے اور آپ نے بااطمینان سنگ اسود کو بوسہ دیا۔ ہشام کے کسی مصاحب نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟" تو ہشام نے اس لئے کہ کہیں اہل شام انکی طرف راغب نہ ہوجائیں۔ یہ جواب دیا کہ میں ان کو نہیں جانتا۔ وہاں فرزدق شاعر موجود تھا اس نے یہ بات سنی تو کہا میں ان کو

جانتا ہوں پھر ایک قصیدہ آپ کی مدح میں پڑھا جس کا ترجمہ حضرت احمد جامی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم کیا ہے۔ اس قصیدے کے چند شعر بطور نمونہ تحریر کر رہا ہوں قصیدہ میں ستر اشعار ہیں۔

قصیدہ فرزدق کا فارسی ترجمہ پیش خدمت ہے

پور عبدالملک بنام ہشام — در حرم بود با اہالی شام
میزدند از طواف کعبہ قدم — لیک از ازدہام اہل حرم
استلام حجر ندادش دست — بہر نظارہ گوشۂ بنشست
ناگہان زبدہ ولی و نبیؑ — زیؑن عبّاد بن حسینؑ علیؑ
ہر طرف میگذشت بہر طواف — در صف خلق می فتاد شکاف
زد قدم بہر استلام حجر — گشت خالی ز خلق راہ گذر
شامیی کرد از ہشام سؤال — کیست با ایں چنین جمال و جلال
گفت نشناسمش ندانم کیست؟ — مدنی یا یمانی یا مکی است
بوفراس آن سخنور نادر — بود در جمع شامیان حاضر
گفت من می شناسمش نیکو — زچہ پرسی بسوئے من کن رو
آنکس است ایں کہ مکہ و بطحا — زمزم و بوقُبیس و جنت ماوا
ہر یک آمد بقدر او عارف — بر علوّ مقام او واقف
قرۃ العین سیدالشہدا است — زہرۂ شاخ و دمۂ زہرا ست
میوۂ باغ احمد مختار — لالۂ باغ حیدرؒ کرار
کہ بریں سرور ستودہ شیم — بے نہایت رسید فضل و کریم
جد او را بمسند تمکین — خاتم الانبیا نقش نگین
در عرب در عجم بود مشہور — گو ندانش معاند و مغرور
حب ایشان دلیل صدق و وفاق — بغض ایشان دلیل کفر و نفاق
چون بدان شاہ حق شناس رسید — قصۂ مدح بوفراس شنید
از درم بہر آن نکو کردار — کرد حالی روان دہ و دوہزار

بوفراس آن درم نکرد قبول گفت مقصود من خدا و رسول
قال زین العباد والعُبّاد ما بود به عوض لانرتاد
زان که ما اہل بیت احسانیم ہرچه دادیم .باز نستانیم
آفتابیم بر سپہر علا نفتد عکس پا دگر سوئے ما
چو فرزدق به آن وفا و کرم گشت بینا قبول کرد درم
ایں نه رفض است محض ایمان است رسم معروف اہل عرفان است
رفض گرہست حب آل نبی رفض فرض است بر ذکی و غبی

ابی جعفر سے روایت ہے ہ حضرت امام زین العابدینؓ نے دو مرتبہ اپنا مال اللہ کے اور اپنے درمیان تقسیم کردیا (یعنی آدھا مال اللہ کی راہ میں خیرات کردیا آدھا اہل وعیال کے لئے رکھا) اور فرمایا کہ اللہ گناہ گار مومن کو پسند کرتا ہے جو توبہ کرنے والا ہو۔

ایک شخص جس کا نام مستقیم تھا ان سے مروی ہے کہ ہم حضرت علی بن حسینؓ کے پاس رہتے تھے ان کے پاس سائل آتا تو کھڑے ہوجاتے اور اسے بہت دیتے اور کہتے کہ خیرات سائل کے ہاتھ میں پڑنے سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا۔

چند ملفوظات

آپ فرماتے ہیں کہ بندہ غضب الٰہی کے قریب اس وقت ہوتا ہے کہ جب وہ کسی پر غیظ وغضب ظاہر کرتا ہے۔

صدقہ (خیرات) آتش الٰہی کو بجھا دیتا ہے۔

ناامیدی ہر گناہ سے بدتر گناہ ہے۔

جب عارف نافرمانی کرتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ ہم غیر عارف کو اس پر مسلط کردیتے ہیں۔

سعید وہی ہے کہ اس کی رضا باطل پر محمول نہ ہو اور جب غصہ ہو تو حق سے باہر نہ جائے۔

چند کرامات

زہری ناقل ہیں کہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے آپ کی ٹانگوں میں بیڑیاں ڈال کر حراست میں

شام بھیجا جارہا تھا اور آپ کی نگہبانی کے لئے بہت سے آدمی مقرر کئے گئے تھے۔ میں بہت کوشش کرکے اس بارے میں کامیاب ہوا کہ آپکو سلام کرسکوں۔ جب آپ کی خدمت مبارک میں پہونچا تو دیکھا کہ آپ کے پائے مبارک میں بھاری بھاری زنجیریں ہیں اور گلے میں لوہے کا طوق پڑا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر میں رو پڑا اور عرض کیا کہ کاش آپ کی جگہ میں اس آفت میں مبتلا ہوتا اور آپ آزاد ہوتے آپ نے فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ تکلیف مجھ کو شاق ہے۔ اگر میں چاہوں تو اس کو ابھی دور کردوں یہ کہتے ہوئے آپ نے اشارہ کیا پاؤں کی بیڑیاں گردن کا طوق علیحدہ جاپڑے۔ پھر فرمایا میں اس میں خوش ہوں کیونکہ بندگی و بے چارگی کی شان اور خوف الٰہی کا مشاہدہ اس حال میں زیادہ اچھا ہوتا ہے یہ فرما کر طوق و رسن کو دوبارہ پہن لیا فرمایا کہ دو منزل سے زیادہ میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ زہری کہتے ہیں کہ چار روز کے بعد میں نے دیکھا جو لوگ جو آپ کو قید کرکے لے جارہے تھے۔ مدینہ واپس آئے ہیں اور آپ کو تلاش کررہے ہیں ان سے حال پوچھنے پر وہ بولے کہ عجیب آدمی ہیں ہم سب ان کے آگے پیچھے موجود تھے اور وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے تھوڑی دیر میں دیکھتے کیا ہیں کہ ہتکڑیاں بیڑیاں پڑی ہیں اور وہ نہیں ہیں۔ زہری چند روز کے بعد عبد الملک کے پاس گئے اور یہ واقعہ اس سے بیان کیا وہ کہنے لگا کہ جناب امام جس وقت ان لوگوں کے پاس سے غائب ہوئے اس وقت میرے پاس دمشق میں آگئے اور فرمایا تو نے مجھے کیوں بلایا ہے مجھ پر ان کی ہیبت طاری ہوگئی میں نے عرض کیا آپ میرے پاس رہیں تو ہر طرح کی خدمت بجالاؤں گا اور مرضی نہ ہو تو آپ مختار ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے تمہارے پاس رہنے کی ضرورت نہیں ہے یہ فرما کر آپ چلے گئے پھر ان کو دمشق میں کسی نے نہیں دیکھا۔

زہری کہتے ہیں میں نے عبد الملک سے کہا کہ جناب امام کے دل میں طمع بادشاہت نہیں ہے وہ ہمیشہ مشغول عبادت رہتے ہیں۔ عبد الملک بولا مشغلہ مبارک ہے اور ان کا حال اور بھی مبارک۔ چند روز کے بعد عبد الملک نے حجاج کو لکھا بنی مطلب کی ایذا دہی سے پرہیز کرو کیونکہ آل ابو سفیان نے ایسا کیا تھا تو چند روز میں ان کی سلطنت جاتی رہی۔ اس خط کو بہت خفیہ طریقہ سے احتیاط سے بھیجا گیا تھا۔ جناب امام کو یہ سب حال کشف سے بتادیا گیا آپ نے اسکے پاس ایک قاصد بھیجا کہلایا تم نے فلاں تاریخ فلاں دن جو خط حجاج کو بھیجا اس کا مضمون خدا کی مرضی کے مطابق تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اللہ نے تیرے ایام سلطنت میں کچھ اضافہ

فرمایا دیا ہے۔ عبد الملک اس فرمان کو پا کر بہت خوش ہوا اور آپ کے قاصد کے اونٹ پر اس قدر درہم لدوائے جتنے وہ لے جا سکتا تھا۔

ایک مرتبہ چند چڑیاں آپ کے پاس چہچہا رہی تھیں۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا تم سمجھتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ لوگوں نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا یہ تسبیح کر رہی ہیں اور اللہ سے اپنا رزق مانگ رہی ہیں۔

ایک رات ایک شخص جنت البقیع میں دعا کر رہا تھا کہ الٰہی تو مجھے علم عطا فرما کہ زاہد دنیا اور راغب آخرت کون ہے؟ تو غیب سے آواز آئی کہ وہ علیؑ ابن حسینؑ ہیں۔

ایک دن آپ ایک اونٹنی پر سوار تھے اور وہ آہستہ چل رہی تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا تیز چل ورنہ میں تجھے لکڑی سے ماروں گا۔ اس وقت وہ تیز چلنے لگی۔ ایک مرتبہ جنگل میں امام کھڑے تھے ایک ہرنی آئی آپ کے پاس آکر (اپنے اگلے پیر زمین پر مارنے لگی آپ نے فرمایا یہ کہتی ہے فلاں آدمی میرا بچہ پکڑ کر لے گیا ہے آپ اس کو بلا دیجئے میں دودھ پلا دوں لوگوں نے اس شخص کو بلایا جب وہ آیا جناب امام نے فرمایا تو اس کا بچہ پکڑ لایا ہے۔ یہ چاہتی ہے کہ اس کو دودھ پلادے۔ اس نے وہ بچہ اس وقت منگایا اور جناب امام کو نذر کر دیا ہرنی نے پہلے اسے دودھ پلایا پھر اپنے بچے کو لیکر چلی گئی۔ اس وقت وہ کچھ اپنی زبان میں بولی لوگوں نے دریافت کیا یہ کیا کہتی ہے۔ امام نے کہا کہ تم لوگوں کے حق میں دعا کرتی ہے۔

ایک مرتبہ استلام حجر اسود ایک شخص کا ہاتھ سنگ اسود سے چپک گیا اور کسی طرح جدا نہیں ہوتا تھا آخر یہ طے کیا گیا کہ ہاتھ کاٹ دیا جائے اتنے میں جناب امام زین العابدین تشریف لے آئے آپ نے اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا وہ فوراً چھوٹ گیا۔

جب آپ یزید کے یہاں قید خانے میں تھے تو آپ نے ایک مناجات بحضور جد امجد رسول پروردگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہی جس کو میں یہاں لکھ رہا ہوں۔

قصیدہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

ان نلت یا ریح الصبا یوما الی ارض الحرم   بلغ سلامی روضة فیھا النبی المحترم

من وجھه شمس الضحیٰ من خده بدر الدرجی   من ذاته نور الھدیٰ من کفه بحر الھمم

قرانه برھاننا نسخا لا دیان مضت   اذ جائنا احکامه کل الصحف صار العدم

اکبا دنا مجروحۃ من سیف هجر المصطفیٰ	طوبیٰ لا هل بلدة فیها النبی المتثم
یا لیتنی کنت کمن یتبع نبیا عالما	یوما ولیلا دائما وارزق کذالی والکرم
لی حرة اسمع کذالم لم اصف المصطفیٰ	فی کل حین قد مضی فی الحال ما یحصل بهم
لست براح مفرداً بل اقربائی کلهم	فی القبر اجفع یا شفیع بالصفادوالنون والقلم
یا مصطفیٰ یا مجتبیٰ ارحم علی عصیاننا	مجبورة اعمالنا یا چفیع بالصادوالنون والقلم
یا رحمة للعالمین انت شفیع المذنبین	اکرم لنا یومه الحزیں فضلاً وجودا والکرم
یا رحمة للعالمین ادرک لذین العابدین	محبوس ایدی الظالمین فی الموکب والمزوحم
اغفر الٰهی ما مضی واحسن الٰهی مابقیٰ	بارک لنا یا سیدی فی الابتدا والانتهم

وفات شریف

آپ نے جس شب میں رحلت فرمائی اس شب میں اپنے صاحبزادے امام محمد باقر علیہ السلام سے فرمایا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ۔ وہ پانی لائے۔ رات اندھیری تھی مگر جناب امام نے فرمایا کہ بیٹا اس پانی میں کوئی جانور مر گیا ہے دوسرا لاؤ فوراً چراغ منگا کر دیکھا گیا تو اس میں ایک چوہا مرا ہوا تھا نماز سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے وصیتیں فرمائیں اور تبرکات سپرد کئے اور اسرار امامت منتقل فرمایا پھر وصال فرمایا۔ ۱۸ رمحرم الحرام ۹۴ھ مطابق ۲۵ راکتوبر ۷۱۲ء بروز شنبہ وصال ہوا عمر شریف ۵۷ برس کی تھی۔

نوٹ: تمام حالات طبقات بن سعد شواہد النبوۃ مصنفہ عبد الرحمٰن جامی۔ تاریخ طبری جلد پنجم۔ ابن خلدون جلد چہارم طبع ۱۳۲۰ھ تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ جلد ششم و ہفتم سے لئے گئے ہیں۔

معاشرہ و معیشت
امام جعفر صادقؑ کی نظر میں

پروفیسر شاہ محمد وسیم

حدیث پیغمبر آخرالزماں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں یہ دنیا میدان عمل ہے جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے "الدنیا مزرعة الآخرہ "(دنیا آخرت کی کھیتی ہے) ہر شخص کو اپنے اہل وعیال کے لئے روٹی روزی کمانے کے لئے محنت مشقت کرنا ہے۔ سماج پر بوجھ بننا یا بلاوجہ دست سوال دراز کرنا معیوب ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس شخص کے کردار میں بلندی پائی جاتی ہے" ...جو بھیک مانگنے پر موت کو ترجیح دیتا ہے"۔[1]

یہ دنیا میدان عمل ہے، یہاں جائز طریقوں سے روٹی روزی کمانا حصول آخرت سے باز نہیں رکھتا۔ دائرہ عمل میں یہ بھی آتا ہے کہ کسی دوسرے سے بلا وجہ کوئی کام کرنے کو نہ کہا جائے۔ منقول ہے کہ" پیغمبرؐ سے کچھ امتی بولے۔ ہم آپ سے یہ استدعا کرنے آئے ہیں کہ آپ جنت میں ہمارے داخلے کے ضامن بن جائیں۔ (یہ سنکر) آپؐ نے تھوڑی دیر سکوت اختیار فرمایا اور پھر کہا کہ ہاں! میں ایسا کروں گا مگر تم لوگ یہ عہد کرو کہ کسی سے کوئی مراعات نہیں چاہوگے۔ انہوں نے وعدہ کیا۔ (تو آپؐ نے فرمایا کہ) جب تم لوگ گھوڑے کی پشت پر حالت سفر میں ہوگے اور تم میں سے کسی کا کوڑا گر جائے گا تو وہ اسے خود اٹھائے گا اور کسی دوسرے ہم سفر یا پیدل چلنے والے سے اٹھانے کو نہ کہے گا۔ اور جب کھانہ کھا رہے ہوگے تو پینے کے لئے پانی لینے خود جاؤ گے اور کسی دوسرے سے نہ مانگو گے[2]

اس واقعہ سے اپنا کام آپ کرو اور دوسروں کی عزت کرو کا سبق ملتا ہے۔ مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں اقدام وعمل کرنے کا درس اور اس پر تاکید بھی موجود ہے۔ محنت ومشقت کیوں ضروری ہے اسے سمجھنا ہوتو آئمہ علیہم السلام کے ارشادات میں سے امام جعفر صادقؑ کے ارشادات کو دیکھئے کہ

۱۔ منہاج الصادقین، ۲۔ ایضاً، صفحہ ۱۳۶

آپ نے فرمایا کہ" میں اپنے کھیت پر خود کام کرتا ہوں یہاں تک کہ میں پسینے میں شرابور ہو جاتا ہوں، حالانکہ میرے مددکرنے والے ہیں مگر میں ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ اللہ کے حضور میں میرا شمار دیانتدار انہ طور پر روٹی روزی کمانے والوں میں ہو۔" ۳ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے وصیت نامے میں یہ کہا ہے" کسی حرفت (وپیشہ) میں باعزت محنت کا ماحصل اس جمع ہونے والے مال سے بہتر ہے، جسے فسق وفجور کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔" ۴

لیکن محنت ومشقت اور ہے اور تجارت اور دوسرے تکنیکی کام اور ہیں۔ مزدور کی ترقی کی منزلیں اور مواقع کم بھی ہیں اور صبر آزما بھی۔ عمار ثباتی نے بیان کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ" کسی کو نہیں چاہتے کہ وہ اپنے کو فروخت کرڈالے، مگر (یہ کہ) خدا سے روزی طلب کرے (یعنی مزدوری سے بہتر اقدام کرے) اسے تجارت کرنا چاہیے کیونکہ اپنے کو بیچ ڈالنے سے ترقی کے مواقع گھٹ جاتے ہیں۔" ۵

یہاں یہ بیان کردینا بھی ضروری ہے کہ بہت سے محنت کش اور تجارت کرنے والے زیادہ اور زیادہ کی ہوس کے شکار ہوکر، اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔ دولت کی ہوس اور اس کی پوجا نے معاشرہ کی کیا حالت بنا ڈالی ہے؟ آج ہر شخص پریشان نظر آتا ہے۔ اسلام نے قناعت کے نظریۂ کو عام کرکے نہ صرف یہ کہ ذہن انسانی کو سکون عطا کیا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لئے مواقع عام کئے ہیں کہ جہاں ایک رکا دوسرے نے ذمہ داری سنبھالی۔ اس طرح ہر محنتی اور ایماندار شخص کے لئے روزگار اور ترقی کے مواقع موجود ہیں۔ اس طرح سکون، اطمینان قلب اور ترقی سب ہاتھ آئیں گے۔ جائز طریقوں سے روٹی روزی کمانے اور ترقی کرنے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی ہے، بشرطیکہ حقوق اللہ بھی ادا ہوتے رہیں اور حقوق العباد بھی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔

" اگر کچھ کم تمہیں کچھ زیادہ کے مقابلہ میں سکون عطا کرسکتا ہو تو یہ اس دنیا کا کچھ کم تمہارے لئے کافی ہے۔ اور اگر یہ قناعت نہ عطا کرسکے تو دنیا کی تمام تر (چیزیں) بھی تمہاری ہوس کو پورا نہ کرپائیں گی۔" ۶

اس کے ساتھ ہمیں سورہ زخرف کی ۳۲ ویں آیت میں ارشاد خداوندی کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔

۳۔ لوائے الاخبار، صفحہ ۳۳۱، ۴۔ مکتوب ۳۱ (وصیت نامہ)، نہج البلاغہ (انگریزی سے ترجمہ)، ۵۔ بحارالانوار جلد ۲۳، ۶۔ ایضاً جلد ۱۴

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۔

(کیا وہ تمہارے رب کی رحمت کو تقسیم کریں گے؟ ہم ان میں اس زندگانی دنیا میں ان کی روزی تقسیم کرتے ہیں۔ اور ہم ہی نے ان میں سے بعض کو بعض پر رتبہ میں فوقیت عطا کی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں اور تمہارے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے مندرجہ بالا آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ "اللہ نے (لوگوں کے) ارادوں (اور پسند وناپسند) میں فرق رکھا ہے، (اسی طرح ان کی) ہمت اور اقدامات میں اور دوسرے حالات میں، اور انہیں اقتصادی (اور سماجی) زندگی گذارنے کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے پر اپنی معاشی (اور سماجی) ضروریات کے لئے منحصر رہ کر، اپنی حالت میں بہتری لائیں گے

اسی طرح تجارت کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ "تجارت کرنا نہ چھوڑو کہ اس کا ٹھکرانا تمہارے لئے سبکی کا باعث بن سکتا ہے۔ تجارت کرو، اللہ تمہاری کوششوں کو قبول فرمائیگا۔" ۸

لیکن تجارت کے لئے محنت کے ساتھ ساتھ ایمانداری کی شرط ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جو تجارت کرنا چاہے اسے شریعت کا علم ہونا چاہیئے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ کس بات کی اجازت ہے اور کس سے منع کیا گیا ہے۔ اسی لئے جو تجارت میں قانون شریعت کو جانے بغیر داخل ہوتا ہے اس کے حصے میں شکوک (کہ کس امر کی اجازت ہے اور کس کو منع کیا گیا ہے) آئیں گے" ۹ دین کے لئے یہ ضروری ہے کہ "وزن اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک ترازو جھک نہ جائے۔" ۱۰ امام نے اس کا مفہوم یہ کہہ کر بیان کیا کہ "اس کا مطلب یہ ہے کہ دینے والے کو ذرا کچھ زیادہ دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اور جب ایسا ہو تو لینے والے کو ذرا کچھ کم لینے کے لئے بھی۔"

اب تجارتی دنیا پر نظر ڈالئے۔ آئے دن کے جھگڑے، دولت کی ہوس اور ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑ جانے کی آرزو اور مداخلت بے جانے سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ اب ذرا امام جعفر صادقؑ کے

۷۔ تفسیر برہان (سورہ زخرف کی آیت ۳۲ کی تفسیر)، ۸۔ اصول کافی، ۹۔ المکاسب، ۱۰۔ تفسیر آیت اور زنو بالقسطاس المستقیم۔

اس بیان پر نظر کیجئے آپ نے فرمایا کہ'' پیغمبر نے اپنے مسلمان بھائی کے تجارتی معاہدہ میں دخل اندازی کرنے سے منع فرمایا ہے۔'' [۱۱] یہ حکیمانہ قول ہماری رہبری کے لئے کافی ہے۔ہاں ! مسابقت (competition) ہومگر صحتمند ۔ ایک ایماندار تاجر کی عظمت بیان کرتے ہوئے آپؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ''لاریب !ایک ایماندار تاجر قیامت کے دن فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔'' [۱۲]

اب ذرا ذخیرہ اندوزی اور اس کے اثرات پر نظر کیجئے۔ خاص کران صارفین پر جن کی آمدنی محدود ہے اور وہ جن کے پاس وسائل کی کمی ہے۔ ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے بازار میں اشیاء کی کمی واقع ہوجاتی ہے اور قیمتوں میں اضافہ ہونے لگتا ہے ۔ یقیناً یہ ایک معاشی اور سماجی برائی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ'' صارفین کے استعمال کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرکے لوگوں کو اس حالت میں چھوڑنا کہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو، جرم ہے۔'' یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ذخیرہ اندوزی کرنا اس لئے منع ہے کہ پیغمبرؑ نے ارشادفرمایا کہ خداوند عالم نے ان تاجرون پر رحمت کا وعدہ فرمایا ہے جو اشیاءخوردنی کی فراہمی کرکے (ان کی کمی کو دور کرتے ہیں) اور ان تاجروں پر عذاب کا، جو ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں۔

ذخیرہ اندوزی دو وجوہات کی وجہ سے (خاص کرممنوع قرار دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ جب ذخیرہ اندوزی ان اشیاء کی ہو، جو صارفین کے لئے (اشدضروری) ہوتی ہیں جیسے گیہوں، جو، کھجور، گوند تیل اور نمک جن کی قیمتوں پر فروخت کرنے والوں کا اختیار ہو، اور دوسری وہ کہ جس کا صرف ایک ہی فروخت کرنے والا (monopoly) ہو۔ان دونوں صورتوں میں حکومت انھیں (مناسب قیمت پر) فروختگی کے لئے مجبور کرسکتی ہے۔'' [۱۳]

مگر بہرحال سامان کومہیا کرنے اور پھر انھیں فروخت کرنے میں وقت تو لگتا ہی ہے۔ اس لئے سامان کو صارفین تک پہونچانے اور انہیں مہیا کرنے کے مابین جو وقفہ ہوتا ہے، اس میں انھیں گودام میں حفاظت کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ تاکہ صارفین کی مانگ (demand) کو بروقت پورا کیا جاسکے اور منافع بھی حاصل ہو۔ اگر تاجر کی نیت صاف ہوتی ہے۔ تو مال آتا رہتا ہے اور فروخت ہوتا رہتا ہے، البتہ اسٹور میں سامان کا رہنا بھی ضروری ہے اگر نیت کی خرابی کے ساتھ مال کو ناجائز طور پر دبا کے رکھا جائے تو یہ قیمتوں میں اضافہ کاباعث ہوگا۔ مال کے ذخیرہ کرنے پر نظر رکھنا ضروری ہے ۔

۱۱۔ الحدایق النظارہ، ۱۲۔ وسائل صفحہ ۲۸۴، ۱۳۔ کنز العرفان، باب المکاسب

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مال کو چالیس دن تک ذخیرہ کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ قیمتیں ٹھہری ہوئی ہوں ، اور اس صورت میں جب بازار کی حالت اچھی ہو ، ورنہ قلت کی صورت میں صرف تین دن تک۔ اور وہ جوان حدود سے تجاوز کرتے ہیں ،گنہ گار ہیں۔'' ۱۴

اسی طرح آپ (امام جعفر صادق علیہ السلام) نے مجبوری کی صورت میں ناجائز فائدہ حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جب بازار کی حالت خراب ہو اور لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان کا استحصال ہورہا ہو تو یہ بدترین اقدام ہے۔آپ نے فرمایا ہے کہ'' ایسے خراب وقت میں کچھ ایسے افرادنمودار ہوں گے جو مجبور لوگوں سے خرید فروخت کریں گے۔ اور یہ لوگ (مجبور لوگوں سے ناجائز فائدہ اٹھاؤیں گے) کمین ترین ہوں گے۔'' ۱۵ اس طرح کے لین دین کو مجبوری والے لین دین (distress transaction) کہاجاتا ہے۔ اور اس کی ممانعت ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں منافع کی تواجازت ہے لیکن حد سے زیادہ منافع خوری ایک معیوب عمل ہے ۔ لیکن دیکھنے میں تو یہی آتا ہے کہ ہر تاجر' ہر صنعتکار اور ہر در آمد اور برآمد کرنے والا (importer and exporter) زیادہ سے زیادہ منافع کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔

ایک بار امام جعفر صادق علیہ السلام نے مصارف کو ایک ہزار گنیاں دیں اور کہا کہ مال کی خریداری کے لئے کاروان تجارت کے ساتھ چلے جاؤ ۔ اس جانے والے کارواں نے راستے میں ایک آتے ہوئے کارواں سے ملاقات کی تو معلوم ہوا کہ یہ مال جو یہ کارواں مصر لے جارہا ہے ، وہاں کمیاب ہے۔ بس اس کارواں تجارت نے اپنے مال کو صد در صد منافع پر فروخت کیا۔ واپسی پر مصارف نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو روئیداد سنائی تو آپ نے فرمایا:

'' کیا خوب ! تم لوگ کس طرح کے انسان ہو؟ کہ تم لوگوں نے آپس میں یہ فیصلہ کرلیا کہ مسلمانوں کو مال بغیر ایک گنی پر ایک گنی منافع کے نہ بیچوگے۔ اس کے بعد امامؑ نے رقوم کی دونوں تھیلیوں کو اٹھایا اور کہا: یہ ایک تھیلی میری ہے، میں (ناجائز) منافع کمانا نہیں چاہتا۔ اور یہ (بھی) فرمایا: اے مصارف ! تلوار سے لڑنا آسان ہے مگر ایماندارانہ طور پر (روزی) کمانا مشکل ہے۔'' ۱۶

پھر ربوٰی کا معاملہ ہے۔ قرآن حکیم نے اس کی ممانعت کی ہے۔ اس ضمن میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ'' آمدنی کے ذرائع میں سب سے نجس ذریعہ ربوٰی یا سود خوری

۱۴۔ لوائے الاخبار ،صفحہ ۹۰، ۱۵۔ وسائل الشیعہ ۷ ۱۴، ۱۶۔ فروغ کافی

ہے۔'' ۱۷ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اذا اراد الله بقوم هلاکاً ظهر فيهم الربا۔ (جب اللہ کسی قوم (بد) کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو ان میں سودخوری رائج ہوجاتی ہے)۔ ۱۸

اسی طرح انسانی معاشرہ میں دھوکہ دھڑی کو لیجئے ۔ آدمی آدمی پر سے اعتبار کھو بیٹھا ہے۔ اس کا پتہ لگانا ہو تو ادھار لینے دینے والوں کی داستان سنیئے ۔ کردار ابھر کر سامنے آئیں گے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے:

''وہ جو ادھار تو لیتا ہے مگر واپس نہ کرنے کی نیت سے، دراصل چور کی مانند ہے ۱۹

یہاں یہ بیان کردینا بھی ضروری ہے کہ ادھار دینا خیرات دینے سے بہتر ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ ''پیغمبر نے فرمایا کہ اگر میں ایک ہزار درہم کو دو قرضوں میں الگ الگ دے دوں تو یہ (سب کا سب) خیرات دینے سے بہتر ہے۔ اور تمہارے یعنی مقروض کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ قرض واپس نہ کرنے کی نیت سے ایک بہانہ یا دوسرا بہانہ کرتا پھرے۔ اسی طرح قرض دینے والے کیلئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ ایسی حالت میں کہ مقروض مشکل میں ہو، اپنے قرض کی ادائیگی پر مصر ہو۔'' ۲۰

اب ذرا ٹیکس (tax) اور اس کی ادائیگی کے مسئلہ پر غور و فکر کریں۔ آج ہر ملک میں کاشتکار اور کھیتی کی زمین پر لگان کے باب میں معیشت کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے گفتگو ہو رہی ہے۔ اعلال ارزق نے بیان کیا ہے کہ'' میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنی رحلت کے وقت حضرت علیؑ سے کہا: اے علی! تمہارے رہتے ہوئے نہ تو کسی کسان پر ظلم کرنے کی اجازت ہو اور نہ ان پر طے شدہ لگان بڑھایا جائے اور نہ کسی کسان سے زمیندار بیگار یعنی زبردستی محنت و مشقت کروائے۔'' ۲۱

مسائل عصر جدید اور ان کی وجہ سے پریشان دنیای انسانیت کو ہمیں تعلیمات خدا و رسول اور آئمہ اطہار سے روشناس کروانا چاہئے تاکہ انسانی معاشرہ کو اطمینا و سکون نصیب ہو۔ معاشرتی، اقتصادی اور سائنسی مسائل پر قرآن و رسولؐ اور آئمہ اطہار کے انکشافات کو جمع کر کے ہمیں اسے عام کرنا چاہئے اور اس کے لئے علماء اور دانشوروں کو مل بیٹھ کر کام کرنا ہوگا۔

۱۷۔ تفسیر آیات متعلق ربوی،
۱۸۔ وسائل ۱۲/ ۴۲۷ بحوالہ الحیٰوۃ، جلد ۵، صفحہ ۵۰۹،
۱۹۔ کنز العرفان، صفحہ ۲۹۱، ۲۰۔ وسائل، صفحہ ۲۸۷،
۲۱۔ ایضاً، صفحہ ۲۷۶

شعرو ادب

مراثی انیسؔ میں باطل کردار کی عکاسی

وسیم حیدر ہاشمی

دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو اپنے کارناموں اور اپنی صلاحیتوں نے تاریخ کا باب بن جاتے ہیں اور کہاوت اور محاروں کو باطل کردیتے ہیں۔ ایسے چند گنے چنے لوگوں میں ایک نام میر ببر علی انیسؔ کا بھی ہے جس نے شاعری کی بے مثل صلاحیتوں سے کم سے کم دو کہاوتوں کو ایک دم باطل کردیا۔ نمبر ایک اردو کی کہاوت ''... بگڑا شاعر مرثیہ گو...'' اور نمبر دو انگریزی کہاوت ''every peak is vacant''اس میں کوئی شک نہیں کہ دور جدید کے مرثیہ کے بانی میر ضمیرؔ تھے۔ انہیں کے زمانے میں مستقل طور پر مرثیہ کو مسدس کی شکل میں اپنایا گیا اور اسکے اجزائے ترکیبی بھی طے ہوئے۔ میر انیس تک پہونچتے پہونچتے مرثیہ چونکہ ایک ایسے بیانیہ کی شکل اختیار کر چکا تھا جس میں نظم ،مثنوی ، قصیدہ ، منظر نگاری ، رزم سراپا، داستان، جابجا تغزل، اساطیر و دیو مالائیں ، محاورے،مکالمے اور شاعری کی تمام صفتیں جدید اجزائے ترکیبی کے ساتھ شامل ہوچکی تھیں اور میر انیسؔ کی صلاحیتوں نے ان تمام عناصر کو یکجا کرکے اس صنف شاعری کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچادیا اس لئے اس صنف شاعری میں اب تک کوئی کمی، بیشی یا تبدیلی ممکن نہ ہوسکی اور دنیائے ادب نے اسی کو مستند قرار دے دیا۔ میر انیسؔ کے زمانے میں بھی کم ازکم دو سو سے زائد مرثیہ گو موجود تھے جن میں بہت سے صاحب دیوان بھی ہیں۔ میر مستحسن خلیقؔ اور مرزا سلامت علی دبیرؔ تک ہر مرثیہ گو کے نام کے بعد comma لگتا گیا مگر میر انیسؔ نے اپنی زندگی کا آخری مرثیہ لکھنے کے بعد قلم توڑ کر جو اپنی بیاض بند کی تو نہ صرف ان کی بیاض بند ہوئی بلکہ مرثیہ گوئی پر آخری'' فل اسٹاپ'' لگ گیا اور اسی کے ساتھ درج بالہ دونوں کہاوتیں باطل ہوگئیں۔

جب مولانا الطاف حسین حالیؔ میر انیسؔ سے واقف ہوئے اور ان کی نظروں سے میر انیسؔ کا یہ شعر گزرا کہ:

سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر
مگر ہم نے پلہ گراں کردیا

تو انہوں نے بے اختیار یہ کہدیا کہ" اردو شاعری جو ایک مدت سے مایۂ راکد یعنی رکے ہوئے پانی کی طرح پڑی ہوئی تھی میر انیسؔ نے طوفان وتلاطم پیدا کردیا"۔[1]

عام شعرا کی مانند ایک محدود دائرہ تک تو میر انیسؔ کے لئے حالیؔ کی یہ تعریف ٹھیک معلوم ہوتی ہے مگر حالیؔ جیسے صاحب نظر اور صف اول کے تنقید نگار نے بڑی کنجوسی سے کام لیا کیونکہ میر انیسؔ کے تمام خواص سے مولانا بخوبی واقف تھے۔ لیکن نہ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس کے تحت حالیؔ کے قلم کو لفظوں کی کمی محسوس ہونے لگی اور انہوں نے میر انیسؔ کے معاملے میں انصاف سے کام نہ لیا۔

اپنی اسی کتاب میں واقعات کربلا کی تلخیص لکھتے ہوئے انہوں نے کئی صفحات سیاہ کئے اور پورے واقعات میں انہوں نے" فوج یزید یا فوج عمر سعد" لکھنے سے پرہیز کیا۔ بے رحم اور بدکار و سفاک یزید کے لئے انہوں نے" ایک نالائق" اور اس کی ظالم فوج کے لئے" ٹڈی دل" جیسا لفظ استعمال کیا ہے۔ انداز ایک دم ایسا ہی ہے جیسے کوئی ناسمجھ اور غیر ذمہ دار بچہ اپنے والدین کا کہنا نہ مانتا ہو۔ ہوسکتا ہے لفظ یزید اور عمر انہیں اتنا مکروہ لگتا ہو کہ جسے لکھنے کے لئے انہیں اپنا قلم جھکانا بھی گراں گزرتا ہو اسی لئے انہوں نے ان مکروہ لفظوں سے پرہیز کیا ہو ورنہ واقعات کربلا کو کتنے بھی مختصر طریقے سے لکھا جائے یزید جیسے بھیڑیا صفت کو" نالائق کہہ کر گزر جاتا بڑا عجیب لگتا ہے۔اس کے علاوہ جگہ جگہ انہوں نے حضرت امام حسینؑ کو" نواسۂ رسول کہہ کر مخاطب کیا ہے جو کہ بھلا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ان کی کنیت ہے۔

میر انیسؔ اردو شاعری میں اپنے جن خواص کے لئے سدرۃ المنتہٰی پر نظر آتے ہیں ان میں انکی فصاحت بلاغت، سلاست، روانی، تشبیہات استعارات، رزم، منظر کشی سراپا نگاری، کردار نگاری، مکالمے، حفظ مراتب، لفظوں کی ترتیب و ترکیب اور ہر جگہ باریک سے باریک بات کا خیال رکھنا قابل ذکر ہے۔

ان اجزاء میں کردار نگاری بھی انیسؔ کی بڑی خصوصیت تھی جسے ہر کسی کے ساتھ انہوں نے نہایت حسن و خوبی سے نبھایا ہے۔ ان کے کرداروں میں جہاں ایک طرف حق کے طرفدار ہیں وہیں دوسری جانب باطل کے نمائندہ کردار بھی ہیں۔ حق کے طرفدار خدا پرستوں کی کردار سازی قدرے آسان محسوس ہوتی ہے کیونکہ ان میں خدا پرستی، حقانیت اور شجاعت کو اس طرح پیش کرنا مقصود ہوتا ہے

۱۔ مقدمہ شعر و شاعری۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ۔ ص ۱۹۱۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ نئی دہلی

کہ ان کے لئے ہر کس وناکس کے دل میں جگہ پیدا ہو اور آخر میں ان سچے خدا پرستوں کے خواص کو رسولؐ اور علیؑ کے خواص کے آئینہ میں پیش کردیا جاتا ہے جو اس کا بہترین اور مکمل اختتام محسوس ہوتا ہے مگر اس کے برعکس باطل کی کردار نگاری ایک مشکل کام ہے جسے میر انیسؔ نے اس حسن وخوبی سے پیش کیا کہ کہیں بھی کسی قسم کی کمی یا جھول نہیں آنے دیا اور انکا ہر مصرع ضرورت کے مطابق کبھی ساکن اور کبھی متحرک نظر آتا ہے۔

پیاس کا احساس ہر کسی کو ایک جیسا ہوتا ہے، وہ حق پرست ہو یا باطل پرست۔ پیاس کی شدت کے عالم میں دونوں کے ہونٹ، زبانؔ اور حلق خشک ہوجاتے ہیں اور تکلیف بھی دونوں کو ایک جیسی ہی ہوتی ہے مگر میر انیسؔ کی پیش کش کا انداز دونوں پیاسوں کے لئے ایک دم جدا ہوتا ہے:

(حضرت حر کی فوج) منھ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی۔

(حضرت امام حسینؑ) زبان پیاس کی شدت سے لڑکھڑاتی تھی۔

اسے انیسؔ کی قادر الکلامی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ پیاس کی شدت کے زیر اثر دو انسانی زبانیں ہیں مگر ہمدردی کا جزبہ صرف نمائندہ حق کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ باطل کے ایک اور نمائندے پر یہاں پیاس کا غلبہ ملاحظہ ہو۔اس منظر کی عکاسی، پیاسے ظالم کی کیفیت اور لفظوں کا اتار چڑھاؤ محسوس کرنے سے تعلق رکھتا ہے:

دی تھی جو بد دعا اسے شاہ دوسرانے ۔۔۔ اک آگ کلیجے میں لگادی تھی قضانے
سقوں کے پرے کھولے تھے مشکوں کے دہانے ۔۔۔ جلتا ہوا گھر جاتے ہیں جس طرح بجھانے
چلاتا تھا وہ پیاس مری آہ بجھاؤ
اب خانۂ تن جلتا ہے للہ بجھاؤ

تھے پیاس کے گرمی سے زبس جان کے لالے ۔۔۔ ساحل پہ گراجا کے زباں منھ سے نکالے
غیرت سے کھڑے کانپتے تھے دیکھنے والے ۔۔۔ جب پانی پیا حلق میں سو پڑگئے چھالے
ہر موج کا خم اس کے لئے ناگ ہوا تھا
پانی کا بھی اس وقت مزاج آگ ہوا تھا

آنکھوں کو نکالے تھے حبابوں کا تھا یہ حال ۔۔۔ موجوں کے طمانچوں سے ہوا جاتا تھا منھ لال
دریا اسے بڑھ بڑھ کے کئے دیتا تھا پامال ۔۔۔ مچھلی سا تڑپتا تھا کنارے وہ بد افعال

جھکتا تھا جو پینے کو تو ہٹ جاتا تھا پانی
بڑھتا تھا وہ سفاک تو گھٹ جاتا تھا پانی

اسے انیسؔ کا کمال شاعری ہی تو کہیں گے کہ انہوں نے اپنے شاعرانہ فن سے مردہ دریا میں وہ جان پھونک دی کہ وہ بھی ایسی زندہ ہیئت نظر آنے لگا جسے حق و باطل کی خوب پرکھ تھی۔

جنبش اور رفتار کی پیکر تراشی میں میر انیسؔ اور بھی چابک دستی سے کام لیتے ہیں۔ ان جگہوں پر ان کی خصوصی مہارت قابل دید ہے جب کہیں دور عمر سعد لشکر غبار کی مانند نظر آتا ہے۔ بس زمین کو ہلکی سی جنبش ہوتی ہے، کچھ صاف دکھتا نہیں، تصویر بہت آہستہ آہستہ صاف ہوتی ہے۔ یہاں اسی کا بتدریج بیان اس منظر کی جان ہے۔

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشاں
امڈا زمیں پہ ظلم کا دریائے بیکراں
موجوں کی طرح سب تھیں صفیں پیش و پس رواں
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادباں
ہلتا تھا دشت کیں، دہل اس طرح بجتے تھے
باجوں کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیوں کے پرے شامیوں کے دل
خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
مکار و اہل نار و دغاباز و پر غل
شکلیں مہیب دیو سے قد ابروؤں پہ بل
بد خواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلواریں کھینچے بڑھ کے جمے اک طرف سوار
غل ہوگیا سلامی کے باجوں کا ایک بار
ڈنکے کی دم بدم تھی صدا آسماں کے پار
آگے بڑھے چلو یہ لعینوں کی تھی پکار
گھوڑوں پہ گرد و پیش رئیسان شام تھے
زریں کمر جلو میں کئی سو غلام تھے

درج ذیل بند پر غور کیجئے تو یہاں بھی آپ ایک عجیب کیفیت سے لطف اندوز ہوں گے۔ میدان جنگ ایک، فوجیں دو۔ ایک حق کا طرفدار دوسرا باطل کا نمائندہ، بس ان کی پیشکش کا طریقہ ہی یہاں خط فاصل پیدا کرتا ہے۔

یک بیک طبلِ بجا فوج میں گرجے بادل کوہ تھرائے زمین ہل گئی گونجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے تلواروں کے پھل مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکل اجل
واں کے چاؤش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوج اسلام میں نعرہ ہوا یا حیدر کا

درج بالا بند کے اوپر کے چاروں مصرعوں میں جس طرح جنگ سے قبل کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس میں صنعتیں اور ترکیب والفاظ اشاروں کی صورت نمودار ہوئی ہیں کہیں یہ ذکر نہیں کہ یہ حق پرست ہیں یا باطل کردار سوائے طبل جنگ کے مگر مرثیہ کے طریقہ کے مطابق بیت کے دونوں مصرے حق وباطل کے درمیان واضح خط کھینچ دیتے ہیں جو کہ پورے بند کا کلائی مکس ہے۔

داستان اور مرثیہ میں واضح فرق یہ ہے کہ داستان کے ہر کردار کا خالق خود مصنف ہوتا ہے اور ضرورت کے مطابق جیسے چاہتا ہے اس کردار کو پیش کرتا ہے مگر مرثیہ میں ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ کربلا کے تمام کردار تاریخی ہیں اورتاریخ کربلا لکھی جاچکی ہے ایسی صورت میں نہ تو میرانیسؔ کوئی کردار پیدا کرسکتے تھے اور نہ ہی کسی کردار کے مزاج میں تبدیلی پیدا کرسکتے تھے۔ حق کردار ہو یا باطل سبکو انھیں اسی طرح پیش کرنا ہے جیسے وہ تاریخ میں درج ہیں اور انیسؔ نے کیا بھی ویسا ہی مگر ایک الگ خوبصورتی کے ساتھ جسے ان کی خاص ترکیب کہتے ہیں اور ان کی اسی خاصیت نے انھیں دیگر مرثیہ گویوں سے الگ اور بلند و بالا مقام عطا کیا۔

کردار سازی کے سلسلہ میں نہ جانے کس مغالطے کے تحت ''موازنہ انیسؔ ودبیرؔ'' میں علامہ شبلی نعمانی نے یہ لکھدیا کہ: ''عون ومحمد کی روایت کا سرے سے کہیں پتہ نہ تھا لیکن جب میرانیسؔ نے اس کو مرثیہ میں لکھا تو عام لوگوں کو اس کی واقعیت کا دھوکہ ہوا۔''[۲]

علامہ شبلی نعمانی کے اس قیاس پر ڈاکٹر مسیح الزماں صاحب ''معیار ومیزان'' میں فرماتے ہیں کہ:

''انیسؔ کے معاصرین کے یہاں عون ومحمد کی روایت ملتی ہے۔

اس کے متعلق یہ تحقیق نہیں ہوسکی ہے کہ سب سے پہلے اس کو کس نے نظم کیا ہے۔ لیکن شبلی نے اوپر کے جملے میں یہ فیصلہ کردیا ہے حالانکہ ایک دوسری جگہ پر انہوں نے بھی عدم تحقیق کا اعتراف کیا ہے:

۲۔ موازنہ انیسؔ ودبیرؔ۔ شبلی نعمانی۔ ص ۵۸

''اگر یہ پتہ لگ سکتا کہ دونوں حریفوں میں سے اول کس نے میدان شاعری میں قدم رکھا اور خاص خاص مرثیے بلکہ خاص خاص بند جو دونوں کے ہاں قریب المعنی پائے جاتے ہیں، اول کس نے کہے تو شاعری کی تاریخ کے بہت سے دقیق نکتے حل ہوجاتے۔ لیکن افسوس ہے کہ باوجود بہت سی جدو جہد کے اس بارے میں مجھ کو کامیابی نہیں ہوئی۔'' [۳]

''جب ایک جگہ مولانا نے اپنی ناکامی کا اعتراف کرلیا تھا تو اور بھی ضروری تھا کہ دوسری جگہ جب وہ اسکے خلاف یہ لکھیں کہ عون ومحمد کی روایت سب سے پہلے انیسؔ نے لکھی تو اس کے نتیجے پر پہونچنے کے قرائن کا ذکر ضرور کرنا تھا ورنہ اسکو صرف بیانات کا تضاد کہا جائے گا۔'' [۴]

درج بالا دونوں بیانات سے یہ صاف ہوجاتا ہے علامہ شبلی نعمانی کا یہ عمل رواداری کا نتیجہ ہوسکتا ہے ورنہ شبلی جیسے صاحب نظر اور صف اوّل کے محقق سے ایسی امید فضول ہے کہ انہوں نے دانستہ ایسا کیا ہوگا

کردار حق پرست ہو یا باطل کا نمائندہ دونوں کے اسلحے اور جنگ کی پوشاک تقریباً ایک جیسی ہی ہوتی ہے (یہ بات اور ہے کہ انیسؔ نے گرز وتبر جیسے کریہہ اسلحے اپنے ہیرو کے ہاتھ میں دینے سے پرہیز کیا اور تیرو کمان بھی جیب ابن مظاہر تک ہی محدود رکھا) مگر انیسؔ کی پیشکش کے طریقے نے انھیں واضح طور پر الگ کرکے پیش کیا۔ ان کے ہر کردار کا ردعمل اور رفتار وگفتار انھیں ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے:

ہر صف میں برچھیاں جو ہزاروں چمکتی تھی　　نوکیں وہ تیز تھیں کہ دلوں میں کھٹکتی تھیں
نیزے تلے ہوئے تھے سنانیں چمکتی تھیں　　ترکش کھلے ہوئے تھے کمانیں کڑکتی تھیں
سنگیں دلوں نے ہاتھوں میں پتھر اٹھائے تھے
تیغوں کے ساتھ گرزگراں سر اٹھائے تھے

وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش　　کر ہوگئے تھے شور سے کروبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمین کہ اڑے آسمان کے ہوش　　نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سواران شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے [۵]

۳۔ موازنہ انیسؔ و دبیر۔ شبلی نعمانی ص ۲۸، ۴۔ معیار ومیزان۔ ڈاکٹر مسیح الزماں۔ ص ۲۴۰۔۲۴۱۔ ۵۔ رام نرائن لال بنی مادھو، کٹرہ الہ آباد۔ بار سوم ۱۹۸۱ء

انیسؔ کے کلام کی یہ بھی ایک بڑی خوبی ہے کہ وہ عام محسوسات کے ایک دم قریب نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عام لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کسی بھیانک ہتھیار کو دیکھ کر دل ودماغ کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جس قسم کا خوف محسوس ہوتا ہے اس کی بہترین مثال اوپر کے بند کے اس مصرے میں بخوبی نظر آتی ہے: نوکیں وہ تیز تھیں کہ دلوں میں کھٹکتی تھیں

یہاں اس بات کو بڑی آسانی سے محسوس کیا جاسکتا ہے کہ اسلحہ اگر آپ کی مخالفت میں نہ بھی ہو تب بھی اس کی تیزی دل ودماغ پر ڈراونے اثرات تو مسلط کرہی دیتا ہے۔

حسینؓ اور ان کے ساتھی وہ حق پرست ہیں جن کے مدمقابل تیر بھی ہے، تلوار بھی ہے، لاکھوں کا مجمع بھی ہے، دیوہیکل بدآئین او بدزبان بھی ہیں مگر امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا سامنا ہوتے ہی وہ سہمے سہمے نظر آتے ہیں۔ ایسے سہمے ہوئے کہ کسی کو خبر ہی نہیں ہوتی کہ تیر کدھر ہے اور سوفار کدھر، باوجود اسکے کہ میدان میں کمانیں تنی رہتی ہیں مگر حق پرستوں کی دہشت کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے سرزمینوں پر یوں جھکے ہوئے جیسے وہ بھی چھپ جانے کے لئے گوشہ تلاش رہی ہوں۔ افراطفری کا عالم یہ ہے بیرقیں گری جارہی ہیں اور ہاتھوں کے نشانے چھوٹے جارہے ہیں۔ یہ باطل پرست ایسے کردار کے مالک ہیں کہ لڑنا تو دور، کوئی ترکش سے تیر ملانے کی ہمت بھی نہیں بٹور سک رہا ہے۔ رومؔ وشام کی لاتعداد فوجیں، جن کے پاس تیر، تلوار خنجر تیر اور برچھیاں، گوکہ اس زمانے کے تمام جدید ترین اسلحہ جات تھے مگر بیکار۔ میر انیسؔ نے اپنے مراثی میں جس کھلی حقیقت کو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ یزیدی لشکر حسینؓ سے نہیں بلکہ ان کی حق پرستی سے خوف زدہ تھا حسینؓ اور ان کے تمام ساتھی کل بہتر (۷۲) اور یزیدی فوج کی تعداد تقریباً تین لاکھ پھر بھی یزیدی خوف زدہ اور حسینؓ اور ان کے ساتھی مطمئن۔ اگر یزیدی فوج کی تعداد تین کے عوض تیس لاکھ بھی ہوتی اور حسینؓ اپنے بہتر ساتھیوں کے بجائے تنہا بھی ہوتے تب بھی یہ جنگ اتنی ہی شاندار ہوتی۔ اس حساب سے تو بہتر کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

حضرت قاسم ابن حسنؓ پر فوج یزیدی کا کوئی فرد جب حملہ آور ہوتا ہے تو شقی کا کردار جسامت، طاقت اور ہتھیار ملاحظہ ہو، ان سب سے باطل کی بو آتی ہے اور جب حضرت قاسم کا اس پر ایک وار چلتا ہے تو اس کی انگلیاں درخت کی شاخوں کی مانند کٹ جاتی ہیں یہ باطل پر حق کا وار تھا، اس طرح کی تشبیہات دوسروں کے یہاں عنقہ ہیں، ملاحظہ ہو:

یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر　　چلّے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
تھا بس کہ تیز دست حسن کا مہ منیر　　بجلی سی آئی کوند کے شمشیر بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

جب حضرت قاسم کے ہاتھوں ارزق کے چاروں بیٹے جہنم رسید ہوجاتے ہیں اس وقت اس کے غصے کا عالم عین فطری اور باطل کردار کی حقیقی جھلک نظر آتا ہے۔ جوش غضب سے آنکھیں سرخ، منھ سے نکلتی ہوئی غصہ کی جوالا، جھنجلا کر کرتے کی جیب پھاڑنا، باطل کردار کے لئے کفن پھاڑنے کی مانند ایک بہترین تشبیہ ہے اور اس پر اس کی غضب ناک آواز یوں لگتی ہے جیسے کوئی دیو چنگھاڑ رہا ہے، یہی باطل کردار کے نمائندے کی مجسم عکاسی ہے:

جیب قبا کو مثل کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

جوش غضب سے سرخ ہوئیں چشم نابکار
مثل تنور منھ سے نکلنے لگا بخار

درج ذیل بند میں بھی اسی کا سراپا بیان کیا گیا ہے۔ یہاں بھی پیشکش میں کسی قسم کی کجی یا جھول تلاش کر کے بھی نکالنا ممکن نہیں:

شانے پہ تھی شقی کے دوتا نک کی کماں　　ارجن بھی جس سے سہم کے گوشہ میں ہو نہاں
چار آئنہ وہ پہلے تھا بر میں کہ الاماں　　دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
کہتی تھی یہ زرہ بدن بد خصال میں
پکڑا ہے مست فیل کو لوہے کے جال میں

یہاں اس باطل کردار کے تعارف کا آغاز اس کے شانے پر دوتا نک کی کمان سے کرایا گیا ہے۔ میرانیسؔ نے جن اسلحوں کا مظاہرہ اپنے مراثی میں کیا ہے، ان کی تفسیر وتوضیح عام طور پر پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ یا پھر پروفیسر نیر مسعود صاحب کے یہاں بہتر ملتی ہے۔ اس دوتا نک کی کمان کے سلسلہ میں نیر مسعود صاحب، انشائے دل کشا، سید نثار علی بخاری بریلوی کے حوالے سے

فرماتے ہیں:

"کمان کا چہرہ: کمان لاہوری، سبز رنگ، دوٹانک، بند سرخ، شنگرفی، لاہوری، چلا ریشم سرخ وسفید بالا پیچ ملال ودر گوشہ خم دار، قبضہ گرد خوش آئند یکساں۔"

(ایک ٹانک: ساڑھے تین سیر، دوٹانک کی کمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے چلے میں سات سیر کا وزن لٹکا دیا جائے تو کمان کے دونوں سرے آپس میں مل جائیں گے۔"۵

تقریباً سبھی ناقدین نے متفقہ طور پر یہ تسلیم کیا ہے کہ سراپا نگاری میں میر انیسؔ کا کوئی ثانی نہیں۔ جس طرح وہ آل رسولؐ اور ان کے ساتھیوں کا سراپا بیان کرتے ہوئے اس میں ہر قسم کی نزاکت کا خیال رکھتے ہیں ٹھیک اسی طرح باطل کردار کا سراپا بیان کرنے میں بھی وہ کسی طرح کی کجی یا جھول برداشت نہیں کرتے۔ اس کی پوشاک ہو یا ہتھیار، سب کے چہرے و مزاج کا خیال ہر بند میں تو کیا ہر مصرع میں نمایاں ملتا ہے شقی کے ہاتھ میں برچھی اور سر پر آہنی خود کا کا بیان یوں کرتے ہیں:

برچھی کے پھل پہ ہوتا تھا شعلوں کا اشتباہ
گل خن بنی ہوئی تھی ہر ایک آہنی کلاہ

مگر اس کے برعکس یہی برچھی اور خود جب وہ کسی حق پرست کے ساتھ دیکھتے ہیں تو اس کا بیان یوں کرتے ہیں:

نیزۂ حر کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ　　تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مار سیاہ
قبضہ تیغ یہ رکھے ہے سرا جز پناہ　　آفتابی وہ سپر جس سے خجل کرۂ ماہ
قدر اندازوں کے جانوں کے ادھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے آگ کے پرکالے تھے

نیزے کی سناں کی تشبیہ مار سیاہ اور ترکش سے جھانکتے تیر آگ کے پرکالے نے عام طور پر اس طرح کی تشبیہات میر انیسؔ نے باطل کردار کے نمائندوں کے ساتھ پیش کی ہیں مگر یہاں حضرت حر کے ہمراہ یہ تشبیہات لا کر میر صاحب نے بتا دیا کہ انہیں ہر لفظ پر قدرت حاصل ہے۔ وہ جس لفظ کو جہاں چاہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتے ہیں۔ پھر جان کے لالے جیسا روز مرہ تو انیسؔ کا ہے ہی۔ اس کے برعکس درج ذیل بند ملاحظہ ہو جس میں باطل کردار کا سراپا اس حسن وخوبی سے بیان

۵۔ اودھ میں فن سپہ گری۔ پروفیسر نیر مسعود۔ نیا دور۔ اودھ نمبر حصہ دوم۔ اکتوبر، نومبر ۱۹۹۴

کیا گیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے:

مغفر تنور تھا تو زرہ موج رودنیل　　عمرو بن عبدود سے بھی قامت میں کچھ طویل
حملے میں جو تھا دیو تو ٹکر میں مست فیل　　بے مثل بغض وکیں میں عداوت میں بے عدیل
فوجیں ھوں گر تو منھ پھرائے نہ حرب سے
دل کیا پہاڑ کانپتے تھے جس کی ضرب سے

بے مثل، بے عدیل و بے نظیر جیسے الفاظ عام طور پر حق پرستوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مگر میر انیسؔ نے جس طرح مار سیاہ اور آگ کے پرکالے جیسی تشبیہات حضرت کے ساتھ پیش کیں اسی طرح حق پرست کرداروں کے لئے وقف الفاظ باطل کردار کے ساتھ بھی جس طرح نبھائے ہیں یہ انھیں کا حق ہے۔

تیغے کا وہ چڑھا ہوا پٹھا کہ الاماں　　بالائے دوش نحس کئی ٹانک کی کماں
پر خاش خو، مہیب نظر اژدر زماں　　بدعت کا در، فریب کا گھر، مفسد زماں
افزوں تھا کیدو مکر میں ابن زیاد سے
رگ رگ بھری ہوئی تھی عناد و فساد سے

شرمندہ جس سے قیر وہ چہرہ سیاہ رنگ　　رسوائے زنگ بار سواد حبش کا ننگ
ماتھا بھی تنگ ہاتھ بھی کوتاہ دل بھی تنگ　　قتال بد مزاج سلح شورہ وخانہ جنگ

اوپر کے دونوں بند میں جہاں انیسؔ نے منفی لفظوں سے حسن پیدا کیا وہیں ان دونوں بند میں مثبت حرف خواص کے ہمراہ رکھ کر یہ بتادیا کہ وہ فعل کے محتاج نہیں اور ''قتال'' بدمزاج سلحشور خانہ جنگ'' جیسے مصرع بھی بحسن خوبی یوں ہی پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو تیغ کے چڑھے ہوئے پٹھے کے لئے سوتشبیہات ہموار کر سکتے ہیں۔ اگر نہ چاہیں تو صرف الامان کہ کر وہیں ساکن کر سکتے ہیں۔ ''پرخاش خو' کی تشبیہ ایک دم انوکھی ہے جبکہ جسامت میں قوی ہیکل اژدہا، مزاج میں فریب، زمانے بھر میں مشہور مفسد، مکاری میں ابن زیاد بھی مات گو کہ اس کی رگ رگ میں خون نہیں بلکہ فتنہ، عناد وفساد رواں دواں تھے جو کہ کی طبیعت کا حال بیان کرتے ہیں۔ روسیاہ، دل تنگ، ماتھا

تنگ، کوتاہ ہاتھ، بدمزاج اور طبیعت میں خانہ جنگی جیسے لفظوں کا امتزاج اس پورے بند کی جان ہے۔ یہاں اجزائے ترکیبی اور پیشکش نے مل جل کر ایک ایسے بھیانک اور سفاک کردار کو پیش کیا ہے جس کے مد مقابل چودہ برس کا ایک خوبصورت گلبدن ہے جس کی شادی ابھی کل ہی ہوئی ہے۔

میر انیسؔ نے ارزق کا سراپا بھی کچھ اس طرح سے بیان کیا ہے: ارزق اپنے شانے پر دوٹانک کی کمان رکھے ہوئے اس طرح چلا آتا ہے کہ ارجن (مہابھارتؔ کا وہ کردار جس کی تیر اندازی کا کوئی ثانی نہ تھا) بھی سہم کر کسی گوشے میں چھپ جائے۔ چار آئینے کا وزن اتنا کہ زمین کے نیچے رستم جیسے پہلوان کی ہڈیاں بھی دب جائیں۔ اس کے جسم پر آہنی زرہ ایسی محسوس ہورہی ہے گویا کسی مست ہاتھی کو (جس پر ایسی کیفیت طاری رہتی ہے کہ وہ بے قابو اور خوں خوار ہوجاتا ہے اسی لئے اسے ایسی آہنی زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جاتا ہے) لوھے کی زنجیروں کے جال میں جکڑا گیا ہو۔

اس کے علاوہ میر انیسؔ کا وہ مرثیہ جس کا چہرہ: ''جب بادبان کشتی شاہ امم گرا'' ہے، میں بھی انہوں نے باطل کردار کی عکاسی یوں کی ہے جو ناقابل فراموش ہے۔ اس مرثیہ کے چند بہترین بند پیش خدمت ہیں:

جب خوب لڑچکا شہ دیں کا سرور جان نکلا ادھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
بدکار و بد شرشت و بد آئین و بدزباں سرہنگ و جنگ جو و سلحشور و پہلواں
غرا تھا اپنے آپ پہ خانہ خراب کو
رستم کو مانتا تھا نہ افرا سیاب کو

افزوں تھا دیو سے تن و توش نابکار قوت میں عمرو عنتر ومرحب کا یادگار
اسفند یار و عصر و نمودار و نامدار شیر آئے سامنے تو کرے تیر سے شکار
شورش مزاج میں تو ستم آب و گل میں تھا
نہ آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اس کے دل میں تھا

بار گناہ حاکم فاسق تھا خود سپر تھی رو سیاہی پسر سعد کی سپر
ذی جوشن شقی کا جو تھا ناخلف پسر پہنے تھا اس کی تن کی زرہ بر میں بدگہر

ظاہر کماں سے سرکشی بد نہاد تھی
قبضہ میں تیغ بدعت ابن زیاد تھی
وہ کفر تھا یہ دیں تھے وہ ظلمت یہ نور رب یہ رشک آفتاب درخشاں وہ تیرہ شب
وہ ننگ روزگار تو یہ عزت عرب یہ خیر میں رسولؐ وہ شر میں ابو لہب
کاذب تھا وہ شقی یہ صداقت نشان تھے
وہ جسم کفر تھا تو یہ ایماں کی جان تھے

درج بالا مرثیہ میں پہلے بند کا تیسرا اور چوتھا مصرع اس کردار کے تعارف کا آغاز ہے اور بیت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ اپنے آگے کسی کو کچھ بھی نہ سمجھتا تھا، ساری خوبیوں سے پر کردیا کیونکہ اب اس کے بعد باقی بھی کیا رہ جاتا ہے؟ اسی طرف دوسرے بند کی بیت میں شورش و ستم اور حیا و رحم کا امتزاج بھی بے مثل ہے۔ بارگناہ، حاکم فاسق، خوسر، پسر سعد کی روسیاہی اور اس کی سپر، ابن زیاد کی بدعت اور اس شقی کی تیغ، سبحان اللہ، باطل کردار کے لئے ایسی تشبیہات، اس طرح کے استعارے لفظوں کی یہ ترکیب، ایسی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ، کسی دوسرے کے یہاں اتفاق ہی ہوسکتا ہے۔ ''اسفندیار عصر نمودار ونامدار۔ شیر آئے سامنے تو کرے تیر سے شکار۔'' یہ بھی تعریفی کلمات ہیں جو عام طور پر ہیرو کے لئے استعمال ہوتے ہیں مگر یہاں پر انیسؔ نے ایک بدکردار کے لئے اس طرح کے الفاظ جس طرح نبھائے ہیں یہ انھیں کا حق ہے ورنہ نمودار ونامدار جیسے لفظ اور باطل کردار، تصور بھی دشوار ہے۔

باطل کردار ہوں یا حق پرست، تقریباً سبھی جنگجوؤں کے طریقے ایک سے ہوتے ہیں۔ ان کا ہتھیار سج کر میدان میں آنا، رجز خوانی کرنا، تلوار بازی یا نیزہ بازی کرنا، سب قریب قریب ایک جیسا ہوتا ہے۔ حق اور باطل کردار کے لحاظ سے ان میں خط فاصل برقرار رکھنا بڑی باریکی کا کام ہے جو کہ اصلاً میر انیسؔ کا حصہ ہے کیونکہ جب وہ ان کرداروں کو پیش کرتے ہیں تو یہ انکا خاص بیانیہ محسوس ہوتا ہے جس میں یہ دونوں کردار حرکات وسکنات سے اصلیت ظاہر کرتے ہیں۔

باطل کردار کی پیشکش حق کردار کے مقابلے بہت مشکل ہے، خاص کر باطل کردار کی رجز خوانی اور سراپا مگر میر انیسؔ نے اپنی ذہانت وعلمیت اور لفظوں کے ذخیرے کی بدولت اسے آسان کردیا۔ درج ذیل بند میں بھی یہی خوبیاں دکھائی دیتی ہیں:

نکلا یہ سن کے غیظ میں اک پہلو ان روم گیتی کے چار دانگ میں تھی جس شقی کی دھوم
سرہنگ و پُر غرور و سیہ قلب ونحس و شوم لنگر سے جس کے ہل گئی مقتل کی مرز بوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا
ٹکڑے کرے پہاڑ کے وہ گرز گاؤ سر پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ بر میں بد گہر
زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر منھ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی کمر
دستانے دونوں دست تعدی پسند پر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

یہاں اس رومی پہلوان کا سراپا مذکور ہے جس کے لنگر کے وزن سے زمین ہل جاتی ہے۔ کفرو شرک میں مرحب اور طاقت میں گیو (پہلوان) پر سبقت رکھتا تھا۔ خودوہ اور اس کے گھوڑے کی ہیئت ایسی تھی جیسے گھوڑے پر کوئی انسان نہ سوار ہو کر کسی پہاڑی پر دیو ہو۔ ایسے دیو ہیکل شخص کے سراپے میں اس وقت چار چاند لگ جاتا ہے جب اس کے گھوڑے کی سراپا نگاری بھی اس طرح کی گئی ہو کہ اس کی پاکھر (جو عام طور سے چمڑے کی ہوتی ہے) بھی آہنی ہو اور اسے پہاڑی سے تشبیہ دی گئی ہو۔ یہاں جس تشبیہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کا مشبہ اگر گیو اور دیو ہے تو دوسری طرف پہاڑی۔ اگر انیسؔ اس جگہ گھوڑے کی جسامت وقوت کو نظر انداز کر دیتے تو اس بند میں وہ خوبصورتی ہرگز نہ پیدا ہوتی جس کی توقع صرف میر انیسؔ سے ہی کی جاسکتی ہے۔

حضرت امام حسینؑ کا اٹھارہ سالہ کڑیل جوان بیٹا، اب کوئی صاحب دل یہ محسوس کرے کہ اس دیو ہیکل درندے کے مقابلے پر علی اکبر ہیں، جس پر تین دنوں کی بھوک پیاس کا غلبہ ہے، بھائی اور چچا کے غم کا اثر دل ودماغ پر ہے "پرواہ رے حواس کہ ابرو پہ نہ تھا بَل"۔ اس طرح کا ٹھہراو صرف میر انیسؔ کے یہاں ہی مل سکتا ہے کہ اس طویل قامت اور بھیانک دیو پیکر کو دیکھ کر ایسے وقت و حالات میں ان کے منھ سے یہ جملہ ادا ہوتا ہے:

اکبر تو مسکرائے ستمگر کو دیکھ کر
فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور؟"

علی اکبر کا صرف یہی ایک جملہ کہ آدمی ہے یا صحرا کا جانور؟ شقی کے جوش وخروش اور غرے پر پانی پھیر کر اس کا حوصلہ پست کردینے کو کافی تھا۔

حضرت امام حسینؑ کے مد مقابل جو پہلوان آیا ہے اسکا سراپا ملاحظہ ہو کہ کوئی انسان تو ایسے پہلوان سے جنگ کا تصور بھی نہیں کرسکتا پر ان حق پرستوں کا کیا مقابلہ۔ وہ بخوبی یہ سمجھتے تھے کہ یہاں ''طاقت کا جائزہ ہے۔شجاعت کا امتحان'' اور حسینؑ کے پاس تو صبر و شجاعت دونوں ہی تھے:

بالا قدو کلفت و تنومند و خیرہ سر   روئیں تن وسیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل کا گھر   تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پر وہ سپر
دل میں بدی طبیعت بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر سوار تھا

ساتھ اسکے اور تھا اسی قامت کا ایک یَل   آنکھیں کبود رنگ سیہ ابروؤں پہ بل
بدکار و بدشعار ستمگار و پر دغل   جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکر وں کا دل
بھالے لئے ہوئے کسے کمریں ستیز پر
نازاں وہ ضرب گرز پہ یہ تیغ و تبر پر

اگر غور کیا جائے تو کربلا کی جنگ میں ایک اور خاص بات نظر آئے گی اور وہ یہ ہے کہ یزید کی جانب سے جتنے بھی لوگ علی اکبر حضرت قاسم عون ومحمد، حضرت عباس، حضرت حریا حسینؑ کے کسی بھی ساتھی سے لڑنے کو آئے تو شروع شروع میں نہ وہ غصے میں تھے نہ جھنجلائے ہوئے چہ جائے کہ بعد میں وہ غصے میں بھی نظر آئے اور جنگ کے شرائط کے خلاف انھیں گھیر کر شہید کیا مگر امام حسین کے ساتھ ایسا دیکھنے کو نہیں ملا۔ یہاں بھی دو پہلوان اور لشکر۔ ایک یوں نظر آتا ہے جیسے وہ گھوڑے پر نہیں بلکہ ہوا پر سوار ہو اور دوسرا اسی قد و قامت کا اور لشکر کے ساتھ یہاں دوسرے بند کے چوتھے مصرع کی پیشکش پورے بند کی جان ہے'' جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکر وں کا دل'' اس مصرعے میں جو وحشیانہ عناصر نظر آتے ہیں وہ باطل کردار کے خواص کی ایک بے مثل دلیل ہے، یہی میر انیس کا اپنا روز مرہ ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں۔ اس شقی کے وحشیانہ مظاہرے کے سامنے انس اور ارژق بھی بونے نظر آتے ہیں۔

یہاں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ جتنے ظالم شروع شروع میں حضرت قاسم یا علی اکبر سے جنگ کو آئے ان کے سراپے بھی ایسے ہی تھے جیسے ایک باطل کردار کے ہونے چاہئے مگر ان میں شروع شروع میں غیظ وغضب کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ ارزق نے تو عمر سعد سے شروع میں یہ کہہ کر لڑنے سے انکار کردیا تھا کہ لڑکے سے لڑوں میں یہ میری عقل سے ہے دور"

مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں
ہوجاؤں گا بدنام شجاعان عرب میں

مگر جب اس کے چاروں بیٹے اس کی آنکھ کے سامنے جہنم رسید ہوجاتے ہیں تب وہ غضب ناک ہوکر حملہ آور ہوتا ہے۔ یکے بعد دیگرے چار بیٹوں کا آنکھوں کے سامنے مارے جانے کے بعد ارزق کی حالت فطرت کا عین تقاضہ تھی:

چاروں پسر ارزق کو نظر آئے جو بے دم اک آگ عناصر میں بھڑکنے لگی اس دم
طاری ہوا غصہ نہ ملی فرصت ماتم باندھا کمر نحس کو زنجیر سے محکم
بیٹے ہوئے سر بر جو نہ قتال عرب سے
آنکھیں ہوئیں دوکاسۂ خون جوش غضب سے

جب بھی کوئی شقی حضرت امام حسینؑ کے مقابلے میں آتا ہے تو وہ پہلے سے ہی غصہ میں بھرا ہوتا ہے کیونکہ اس کا کوئی نہ کوئی اپنا امام یا ان کے کسی ساتھی کے ہاتھوں مارا جاچکا ہے۔ یہی فطرت کا تقاضہ ہے جس کی عکاسی میر انیسؔ کے یہاں بڑی خوبصورتی سے نظر آتی ہے۔ درج بالہ بند جس کا چہرہ "جب مرچکے زینب کے پسر فوج ستم میں" ہے، اس میں تین بند ایسے اور بھی ہیں جس کو باطل کردار کی بہترین سراپا نگاری کہا جاسکتا ہے۔ اس بند میں سراپا نگاری کے تمام عناصر قابل غور ہیں۔ سراپا نگاری میں جن باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے ان سبھی باتوں کا خیال میر انیسؔ نے رکھا ہے۔ صورت، سیرت، رفتار وگفتار گو کہ ہر چیز قابل غور ہے۔

آیا وہ ستمگار سجے اسلحے تن پر شانے پہ کماں رخ پہ جھلم فرق پہ مغفر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورت اژدر بر میں توزرہ اور کمر نحس میں خنجر
کف غیظ سے منھ میں سخن سخت زبان پر
اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر

نیزہ صفت مار زباں منہ سے نکالے ترکش تھا کہ بانبی میں نظر آتے تھے کالے
تلوار کا منھ ایسا کہ فولاد کو کھالے ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے
گرز ایسا فلک خاک کا پیوند ہو جس سے
چار آئینہ وہ تیغ کا دم بند ہو جس سے

اور زیر زرہ پہنے تھا اس طرح کا بکتر خنجر نہ کرے جس پہ اثر اور نہ جمدھر
زنجیر سے باندھے تھا کمریوں وہ ستمگر حلقے میں ہو جس طرح لئے کوہ کو اژدر
وہ رشک تہمتن تو فرس پیل دماں تھا
اسوار نہ تھا کوہ پہ اک کوہ گراں تھا

باطل کردار کی سراپا نگاری کے وقت میر انیسؔ نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ''لفظ مغلق نہ ہوں گنجلک نہ ہوں تعقید نہ ہو'' کیونکہ رسولؐ اور آل رسولؐ کا سراپا بیان کرنا تو قدرے آسان ہے اور ان لوگوں کی جانب سے پڑھی جانے والی رجز سے سبھی واقف ہیں جبکہ باطل کردار سے رجز خوانی بہت مشکل ہے پھر بھی میر انیسؔ نے باطل کردار سے بھی رجز خوانی میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ''ہر سخن'' موقع و ہر نکتہ مقامی دارد' اگر حق اور باطل دونوں کرداروں کی رجز خوانی پر غور کریں تو بیان میں کہیں جھول نظر نہ آئے گا۔

حق کردار

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کروں
آئے غضب خدا کا ادھر رخ جدھر کروں
بے جبرئیل کار قضائے قدر کروں
انگلی کے اک اشارے میں شق القمر کروں
طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی
رکھدوں زمیں پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زمین پر
جب ہاتھ اٹھائیں برق گری ہے زمین پر

خیبر میں کیا گزرگئی روح الامین پر
کاٹے ہیں کس کی تیغ دوپیکر نے تین پر
جس وقت ضرب شیر خدا یاد آئی ہے
ماہی سمیت گاوِ زمیں تھرتھرائی ہے

کیا کیا لڑے ہیں خیبرو بدرو تبوک میں
یہ ہاتھ پیاس میں نہ رکے ہیں نہ بھوک میں
شہرہ ہے اپنی جو دو سخا کاملوک میں
حاتم سے بھی سخی ہیں سوا ہم سلوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں
سردے دیاہے بات پہ جس وقت آئے ہیں

باطل کردار

قاسم کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر
مشہور ہے دست ملک الموت یہ شمشیر
خالی گئے جو نیزہ و گرزوتبر وتیر
اے طفل حسن اب نہ بچے گا کسی تدبیر
دو ٹکڑے کروں گا تجھے یکتائے جہاں ہوں
تومور سے کمزور ہے میں پیلِ زماں ہوں

مجھ سے کوئی عالم میں نہیں اور جواں مرد
ہوں رستم و سہراب ونریماں کاہم آورد
جلاد فلک کا ہے میرے خوف سے منھ زرد
پٹکوں جسے میداں میں زمین سے نہ اٹھے گرد
پھٹ جائے کلیجہ جو سناگیر کو ماروں
سرمد ہو گراک گرز گراں دیو کو ماروں

تابندہ ہو رستمؔ مرے آگے یہ نہیں تاب
پنجے میں جو پکڑوں نہ چھٹے گردن سہرابؔ
جھیدوں دل ارجنؔ جو کروں تیر کو پر آب
تلوار کو کھینچوں تو جگر شیر کا ہو آب
اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
میداں میں حسینؑ آئیں تو ہاں جنگ کروں میں

درج بالہ بند جس کا چہرہ '' نکلی جو رن میں تیغ حسینی غلاف سے '' ہے، اس میں حضرت امام حسینؑ فوج اعدا سے مخاطب ہو کر رجز خوانی کرتے ہوئے انھیں جنگ سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔'' لازم ہے یہ سخن کہ ہوں میں ھادی جہاں'' میرا قہر و غضب خدا کے قہر کا نمونہ ہے، بے جبرئیل کار قضا و قدر کا اختیار بھی مجھے ہے، اس کے علاوہ بھی مجھ میں وہ طاقت ہے کہ میں چاہوں تو انگلی کے اشارے سے چاند کے ٹکڑے بھی کر سکتا ہوں۔ یعنی میں بھی رسولؐ اسلام کی مانند معجز نما ہوں۔ لشکر یزید نے حسینؑ کی قدر و منزلت کی طرف سے نگاہیں پھیر لی تھیں مگر رسولؐ کی رسالت سے انھیں انکار نہ تھا۔ اس بند کے چاروں مصروں میں جو دعوے پیش کئے گئے ہیں ان کی دلیل جس خوبصورتی سے پیش کی گئی ہے در اصل وہی اس بند کا حسن ہے کیونکہ کسی کا موازنہ رسولؐ سے کرنا اور اسی خوبصورتی سے نبھا دینا بڑی بات ہے۔ شق القمر رسولؐ کا ادنیٰ سا کارنامہ تھا اگر میں رسولؐ کی طاقت دکھاؤں (اور دکھا بھی سکتا ہوں) تو چاند کی کیا بساط، میں سورج کو بھی چیر سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر حسین نے رسولؐ اور خود کو پہچنوایا ہے۔ یہاں جس طرح حسین کو رسولؐ کے معجزے سے جوڑ کر رسولؐ کو ہزار گنا بلند و بالہ بتایا گیا ہے۔ انیسؔ کی یہی ذہانت اس بند کی آبرو بن گئی۔ جس طرح یہ رجز خوانی حق کردار کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اسی طرح ارزق بھی حضرت قاسم سے ہمکلام ہے۔ اسکی رجز کے یہ جملے کہ میری تلوار کوئی عام اسلحہ نہیں بلکہ یہ ملک الموت کا ہاتھ (مقصد دھمکانا) اور بیت کا دوسرا مصرع کہ تو چیونٹی سے کمزور اور میں ہاتھی (مقصد خوف زدہ کرنا) رجز کے لحاظ سے یہ دونوں بند بھی حق کردار کی رجز کے مانند بھرپور مکمل ہیں۔ اس کے ساتھ درج بالا بند میں تیسرے کا ذکر آتا ہے، جس کا چہرہ: آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی'' یہ رجز خوانی حسینی فوج کے علم بردار حضرت عباس کی ہے۔ دونوں بند کی رجز کی مانند اس بند میں یزیدی فوج کو لڑائی سے باز آجانے کی ہدایت مذکور ہے۔ جو حق کردار کی رجز کا عام رنگ

ہے۔ یعنی ہم حق پرست لوگ جنگ ہیں صلح چاہتے میں جبکہ یزیدی فوج کی طرف سے پڑھی جانے والی رجز کا مقصد ہی دھمکانے اور ڈرانے کی کوشش ہوتی ہے۔ وہ بھی یوں کہ گویا وہ اپنے دلوں میں گھر کیے ہوئے خوف وہراس کو مٹانے کی کوشش کررہے ہیں۔ انیسؔ کی یہی خوبی ایسی ہے کہ جس کی بدولت باطل کردار کی عکاسی اور ان کی سراپا نگاری کا حسن ایک ایک مصرع میں نمایاں نظر آتا ہے۔

شاعر چھوٹا ہو یا بڑا، ہر شاعر کی عین خواہش یہی ہوتی کہ اس کا ہر شعر صاحب عقل وفہم کی داد کا نشانہ بنے۔ اسی خیال کے پیش نظر وہ ہر شعر پر اپنی ساری قوت تخیل صرف کردیتا ہے مگر صاحب فہم کی داد تب تک ممکن نہیں ہوتی جب تک کہ شعر میں بلاغت نہ ہو اور اگر بلاغت کسی سبب ہدف بنے بھی تو کم ازکم فصاحت کی تاکہ شعر کو شعر ہی کہا جاسکے تک بندی نہیں۔ ایک شعر کے معیار کی پرکھ جن چیزوں پر ہوتی ہے ان میں صنعت کی بڑی اہمیت ہے۔ اچھے کلام میں سلاست، روانی فصاحت اور بلاغت کے ہمراہ متعدد صنعتیں بھی ضروری ہیں۔ تمام صنعتوں میں کم ازکم ایک صنعت تو ایسی ضرور ہے جسے میر انیسؔ کے کلام میں اکثر دیکھا جاتا ہے اور وہ ہے صنعت تضاد، جس نے انیسؔ کے ہر اس شعر کا حسن دوبالہ کردیا جہاں انہوں نے صنعت تضاد کا استعمال کیا ہے۔ باطل کردار کی پیشکش میں بھی اس صنعت کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح حق کے کردار کی پیشکش میں۔ مثلاً

دو ٹکڑے کروں گا تجھے، یکتائے جہاں ہوں
تو مور سے کمزور ہے، میں پیل زماں ہوں

بیت کے اس شعر میں ''دوٹکڑے'' اور'' یکتائے جہاں''چیونٹی اور ہاتھی'' صنعت تضاد کی بہترین مثال ہے۔ اس طرح کی صنعتوں سے انیسؔ کا کلام بھرا پڑا ہے اور بعض مواقع پر بھی یہی صنعت بلاغت کا سبب بن گئی ہے۔

اب تک باطل کردار کے سراپے اور رجز کے ذریعہ ان کا تعارف کرایا گیا جو اپنے آپ میں مکمل تھا۔ ان کرداروں کا دوسرا تعارف بھی میر انیسؔ کے یہاں اسی آن بان سے ملتا ہے۔ یہ طرز بیان وہ ہے جب یہ کردار تنہا نہ ہو کر جھنڈ کی شکل میں ہوتے، آپس میں گفتگو کرتے ہیں یا حاکم کے حکم سن رہے ہوتے ہیں۔ حاکم اور محکوم دونوں ہی باطل کردار ہیں مگر ان کی پیشکش کا طریقہ عین ویسا ہی جیسا قرین قیاس۔

کہتا تھا شمر آکے ہر یک جنگ جو کے پاس　　ہاں صفدران شام خبردار ہوش باش
مردوں کو معرکہ میں نہیں چاہیے ہراس　　بڑھنے نہ پائے حضرت عباس حق شناس
لاکھوں ہو تم ، وہ ایک ہے پیاسے کو لوک لو
جانیں لڑاکے شیر کے حملے کو روک لو

ہے رستمی کا وقت وغا کا مقام ہے　　مردانگی نبرد میں مردوں کا کام ہے
عالم میں شور و طنطنۂ فوج شام ہے　　حیدر کے اس نشاں کو مٹادو تو نام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عناں چھوٹ جائے گی
مرجائیں گے حسین کمر ٹوٹ جائے گی

اس قسم کے بیانیہ کا ایک منظر پیش خدمت ہے جس میں باطل کردار کی ہر حرکات وسکنات قابل غور اور قابل تعریف ہے۔ اس طرح کے منظر بیان کرتے وقت بھی میر انیس نے باریک سے باریک بات کا خیال رکھا ہے:

اس کثرت سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم　　آپہونچا شام سے پسر سعد نحس شوم
جس کے جلوں میں لاکھ سواروں کا ہے ہجوم　　اکثر ہیں یکہ تاز جوانان شام وروم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بند وبست لڑائی کا ہوئے گا

اترا قریب خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر　　سرپر لگایا دوڑ کے خادم نے چتر زر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر　　بولا کسی سے پھر وہ سوئے نہر دیکھ کر
خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہیں زہرا کے لال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر　　آئے تھے یاں اترنے کی خاطر امام دہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری ماں کا مہر　　ہم نے اٹھادیا انہیں لیکن بجبر و قہر
عباس مستعد تھے سبھوں سے لڑائی کو
شبیر پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

وہ دھوپ میں ہے خیمۂ زنگاری چین راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
پھروں علی کی بیٹیاں روتی ہیں کرکے بین آفت میں مبتلا ہے محمدؐ کا نور عین
بچوں کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سائے میں ہے نہ دریا قریب ہے

بولاشقی کہ کتنی ہے فوج شہ امم سنتے تھے وہ سپاہ حسینی کی دھوم ہم
اس نے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہیں کم فاقوں کے مارے دم میں کسی کے نہیں ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں
میں نے ہی خود گنا ہے اکاسی جوان ہیں

ہے اک علم یہ قلت لشکر کا ہے نشاں یہ حال ہے لٹا ہوا جیسے ہوکارواں
اردو میں جنس غم کے سوا جنس ہے گراں غلہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحط آب و ناں
اسوار بھی قلیل ہیں پیارے بھی تھوڑے ہیں
کل سترہ تو اونٹ ہیں اور بیس گھوڑے ہیں

پہلے بند کی بیت میں'' اب کل سے بندوبست لڑائی کا ہوئے گا'' یہ جملہ عمر سعد کا خود سے بات کرنا، اپنے مستحکم ارادے کی طرف اشارہ اور اپنی ایک لاکھ سپائیوں پر مشتمل فوج کو ہدایت بھی ہے۔ ایک چھوٹے سے لفظ کو سامعین کے دماغ میں اس طرح سے پھیلا دینے کا گر مرثیہ گویوں میں صرف انیس کے یہاں ملتا ہے۔ دوسرے بند کی بیت میں دریا کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ باطل کردار کی ذہنیت کی طرف بہترین اشارے کی نمائندگی کرتا ہے اور تیسرے بند کی بیت میں شبیرؑ کا عباس کو پھیر لے جانا۔ اس سے بہتر لفظ کا تصور بھی محال ہے۔ حسینؑ کے اس عمل سے باطل کردار کی خوف زدگی کم ہوتی نظر آتی ہے۔ چوتھے اور پانچویں بند میں صرف ایک علم سترہ اونٹ اور بیس گھوڑوں کے ہمراہ خولی کا چشم دید بیان کہ میں نے خود گنا ہے۔'' اکیاسی جوان ہیں۔ باطل کردار کو اگر بزدل خصلت سے منسوب کرکے دیکھا جائے تو یہ بیان ان کے لئے اطمینان بخش اور سائنٹفک بھی ہے کیونکہ مخالف فوج کی طاقت اور کارکردگی ہمیشہ کم کرکے دیکھی جاتی ہے جب کہ یہ تو حقیقت بھی تھی۔ ویسے اس مصرعے کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ'' اکیاسی جوان۔ حسینؑ کے لئے ہمدردی پیدا کرتا ہے، اس طرح حسن اور دوبالہ ہوجاتا ہے۔

میر انیسؔ کے مراثی کے بہت سے متن پروفیسر سعید مسعود حسن رضوی ادیبؔ نے تیار کیے مگر ان کے مراثی دوسروں کے ساتھ اس قدر خلط ملت ہیں کہ اب تک یہ طے نہ ہوسکا کہ ان کے کل مراثی کی تعداد کتنی ہے، جنہیں دوسروں کے مراثی سے الگ کرنا بے حد ضروری ہے۔ اسی طرح تھوڑی اور توجہ کے ساتھ انیسؔ کے مراثی کا مطالعہ کیا جائے تو ایک بات اور بھی سامنے آتی ہے کہ میر انیسؔ کے شروعاتی مرثیے کا رنگ جو انہوں نے اپنے فیض آباد رہائش کے دوران کہے تھے ان مراثی سے قدرے جدا ہے جو انہوں نے لکھنؤ کی مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد کہے ہیں۔ اس طرح میر انیسؔ کے کلام میں دو جدا جدا رنگ ملتے ہیں مگر افسوس کہ اب تک میر انیسؔ کے کسی بھی ماہر انیسیات نے انہیں الگ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی جبکہ اس کی بھی شدید ضرورت ہے۔ میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی، پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ پروفیسر سید محمد عقیل رضوی مولانا ضمیر اختر (پاکستان)، پروفیسر سید جعفر رضا، ڈاکٹر مسیح الزماں، پروفیسر نیر مسعود، پروفیسر شارب ردولوی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ وغیرہ کے بعد بھی میر انیسؔ پر ابھی بہت کام کیا جانا باقی ہے تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو شاعری کا محور فقط میر، غالب اور اقبالؔ ہی نہیں تھے بلکہ میر انیسؔ نے اردو شاعری کو پروان چڑھانے میں غیر معمولی اور نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور ان کے مراثی نہ صرف اردو شاعری میں رزمیہ اشعار کی کمی کو پورا کرتے ہیں بلکہ موضوعاتی اعتبار سے ان میں دیگر اصناف شاعری کی جھلک بدرجۂ اتم محسوس کی جاسکتی ہے جو میر انیس اور اردو شاعری کی بقا کی ضمانت ہے۔

شیخ علی حزیںؔ کی شاعری

مسرور احمد خاں

شیخ علی حزیںؔ لاہجی کی شخصیت فارسی ادب میں محتاج تعارف نہیں۔ وہ فارسی شعروادب کی مکمل تاریخ میں ایک ممتاز اور بلند مرتبہ شاعر رہے ہیں ۔ اگر اسے سو فیصد درست تسلیم نہ بھی جائے تو یہ بلاخوف وتردید کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے صف اول کے چند ممتاز شاعروں میں سے ایک ہیں۔ وہ رباعی گو، قطعہ گو اور مثنوی نگار کے ساتھ ساتھ حمد، نعت، منقبت اور مناجات نگار بھی تھے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک انسان کی حیثیت سے بھی وہ ایک بلند اور اعلیٰ خیال کے حامل، اچھے مفکر، ایک اوسط درجے کے فلسفی، ایک اعلیٰ پائے کے دانشور، قومی ہم آہنگی کے علم بردار اور انسان دوست فرد تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ فارسی کے بہت بڑے شاعر رہے ہیں۔ شاعری کی مختلف اصناف کی تنوع کے لحاظ سے بھی حزیںؔ اپنے تمام ہم عصروں میں سب پر بھاری ہیں۔ انھوں نے ایک بڑی تعداد میں غزلیں کہی ہیں ۔قصیدے بھی بڑے اچھے لکھے اور مرثیہ نگاری میں بھی زورِ قلم صرف کیا۔ رباعیات اور قطعات کے علاوہ مثنوی نگاری میں بھی انھوں نے طبع آزمائی کی اور حمد، نعت، منقبت اور مناجات بھی بڑے عقیدت مندانہ انداز میں لکھی ۔ یہ سب اپنی جگہ مگر ان کی عظمت وبلندی کے قصر شاعری کی بنیاد جس صنف پر قائم ہوئی وہ ہے غزل گوئی۔ انھوں نے ایک بڑی تعداد میں اور اچھی غزلیں کہی ہیں ۔ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ حزیںؔ کے چار دیوان اشاعت کی منزلوں سے گزر چکے ہیں ۔ جو تقریباً تیس ہزار ابیات پر مشتمل ہیں۔ حزیںؔ خود فرماتے ہیں۔

سی ہزار است در چہار کتاب   نظم کلک بدایع آثاری

(دیوان حزیںؔ ص ۵۹۴)

چنانچہ ایک اور دیوان (جو حزیں کا پانچواں دیوان ہوگا) کا ذکر ملتا ہے ۔ جو ۱۲۹۳ھ میں کانپور سے طبع ہوا۔ اس سلسلے میں خان آرزو کا خیال ہے کہ ''دیوان حاضر انتخابی است'' اور صاحب نادر نامہ کا بیان ہے کہ'' بنابر گفتہ خود او چہار دیوانش در ھند بچاپ رسید''[۱] لہٰذا مذکورہ بالا نکات سے اس

۱۔ دیوان حزیںؔ از انتشارات کتاب فروشی خیام ایران۔ ص ۷۱،

امر کا اظہار ہوجاتا ہے کہ کم از کم چار دیوان اشاعت کے مرحلے تک پہنچ چکے ہیں۔

بہرحال حزیںؔ نہایت قادر الکلام اور پر گو شاعر تھے انھوں نے جومثنوی اور ہمہ گیر سرمایۂ فن اپنی یادگار چھوڑا ہے اس میں عموماً ہر صنف سے متعلق کلام موجود ہے۔ اصناف کی اس وسعت، تنوع اور ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ مقدار کلام کے اعتبار سے بھی نہ صرف اپنے عہد کے شاعروں میں، بلکہ فارسی زبان وادب کی تاریخ میں عموماً تمام معروف سخنوروں کی طرح حزیںؔ کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے۔ مثلاً عہد سامانیہ کے رودؔکی، عہد غزنویہ کے فردوسیؔ، عہد سلجوقیہ کے عطارؔ، عہد ایلخانی کے مولانا رومؔ عہد تیموریہ کے جامیؔ اور عہد ہندیہ کے امیر خسرو اور صائب اصفہانی کے بعد حزیںؔ کو، فیضیؔ، عرفیؔ، طالب آملی وغیرہ کا ہم پلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک قابل توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے کلام میں زندگی کے مشاہدے کی مختلف کیفیتوں کی جھلک واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ کلام حزیںؔ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ہر مزاج اور مختلف مذاق سخن کے قاری کو اپنی پسند کی چند چیزیں ضرور مل جائیں گی۔ یہی ان کا امتیاز ہے اور اس پر طرہ یہ کہ ان کے یہاں سادگی، سلاست اور روانی نے مل کر غضب کی اثر وتاثیر پیدا کردی ہے۔ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی حزیںؔ کی شاعری کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فصاحت وبلاغت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور غالبؔ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حافظ کی مستی، سعدیؔ کا درد، فغانیؔ کی ادابندی، جامیؔ کی کیفیت یہ جملہ اوصاف تم ان کے کلام میں عیاں دیکھو گے۔'' [۲]

یہ الگ بات ہے کہ علامہ شبلیؔ نعمانی نے حزیںؔ کو شعرالعجم میں شامل نہیں کیا مگر حبیب الرحمٰن خاں شروانی کہتے ہیں کہ کاش حزیںؔ کا یہ شعر شبلی تک پہنچ جاتا۔

کیفیت صہباست بجام سخن من اے بادہ گساران برسانید دماغے (دیوان حزیںؔ ص ۴۸۶)

یہی نہیں وہ ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ ''اگر قاآنی کا کوکبۂ کمال بلند نہ ہوا ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ فارسی شاعری کا خاتمہ حزیںؔ پر ہوگا۔'' [۳] منظر امام کا خیال بھی ہے۔ کہ ''حقیقت یہ ہے کہ حزیںؔ فارسی شاعری کے آخری عہد کے خاتم ہیں۔'' [۴]

۲۔ بحوالہ حالات حزیں مع انتخاب کلام نوشتہ حبیب الرحمٰن خان شروانی مطبع مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ ص ۷۔۳۔۳۶

۳۔ حالات حزیں مع انتخاب کلام: حبیب الرحمٰن خان شروانی ص ۳۹۔۳۵ ۴۔ ۔چکیدہ تاریخ ادبیات ایران جلد دوم ص ۲۱۹،

حزیں کی مقبولیت ، بلندی اور برتری کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ غالب نے جن پانچ استادشعرا کا اثر قبول کرنے کا اعتراف کیا ہے ان میں حزیں سرفہرست ہیں۔ ۵

حزیں یقیناً ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ انھیں اپنی طرز فکر اور تخیل پردازی کی برتری اور بلندی کا خود بھی احساس تھا۔ وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ دنیا میں انھیں جو عظمت ، بلندی اور برتری نصیب ہوئی ہے وہ اپنی جولانی طبع، طرز فکر، شاعری اور قلم کے زور سے حاصل ہوئی ہے۔ وہ اپنے خامۂ تیرہ بخت کے احسانمند ہیں چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

ہر چند سکھر فکرم اختر بارست
بر دوش زبان سخنوری سربارست

از خامۂ تیرہ بختِ خود ممنونم
این ابر سیاھی ست کہ گوہربارست

(دیوان حزیں ص ۱۰۵)

اپنی شاعری کی بلندی اور قلم کی جادونگاری کا اظہار اس انداز میں ایک جگہ یوں کرتے ہیں۔

بیند سواد کلک تو رضوان اگر حزیں
ہر نقطہ خال کنج لب حوری کند (دیوان حزیں ص ۳۱۶)

اس سلسلے کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔حزیں لکھتے ہیں۔

چو شمع از جانگدازی میکنم محفل فروزیھا
حزیں تامن نمی سوزم نمی سوزد چراغ من

(ایضا ص ۴۴۰)

حزیں کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی شخصیت بے حد متنازعہ فیہہ رہی ہے ۔ ان کی شخصیت اپنے عہد میں سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بھی بنی۔ مگر ہدف تنقید بننا نہ صرف زوال بلکہ عروج کی نشانی بھی مانی جاتی ہے ۔ ان کے خلاف آواز اٹھانے والوں میں خان آرزو جیسے قادر الکلام شاعر تھے اور حزیں کے خلاف متعدد رسالے اور کتابیں تصنیف کی گئیں ۔

حزیں کی شاعری کے سلسلے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی غزلوں کے موضوعات

۵۔ حالات حزیں ص ۳۶

عشق ومحبت، وصل وفراق۔ تصوف، بے ثباتی دنیا، پندونصائح ، قناعت وفقر، بلند ہمتی اور ہند کی ہجو وغیرہ ہیں۔٦ اس کے علاوہ انھوں نے عشق ومحبت اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مرحلوں پر فلسفے بھی پیش کئے ہیں اور عشق ومحبت کی مختلف واردات وکیفیات کی عکاسی بھی کی ہے۔ محبوب کے حسن و جمال کی تصویریں بھی کھینچی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے عشق مجازی کیا ہو یانہیں مگرو صل کی تمنا کا بیان بھی ان کے یہاں ملتا ہے۔ انتظار کی لذت کے چٹخارے بھی موجود ہیں۔ رقیبوں سے متعلق رشک وحسد پر بھی اظہار خیال ملتا ہے۔ عشق حقیقی سے متعلق بھی زور قلم صرف کیا گیا ہے۔ ان کی صوفیانہ شاعری بھی اعلیٰ پائے کی ہے۔ صفوی عہد کے زوال کے دور کا شاعر ہونے کی وجہ سے آبائی وطن کے چھوٹ جانے کا غم در در کی ٹھوکریں کھانے کی تکلیفیں والدین اور دیگر اعزا کے انتقال کا کرب ان کی شاعری میں دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے ۔ ان کا دل بے حد دردمند ہوگیا تھا جس سے انکی شاعری میں ایک خاص قسم کا سوز گداز پیدا ہوگیا تھا۔ صفوی دور سلطنت اور خاندان عالیہ صفویہ کا خاتمہ اور ایران میں قتل وغارت گری انھوں نے بذات خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا او اس سے متاثر بھی ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کی شاعری کا رجحان صوفیانہ شاعری کی طرف ہوگیا تھا۔ اس لحاظ سے ان کا کلام اپنے عہد اور سماج کا آئینہ دار بھی ہے۔ دیوان حزیں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصوف کی اس انتہائی منزلوں پر پہنچ چکے تھے جہاں سے عاشق صادق کو ہر شے میں محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حزیںؔ کوئی بہت بڑے صوفی نہیں تھے مگر ان کی شاعری صوفیانہ شاعری کی اعلیٰ منزل تک پہنچ چکی ہے۔ ان کے کلام میں ایرانی نژاد کی برتری اور ہند سے نفرت کے اظہار کے باوجود ایسے کلام بھی ملتے ہیں جن میں کعبہ وکلیسہ میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ بات صوفیانہ شاعری کی اعلیٰ منزلوں تک رسائی کے بعد ہی ممکن معلوم ہوتی ہے۔

خواہ از لب مسیحا خواہ از زبان ناقوس
صاحبدلان شناسند آواز آشنا را

(دیوان حزیںؔ ص ۲۰۴)

یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں صبرو قناعت پر بھی اچھے اشعار ملتے ہیں دیوان حزیںؔ میں اس طرح کے بہت سے اشعار موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ بہار یہ مضامین بھی انہوں نے پیش کیے ہیں۔

٦۔ شیخ علی حزیںؔ لائف اینڈ ورکس اختر ص ۲۵۵

شکستہ دل اور حرماں نصیب ومایوس لوگوں کے لئے جرأت مندانہ اقدام کے لیے انھوں نے حوصلے بھی بڑھائے ہیں۔ انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی پیش کیا ہے۔ اپنے کلام کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں اور لوگوں کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اس کلام کو بے کار محض نہ سمجھا جائے۔ انھوں نے اپنے عزیز مادر وطن کی یاد میں تڑپتے ہوئے دل کی کہانی کو اشعار کے سانچے میں ڈھال کر انسے تاریخی حیثیت عطا کردی ہے۔ اور ان کے اس حرماں نصیب و مایوس دل کو جس ملک میں سہارا ملا بعض اوقات اس کی برائیاں بھی واضح طور پر ظاہر کرتے چلتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اسلاف استاد الشعرا کی زمینوں میں غزلیں بھی کہیں ہیں اور ان کے مضامین وموضوعات سے استفادہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے بعض اوقات اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے ۔ اپنے عہد کے پرآشوب سیاسی حالات سے متاثر بھی ہوئے ہیں صوفیانہ اور عارفانہ کلام کہنے کے ساتھ ساتھ کٹر ملائیت اور مذہبی ٹھیکیداروں پر بعض اوقات طنز کے وار بھی کیے ہیں۔ دردوغم کے بیان کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ رنگینی وپرکاری بھی کی ہے۔ معنی آفرینی اور خیال بندی سے بھی کام لیا گیا ہے بیان کی لطافت بھی موجود ہے فصاحت وبلاغت نے بھی کلام میں زور پیدا کیا ہے فنی محاسن سے بھی کام لیا گیا ہے ۔مگر ان کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی ان کا جاندار اسلوب ہے۔ ان کا انداز نہایت نرم ، دھیما ، سلیس اور سادہ ہے۔ الفاظ عام فہم استعمال کیے گئے ہیں۔ ان سب نے مل کر ان کے بیان میں ایک خاص قسم کی چاشنی پیدا کردی ہے۔ ایک اور اہم اور بڑی بات یہ کہ ان کی شاعری میں بڑی وسعت اور ہمہ گیری ہے۔ انہوں نے عموماً زندگی کے تمام پہلوؤں پر غوروفکر کیا ہے ۔ اپنی شاعری کے لئے انھوں نے چراغ سے چراغ جلانے کی روایت کی طرح اساتذہ کے کلام سے استفادہ تو کیا ہی ہے مگر اس میں جدت طرازی بھی کی ہے۔ نئی نئی ترکیبیں اور تشبیہات واستعارات بھی خلق کیے ہیں۔ ان کے کلام کے مطالعے سے اس طرح کی مثالیں بہ آسانی مل جاتی ہیں ۔ حزیؔن اگر چہ خود ایک بڑے شاعر تھے مگر انہوں نے بعض غزلیں سعدؔی حافظ اور دیگر اسلاف شاعروں کی زمینوں میں بھی کہی ہیں اور اثر قبول کرنے کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ این غزل جواب آن غزل است'' مثلاً

می برد نغمۂ حافظ دلم از ہوش حزین — این قدر نشئہ نبخشد می شیراز مرا

این جواب غزل دلکش سعدی ست حزین — کہ نی خامۂ آتش نفسم را دم از اوست

(دیوان حزین ص۔ ۲۷۳)

تازہ کردی روش حافظِ شیراز حزیں ''کہ زانفاس خوشش بوی کسی می آید''
(دیوان حزین ایضا ص ۳۰۸)

جامی سے استفادہ کا اعتراف حزیں نے اسطرح کیا ہے۔

این می حزیں افاضۂ مینای جامی است ''برکف گرفتہ جام مصفا برون رویم۔''
(دیوان حزین ص ۳۹۴)

ذیل کے شعر میں مولانا روم سے استفادے کا اقرار ملاحظہ ہو۔

مطرب ز نوای عارف روم این پردہ بزن کہ یار دیدیم
(دیوان حزیں ص۔۴۰۱)

حزیں از عارف رومی صلای عشرتی در دہ کہ ساقی ہر چہ دریابد تمام آوردہ مستان را

سب سے زیادہ اثر حافظ کا معلوم ہوتا ہے۔ ایک جگہ اور حافظ کا اثر ملاحظہ ہو۔

شدم از دست حزیں دوش کہ حافظ می گفت ''مژدۂ وصل تو کو کزسرجان بر خیزم''
(دیوان ص۔ ۴۱۵)

دلم از نغمۂ حافظ بہ سماع است حزیں ''در نہانخانۂ عشرت صنمی خوش دارم''
(دیوان ص ۴۲۸)

بشنو حدیث حافظ شیریں سخن حزیں ''دور فلک درنگ ندارد شتاب کن''
(دیوان ص ۴۳۲)

حزیں کے یہاں اعلیٰ پائے کا عارفانہ کلام ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معبود حقیقی کے عشق حقیقی سے ہمیشہ سرشار رہتے تھے۔ اپنے عارفانہ کلام کے توسط سے وہ اہل دنیا کو عرفان کی باتیں بھی بتاتے ہیں اور یہ تلقین کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ زندگی کی کامیابی وکامرانی کا دارومدار کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کائنات کی ہر شے سے محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آرہا ہے۔ مخلوق خدا کے ساتھ سخت اور برہم سلوک کبھی روانہیں۔ انسان کو ہمیشہ انکساری سے زندگی گزارنا چاہئے۔

زبان تیغ بہ نرمی نمی شود کوتاہ ملایمت بہ حریفان بے حیا عبث است
(دیوان حزیں ص ۲۸۵)

بد از رفاقت نیکاں نکونخواہد شد سَموم را سر ہمراہی صبا عبث است
(دیوان حزیں ص ۲۸۵)

زندگی کے تجربات نے مل کر حزیں کو اس امر کا احساس دلادیا تھا کہ اس دنیا میں حق گوئی بڑی مشکل شئے ہے۔

دیری است کہ منصور پریدہ ست ازین شاخ ہم بانگ اَنَا الحق زدن از دار بلند است
(دیوان ص ۲۸۶)

مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں۔

غوطہ درخون خود از فرق زند تابقدم بہ شہید تو نزیبد کفنی بہتر ازاین
(دیوان ص ۴۳۵)

تجلی زار می بینم سرخاک شہیدان را مگر شمعی بطوف مشہد پروانہ می آید
(دیوان ص ۴۳۴)

درجہان چند بہ آئینہ سکندر نازد چہ تماشاست کہ از پردہ دل آید بیرون
(دیوان ص ۴۲۳)

ان کا خیال ہے کہ دنیا میں کڑی محنت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں

بی رنج نشد حاصل نہ کفر نہ ایمانم از بتکدہ تا کعبہ ہر جا ادبی دارد
(دیوان ص ۲۹۷)

حزیںؔ کا عہد ستر ہویں صدی عیسوی کا دور تھا جس میں صفوی سلطنت پر زوال کے بادل منڈلا رہے تھے۔ یوں تو عموماً تمام ایرانیوں کے لئے خصوصی طور پر حزیںؔ کے لیے یہ اندوہناک عہد تھا۔ وہاں سیاسی اتھل پتھل مچی ہوئی تھی۔قتل وغارت گری کا دور تھا۔لوگ پناہ ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ جان بچانے کے لیے ہجرت کرنے کا سلسلہ جاری تھا اور کوئی کسی کا پُرسان حال نہ تھا۔ بڑے چھوٹے عزت دار اور حقیر، برتر اور کمتر کوئی کسی کی خیراندیشی نہ کرتا تھا۔نفسی نفسی کا عالم تھا۔ ایسے عہد میں بعض دوسرے شاعروں اور ادیبوں کی طرح حزین کا حساس دل بھی متاثر ہوتا رہا۔ انکی شاعری میں بھی اس عہد کی اس سیاسی حالت کا پس منظر دکھائی دیتا ہے۔عہد صفویہ کے زوال کے زمانے میں جب انھیں کسی سہارے نے یاد نہ کیا تھا وہ بے بس ایران سے ہندوستان کی خاک چھانتے پھرتے

تھے اس کی جھلک ذیل کی رباعی میں ملاحظہ ہو۔

عہدیست کہ آشنا وبیگانہ یکیست　　زرخ خزف و گوہر یکدانہ یکیست
درگوش گران خفتگان شب جہل　　آیات کتاب حق و افسانہ یکیست
(دیوان حزیں۔ رباعیات ص۵۰۱)

سرمایہ دہر خاک بیزیست کہ ہست　　درمزرع حسرت اشک ریزیست کہ ہست
آگاہی و دریافت گرانست کہ نیست　　ارزان زمانہ بی تمیزیست کہ ہست
(دیوان حزیں۔ رباعیات ص۵۰۰)

حزیں نے اس عہد کے سیاسی اور سماجی حالات دیکھ کر ہوا کا رخ پہچان لیا تھا اور خود کو اس کے مناسب حال کرلیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

اوضاع زمانہ لائق دیدن نیست　　وضعی خوشتر زچشم پوشیدن نیست
دانی زچہ پاکشیدہ ام در دامان؟　　دنیا تنگ است جای جنبیدن نیست
(دیوان حزیں۔ رباعیات ۵۰۳)

بلاشبہ حزیں کے یہاں تصوف کے اچھے اشعار ملتے ہیں۔ اگر چہ وہ صوفی نہ تھے۔

حزیں امید شفاعت زکس بہ حشر مدار　　کہ عذر ماھمہ درگردن دل افتادہ دست
(دیوان حزیں۔ ص۲۶۳)

کلام حزیں میں عاجزی اورانکساری کے مضمون پر بھی بکثرت اشعار ملتے ہیں۔ عہد حاضر کے سماجی ار سیاسی حالات کے اثر سے وہ ترک دنیا کا خیال دل میں پیدا کر چکے تھے۔ اگر چہ انھوں نے فقیری اختیار نہیں کی تھی پھر بھی ان کے یہاں عاجزی اور انکساری بروجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ صبر و استغنا سے متعلق اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

تہی دستیم از سود وزیان ماچہ می پرسی　　درین بازار قلاشی نہ دین داریم ونی دنیا
(دیوان حزین ص ۲۰۲)

کون ومکان بہ زیر نگین قناعت است　　مور مرا بملک سلیمان چہ حاجت است
(دیوان حزیں۔ ص۲۶۶)

حزیں ایک اچھے اور انسان دوست شخص تھے۔ وہ ہر انسان کی بھلائی کے لئے ہمیشہ نیک خیال

رکھتے تھے۔

خداوندا تسلی کن دل امیدواراں را به الفت آشتی ده آن قرار بیقراران را
(دیوان حزیں ص ۲۰۳)

اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی پس منظر سے متاثر ہونے پر انھوں نے بعض سماجی اور سیاسی حالات پر لطیف طنز بھی کیا ہے۔

خواہم درین گلستاں دستوری صبا را تا گرد سر بگردم آن یار بے وفا را
(دیوان حزیں ص ۲۰۴)

اپنے عہد کے بعض حریفوں پر بھی انھوں نے طنز کیا ہے۔ خان آرزو پر طنز کا یہ اشارہ ملاحظہ ہو۔

سخن از من کشیدی شعلہ در کردی جہانی را چرا انگشت بر لب می زنی آتش بیانی را
(دیوان حزیں۔ص ۲۰۶)

یہ حقیقت ہے کہ حزیں متنازعہ فیہہ شاعر تھے۔ اپنے عہد کے چند ناموروں کے ساتھ ان کی نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ ایرانی الاصل تھے۔ اور زمانے سے ایرانی ہندوستانیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آرزو وغیرہ سے ہمیشہ کھٹ پٹ رہتی تھی۔ بعض اوقات انھوں نے ہندوستان اور یہاں کی تہذیب وغیرہ پر بھی طنز کی چوٹ کی ہے۔

سواد ہند خاطرخواہ باشد بی کمالان را نماید خانۂ تاریک روشن چشم، عریان را
(دیوان حزیں۔ص ۲۰۸)

دیوان حزیں میں اس طرح کے بہت سے اشعار مل جاتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ حزیں کوئی صوفی تو نہیں تھے پھر بھی صوفی منش انسان ضرور تھے۔ مگر ان کے یہاں عشقیہ اشعار مختلف پیرائے میں ملتے ہیں جن مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حزیں نے ضرور کسی نہ کسی محبوب کو اپنے دل میں جگہ دی ہوگی۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے عشقیہ اشعار میں عشق حقیقی کا عرفان بھی جھلکتا نظر آتا ہے۔ بہر حال معاملات حسن وعشق سے متعلق چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دریک شب ہجر یار چون شمع کردیم تمام زندگانی
(دیوان حزیں ص ۴۹۵)

بکف تیغ تغافل طرف دامن برمیان بستہ زخون بے گناہاں کوی خود را کربلا کردہ
(دیوان حزیں ص ۴۶۰)

تانام شب وصل تو آمد بہ زبانم   چو شمع لبم می مکد از ذوق دہن را

(دیوان ص ۲۳۵)

روضۂ خلد خدایا بہ نکو کاراں دہ   دولت وصل جزای دل مشتاقان دہ

(دیوان ص ۴۵۷)

اس آخری شعر میں موجود روضۂ خلد کا استعارہ ڈھونڈتے رہ جایئے۔ شاید حزیں کے علاوہ کہیں دوسری جگہ نہ ملے۔ لہٰذا یہ دعویٰ غلط نہیں کہ بعض جدتیں بھی کی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ حزیں نے ایک صوفی منش انسان ہوتے ہوئے بھی خمریہ شاعری کی ہے۔ اور بڑی اچھی کی ہے۔ کہیں کہیں تو ساقی کی ردیف میں پوری غزلیں موجود ہیں۔ دیوان حزیں میں جو ایران سے چھپی ہے تین غزلیں "ساقی" کی ردیف میں موجود ہیں۔

پیانۂ مشرب حریفاں خالیست   خم خانۂ چرخ راکہن بادہ منم

(دیوان حزیں ص ۵۲۳)

ز لوح سینہ ستردیم علم و فتوائی را   بہ آب میکدہ شستیم لوث تقوی را

(دیوان حزیں ص ۲۳۴)

اگرچہ حزیں خود ایک اچھے عالم تھے۔ ان کے آباء واجداد کے سلسلے میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے جید عالم تھے مگر انھوں نے اپنی خمریہ رباعیوں میں زاہد وملاؤں پر طنز بھی کئے ہیں۔

ساغر بدہ کہ آید آبی بہ روی کارم   از زہد خشک دارم در دل غبار ساقی

(دیوان حزیں۔ ص ۴۶۷)

پیش نظر شعر میں زہد خشک کی ترکیب اس خوبصورتی سے دوسری جگہ شاید ہی مل سکے۔

اوراق زہد و تقوی برباد دہ حزین را   از خون توبۂ ما بشکن خمار ساقی

(دیوان حزین ص ۴۶۷)

پیش نظر شعر میں اوراق زہد وتقوی کا استعارہ اور خون توبہ کا استعارہ واقعتاً حزیں کی جدت طرازی معلوم ہوتی ہے۔ چند خمریہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

باطن پاک بزرگان ہمہ جا یارت باد   بہ خم بادہ سپردیم ترا ای ساقی

(دیوان حزیں ص ۴۶۶

بود میخانہ ہا در چشم شہلای تو ای ساقی ہلال جام می گردد بہ ایمای تو ای ساقی
(دیوان حزین ص ۴۶۶

ز رنگت آتشیں شُد گل ز لعلت ارغوانی مُل نگہ رامی کشد درخون تماشای تو ای ساقی
(دیوان حزیںؔ۔ص۴۶۶)

ان آخری دو اشعار میں شاعری کی تمام تر اوصاف کے ساتھ ساتھ قافیہ در قافیہ کا لطف بھی اٹھاتے چلیے۔

حزیںؔ اور ان کی شاعری کے مطالعے کا ایک اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ وہ بہت سے علوم سے مکمل آشنائی رکھتے تھے۔ انکا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ انھوں نے علم صرف ونحو،علم تفسیر،علم ریاضی اور علم ہیئت وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ انھیں علم طب،علم نجوم،علم رمل، وغیرہ پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ ۷یوں تو وہ مسلک کے لحاظ سے شیعہ تھے مگر متعصب نہیں تھے۔ انہوں نے مختلف عالموں کی تفاسیر اور فتاوے کا مطالعہ ومشاہدہ کیا۔ حزیںؔ نے دین مسیح سے واقفیت کے لئے اس مذہب کے علماء اور پادریوں سے ملاقاتیں کیں۔ ایک مجوسی خلیفہ آوانوس سے رابطہ قائم کیا۔ اور انجیل کے علاوہ مجوسی عقائد پر مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اس کے لئے بیضا میں دستور سے ملاقات کی۔ یہی نہیں یہودیوں سے متعلق حصول علم کے لئے مرشعب سے توریت پڑھی ۔ یزد میں حزیںؔ نے رستم کوہی سے مل کر علم نجوم ورمل کا مطالعہ کیا۔حزیںؔ نے مذہب صابی سے متعلق بھی علم حاصل کیا۔ ۸ان مطالعوں کا اثر یہ ہوا ہے کہ حزیںؔ کے اندر قومی ہم آہنگی کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس امر کی جھلک ان کے دیوان میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے ۔ سماجی نقطہ نظر سے بھی بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان کے اندر قومی ہم آہنگی کا جذبہ موجود تھا۔

یک نکتہ بود گوشزدِ مخلص و منکر در دیر و حرم عشق بہ یک صوت صلا کرد
(دیوان حزین ص ۳۵۸)

قصیدہ فارسی شاعری کی مقبول صنف ہے ۔ حزیںؔ نے بھی بڑے اچھے اچھے قصیدے لکھے۔ مگر امراو سلاطین کی مدح میں ایک بھی قصیدہ نہیں لکھا ۔ اگر لکھا بھی ہوتو دستیاب نہیں۔ ان کے دیوان میں جو قصیدے موجود ہیں وہ بزرگان دین ، نبیؐ اور آل نبی کی شان مین لکھے گئے ہیں۔ حضرت علیؑ

۷۔اوراق پریشان از شمیم اختر ص ۹

۸۔اوراق پریشاں ص ۹ تا ۱۱

کی شان میں لکھے قصیدے سے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

تا قصہ عشق تو در آمد بہ نوشتن — بی چاک ندیدیم گریبان قلم را (ص ۱۳۸)

نعتیہ قصیدے سے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

افلاک شد از عکس گل ولالہ شفق رنگ — مشاطۂ نوروز بیاراست جہان را

ساقی دم عشق است نبازی بہ تغافل — بر آب اساس است جہان گذران را

آن آیت رحمت کہ گل خلق کریمش — از حلم سبک سنگ کند کوہ گران را

رضوان بہ دوصد عزت وتعظیم فرستد — از خاک درش غالیہ خیرات حسان را

خورشید ولای تو بود نور ضمیرم — تاسایہ کند پرچم جاہت ثقلان را

(دیوان حزیںؔ۔ص ۱۲۳)

حزیںؔ نے بڑے پر خلوص جذبے سے مذہبی قصیدے کہے ہیں۔ ان کے قصیدے رسول خدا، حضرت علیؑ امام زمانہ، حضرت امام مہدی آخر الزمان، امام رضا علیہ السلام وغیرہ کی شان میں ہیں۔ ان کے قصیدے روایتی طرز پر لکھے گئے ہیں۔ ان میں کسی طرح کی جدت پیدا نہیں کی گئی ہے۔ مگر یہ پر خلوص جذبے سے لکھے گئے ہیں۔

دیوان حزیںؔ میں مثنویاں بھی موجود ہیں ۔ ان مثنویوں میں بھی کسی طرح کی جدت طرازی کی جھلک نہیں۔ روایتی انداز میں لکھی یہ مثنویاں اپنی سادگی، سلاست اور روانی سے حزیںؔ کی قادر الکلامی کا بین ثبوت پیش کرتی ہیں۔

حزیںؔ نے مرثیے بھی لکھے ہیں۔ اگر چہ وہ بنیادی طور پر مرثیے کے شاعر نہ تھے پھر بھی ان کے مرثیے پر تاثیر اور سوز و گداز سے لبریز ہیں۔ ان کے دیوان میں چند مرثیے بھی موجود ہیں۔ انھوں نے آل رسولؐ سے عقیدت مندانہ انداز میں یہ مرثیے لکھے ہیں۔ ان کے مرثیوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں۔ حزیں پر لکھنے والوں میں بیشتر حضرات کا خیال یہ ہے کہ انھوں نے رسولؐ اور آل رسول علیہم السلام سے عقیدت کی بنا پر مرثیے لکھے ہیں۔ ان کے دیوان میں چھوٹے چھوٹے قطعات کی شکل میں بھی مرثیے موجود ہیں۔ ان کے یہاں شخصی مرثیے موجود نہیں صرف واقعات کربلا اور شہدائے کربلا سے متعلق مرثیے ان کے یہاں ملتے ہیں۔ ترکیب بند کی شکل میں مرثیے کے یہ بند ملاحظہ ہوں۔

طوفان خون زچشم جہان جوش می زند — بر چرخ نخل ماتمیان دوش می زند
یارب شب مصیبتِ آرام‌سوز کیست — امشب کہ برق آہ رہ ھوش می زند
روشن نشد کہ روز سیاہ عزای کیست — صبحی کہ دم شام سیہ پوش می زند
آیا غمی کہ تنگ کشیدست در کنار — چاک دلم کہ خندۂ آغوش ی زند
بیہوش داروی دل غمدیدگان بود — آبی کہ اشک بررخ مدھوش می زند
ساکن نمی‌شود نفس ناتوان من — زین دشنہ‌ھا کہ برلب خاموش می زند
گویا بہ یاد تشنہ لب کربلا حسین — طوفان شیونی ز لبم جوش می زند

تنھا نہ من کہ برلب جبریل نوحہاست
گویا عزای شاہ شہیدان کربلاست

شاہی کہ نور دیدۂ خیرالانام بود — ماھی کہ بر سپہر معلی تمام بود
شد روزگار در نظرش تیرہ از غبار — باد مخالف از ھمہ سو بس کہ عام بود
آب از حسین برد و خنجر دھد بہ شمر — انصاف روزگار ندانم کدام بود
آبی کہ خار وخس ہمہ سیراب از آن شدند — آیا چرا بر آل پیمبر حرام بود
خون دیدہ‌ھا چگونہ نگرید برآن شہید — کزخون بہ پیکرش کفن لعل فام بود
دادی بہ تیر و نیزہ تن پارہ پارہ را — زان رخنھا چو صید مرادش مدام بود
آن خضر اہل بیت بہ صحرای کربلا — نوشید آب تیغ زبس تشنہ کام بود

تفتند زآتش عطش آن لعل ناب را
سنگین دلان مضایقہ کردند آب را

(دیوان حزیں۔ص ۶۱۰)

اس مرثیے میں اس طرح سات بند ہیں۔

حزیں نے بڑی اچھی اور ایک بڑی تعداد میں رباعیاں بھی کہیں ہیں۔ ان کے دیوان میں سیکڑوں اچھی رباعیاں موجود ہیں جن میں زندگی کے تجربات اور محسوسات کو انھوں نے قلم بند کیا ہے۔ رباعی کے فن کے معیار پر بھی اہل قلم حضرات کی نظر میں ان کی رباعیاں اچھی کہی جاتی ہیں۔ ایک حمدیہ رباعی ملاحظہ ہو۔

یارای زبان کو کہ ثنای تو کنیم　　توصیف کمال کبریای تو کنیم
چیزی بہ بساط ما تہی دستان نیست　　جانی کہ تو دادہ ای فدای تو کنیم

حزیں کی رباعیوں میں ان کی زندگی کے محسوسات اور تجربات کی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ذیل کی رباعیوں میں ہندوستان میں پناہ حاصل کرنے کے باوجود ہندوستان اور اس کی تہذیب سے نفرت کا اظہار دیکھنے کو ملتا ہے۔

از ہند نجس نجات می خواہم و بس　　غسلی بہ شط فرات می خواہم و بس
مرگی کہ بود بہ کام دل در نجف است　　از بہر ہمین حیات می خواہم و بس
(دیوان حزیں۔ص ۵۱۰)

حزیں نے متعدد بار ترک ہندوستان کا ارادہ کیا مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ آخر کار حج کے بہانے ہند سے رحلت کا ارادہ کیا۔ مگر کئی بار کوشش اور رخت سفر باندھنے کے باوجود، کسی وجہ سے ہندوستان سے حج کے بہانے یا کسی وجہ سے باہر جا نہ سکے تو اپنے دل کو ایک پر فریب تسکین اس طرح، اس رباعی میں دیتے ہیں۔

از ظلمت ہند سفلہ انگیز مترس　　در تیرگی شب ای سحر خیز مترس
ہرگز باکی ز خصمی ہند مدار　　نامرد نئی ز حملۂ حیز مترس
(دیوان حزیں۔ص ۵۱۰)

ایک جگہ اور ہند سے بے اطمینانی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

حزیں از کہنہ دیر جسم جان را خیمہ بیرون زن　　چرا چون کعبہ را از کافرستان برنمی آری

الغرض بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے عموما ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور اپنی یادگار میں اچھے نمونے چھوڑے ہیں۔ منظر امام لکھتے ہیں کہ:۔

''انھوں نے (حزیں) نے ہر صنف شاعری میں عمدہ ترین نمونہ بطور یادگار چھوڑا ہے۔ ان کی نثر میں روانی اور شعر میں سوز و گداز ہے۔ ان کے قصیدے فصیح و بلیغ ہیں۔ انہوں نے مثنویات بھی خوب لکھی ہیں۔ انھوں نے شاعری کی ہر صنف میں وہی طریقہ اپنایا ہے جو شریعت شعر نے متعین کیا ہے لفاظی اور صنعت گری سے مکمل طور پر احتراز کیا گیا ہے۔

شیخ علی حزیں اور ان کی شاعری کا نہایت اہم اور توجہ طلب پہلو ہے ان کا خاص اور

منفرد اسلوب ۔ وہ سادہ سلیس اور عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے یہاں غضب کی روانی پائی جاتی ہے۔ سوزوگداز بھی پایا جاتا ہے۔ فصیح وبلیغ الفاظ استعمال کرتے ہیں ۔ تشبیہ واستعارات سے بھی میناکاری دیکھنے کوملتی ہے۔ تشبیہ واستعاروں میں تو انہوں نے جدتیں بھی کی ہیں۔ اور یہی جدت طرازی ان کی انفرادی شان ہے۔ ان کے یہاں شاعری کے عموماً تمام فنی محاسن بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد بلگرامی فرماتے ہیں :

"زبان او از غایت صفاآب زلال می ماند وکلام او از نہایت آبدار نسب بسلک لالی میر سانند" ۹

ان کی سادگی سلاست اور روانی کے اظہار میں ثبوت کے طور پر چند اشعار اور ایک پوری غزل پیش کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

صد بار زگلزار خزان رفت وگل آمد　　وین مرغ اسیر از قفس آزاد نکردی
(دیوان حزین ص ۴۷۵)

کسی زبان نتواند بہ راز غیب گشود　　جرس بہ قافلۂ اہل دل خموش آمد
(دیوان حزین ص ۳۲۳)

ان کے خاص اسلوب کی یہ غزل ملاحظہ ہو

ای وای بر اسیری کزیاد رفتہ باشد　　دردام ماندہ صید و صیاد رفتہ باشد
آہ از دمی کہ تنہا باداغ او چولالہ　　در خون نشستۂ او چون باد رفتہ باشد
خوش بہ تیغ حسرت یارب حلال بادا　　صیدی کہ از کمندت آزاد رفتہ باشد
از آہ دردناکی سازم خبر دلت را　　روزی کہ کوہ صبرم برباد رفتہ باشد
رحمت بر اسیری کز گرد دام زلفت　　باصد امیدواری ناشاد رفتہ باشد
آواز تیشہ امشب از بیستون نیامد　　گویا بخواب شیرین فرہاد رفتہ باشد
شادم کہ از رقیبان دامن کشان گذشتی　　گومشت خاک ما ھم برباد رفتہ باشد
پرشور از حزیں است امروز کوہ و صحرا
مجنون گذشتہ باشد فرہاد رفتہ باشد　(دیوان حزیں۔ ص ۳۳۱)

کلام حزیں کے مطالعے سے ان کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ

۹۔ شیخ علی حزین لائف اینڈ ورکس ۔ ص۔ ۳۴۶

چو شمع از جانگدازی میکنم محفل فروزیہا
حزین تامن نمیسوزم نمیسوزد چراغ من

(دیوان حزیںؔ۔ص۴۴۰)

ان کا خیال یہ بھی ہے کہ

حزین از زندگی این بس مرا کز بعد مرگ من
کند خوش اہل معنی را کلام دلپذیرمن۔

(دیوان حزیںؔ۔ص۴۳۹)

درج بالا مباحث کے پیش نظر بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ حزیںؔ یقیناًایک بلند مرتبہ شاعر تھے۔ اگر فارسی شاعری کی تاریخ ترتیب دی جائے اور اس میں حزیںؔ کو شامل نہ کیاجائے تو وہ تاریخ یقیناً نامکمل ہوگی۔

معرفی کتاب (تازہ ترین کتابوں کا تعارف)

فصلنامہ راہ اسلام کے موجودہ شمارہ میں ''معرفی کتاب'' عنوان کے تحت ایک نئے موضوع کا آغاز کیا جارہا ہے جس کا مقصد اسلامی موضوعات پر شائع ہونیوالی تازہ ترین کتابوں کا تعارف واجمالی تجزیہ ہے تاکہ خواہشمند حضرات ان کتابوں کے مطالعے کی طرف مائل ہوسکیں۔امید کہ ہماری یہ کوشش آپ لوگوں کو پسند آئے گی۔ ادارہ

نام : اسلام کی رسائی

مولف : جناب رتن لال هانگلو

صفحات : ۸۴۴، طبع اول۔۵۰۰۲ عیسوی

ناشر : بلیک اینڈ وهائٹ، دیو نگر کرول باغ
نئی دهلی،هند

ISBN-8189320092

تبصرہ : سید عباس هاشمی

جناب رتن لال ہانگلو حیدر آباد یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ کے سربراہ ہیں۔ موصوف نے ۱۹۸۲میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی سے شعبۂ تاریخ میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی اور اب تک تاریخی موضوعات پر متعدد مقالات اور کتابیں تالیف کرچکے ہیں اور قرون وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ میں انہیں خصوصی مہارت حاصل ہے اور کشمیر ان کی دلچسپی کا خاص موضوع رہا ہے۔

موصوف نے اس کتاب کے مقدمہ میں خود ہی تحریر کیا ہے کہ ۱۱رستمبر۲۰۰۱ کو رونما ہونے والے حادثہ کے بعد بعض مسلمان دوستوں کے مشورہ پر انھوں نے اس کتاب کی تالیف کا فیصلہ کیا تھا اور اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے انہوں نے ہندوستان کی دیگر یونیورسٹیوں سے وابستہ نامور اساتذہ اور دانشوروں سے مقالہ نگاری کی درخواست کی۔ ان لوگوں نے ہانگلو صاحب کی آواز پر لبیک کہا اور یہ کتاب منظر عام پر آگئی جس میں ایک مقالہ اور پیش لفظ تو ان کا لکھا ہوا ہے اور دوسرے چھ مقالے دیگر دانشمندوں کی فکر کا نتیجہ ہیں۔

مولف نے ابتدائی صفحات میں اسلامی تمدن کا ظہور اور اس کی ترقی کا مختصر تاریخی خاکہ پیش کیا ہے اور اسے مندرجہ ذیل چار حصوں میں تقسیم کرکے ہر دور کی خصوصیت کا جائزہ لیا ہے۔

۱۔ اسلامی تمدن کا ظہور اور اس کا ابتدائی رنگ وروپ
۲۔سامراجیت سے قبل کا زمانہ
۳۔عہد سامراجیت
۴۔سامراجیت کے بعد کا دور

انسانی زندگی پر اسلام کے انقلابی اور مثبت اثرات کے تذکرہ کے ساتھ ہی ساتھ ہانگلو صاحب نے بعض ان ناپسندیدہ اسباب وعوامل کی نشاندہی فرمائی ہے جو اسلامی تمدن کے ترقیاتی سفر کے دوران اس میں شامل ہوگئے۔ ان میں سے ایک کا تعلق سامراجی دور کی آمد سے ہے قبل آزاد اور غیر آرتھوڈکسی افکار کا اسلامی دنیا سے مفقود ہوجانا ہے۔ اس سلسلے میں مولف نے مغربی عرب ممالک اور اسپین سے ابن رشد کے افکار وعقائد کے مفقود الاثر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس کے نظریات قشریہ جماعت کے علماء سے مختلف تھے اور دربار خلافت پر ان علماء کا غیر معمولی اثر ورسوخ قائم تھا اس وجہ سے ان لوگوں نے ابن رشد کے عقائد کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کررکھی تھیں چنانچہ اسلام کی اخوت آمیز اور برادرانہ تعلیمات کے باوجود دنیائے اسلام میں سود طلبی ظلم و ناانصافی کے بجائے اس غیر انسانی راہ و روش کو فروغ حاصل ہوتا رہا۔سامراجی عہد کے دوران اس منافہ خوری وسود طلبی کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا اور سامراجی مالکوں اور آقاؤں نے معدودے چند مسلمان دولتمندوں کی مدد سے ان غیر اسلامی راہ وروش کو پہلے سے زیادہ شدید انداز میں جاری رکھ کر اور اسلامی معاشروں میں نچلی اور پسماندہ سطح پر زندگی بسر کرنے والے لوگ ان مظالم کا شکار ہوتے رہے اور یہ لوگ اپنے اقتصادی ہتھکنڈوں کے ذریعہ مرکزی ایشیا،قفقاز، ہندوستان سے بالکان تک ومشرق وسطی اور شالی افریقہ کے علاقوں پر اپنا قبضہ جمائے رکھا اور مولف کا خیال ہے کہ سامراجی دور میں اسلامی مفکروں کے درمیان درج ذیل تین بنیادی میلانات کی بھرپور ترویج کی گئی۔

۱۔ ایک جماعت نے اسلام کے بنیادی اصول اور مغربیت پسندی کے درمیان تطبیق مطالعہ کا کام شروع کردیا۔

۲۔ ایک جماعت شریعت اسلامی سے وفاداری میں سرگرم رہی

۳۔ایک جماعت نے شرعی احکام سے اپنا ناطہ توڑلیا

رتن لال ہانگلو کا خیال ہے کہ سرد جنگ کے دوران یہ پروپگنڈہ کافی رنگ لایا کہ کیمونیسٹی مکتب فکر کے مقابلے میں مغربی سرمایہ دارانہ نظام نے مسلمانوں کا ڈٹ کر استحصال کیا اور رجعت پرست عرب حکومتوں یعنی پاکستان و شاہ ایران کی بھرپور حمایت کا بازار گرم ہوگیا اور لوگ مغربی سامراجی ہتھکنڈوں میں گرفتار ہوتے چلے گئے۔ لیکن ایک طرف سوویت یونین کے زوال وبکھراؤ کے بعد نیز دوسری طرف اسلامی حکومتوں کی ظالمانہ روش کے نتیجے میں تباہ کن بنیادگرائی (fatal fundamentalin) کا سلسلہ شروع ہوگیا جو مغربی سامراجیت کے قابو سے باہر تھا۔ اس تبدیلی ودگرگونی کے جواب میں مغرب نے ایک غیرعادلانہ راہ وروش اختیار کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کو دہشت گرد اور بنیاد پرست قرار دیدیا۔

قاہرہ یونیورسٹی میں علوم سماجیات کی استاد محترمہ عالیہ رافع نے[1] ''اسلام میں آفاقیت[2]'' نامی موضوع پر لکھے گئے اپنے مقالے میں اسلام کے معنوی پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کی طرف اشارہ کیا۔ ان کا خیال ہے کہ اسلام ایک روایت[3] نہیں بلکہ ایک مکمل راہ حیات ہے[4] پس اسلام کی فرہنگ وثقافت کا نام نہیں ہے بلکہ ثقافت کی تخلیق کا ذریعہ ضرور ہے۔ اس اصول کے بموجب جو شخص اپنے ہدایت گر ضمیر کی آواز کو غور سے سنتا اور اس پر لبیک کہتا ہے بنیادی طور پر وہ مسلمان ہے چاہے بظاہر وہ بودائی، عیسائی، یہودی یا کسی دوسری سنت کی پیروی کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔

مقالہ نگار کا خیال ہے کہ اسلام میں نسل پرستی سے پرہیز کا خیال شروع ہی سے موجود ہے اور یہ امر اتفاق ہے کہ موجود زمانہ میں رونما ہونے والے حالات سے اس کا گہرا، اچھا اور فائدہ مند تعلق ہے۔

دوسرا مقالہ بیت المقدس میں واقع علوی یونیورسٹی کے استاد آیز نشتاد[5] کا ہے جس میں انہوں نے عالیہ رافع کے خیال کے برعکس اسلام میں فرقہ پسندی[6] کا تذکرہ پیش کیا ہے۔ مقالہ نگار نے تاریخی خاکہ کے ساتھ ہی ساتھ فطرت کی وضاحت اور اس سے وابستہ دیگر افکار وعقائد پیش کئے ہیں۔

تیسرا مقالہ[7] اصغر علی انجینئر کی فکری تخلیق ہے جس کا عنوان اسلام میں آزادی خواہی کا تصور''[8] ہے اس مقالہ میں انہوں نے مذہب اسلام میں موجود سرمایہ ضمیر اور اس کے بطن میں پوشیدہ انقلابی

1. Aliaa R. Rafee, 2. Universalism in Islam, 3. Tradition, 4. Way of Life, 5. S.N. Eisenstadt.
6. Sectarianism in Islam, 7. Asghar Ali Engineer, 8. Liberalism Theory in Islam

جوہر کا تعارف و تجزیہ پیش کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کس طرح اسماعیلیہ، معتزلہ اور خوارج نامی اسلامی فرقے ، جن کو علمائے رافضی اور بدعتی قرار دیتے ہوئے دائرہ اسلام سے خارج کردیا تھا، اسلام میں انسانی حقوق کی حفاظت اور حق آزادی کی فراہمی جیسے عقائد کو بہ آسانی واضح کرسکتے تھے۔ اس مقالہ میں فاضل مقالہ نگار نے ان فرقوں کی جدوجہد کو موضوع بحث قرار دیا ہے جو ان کے خیال کے مطابق اسلامی علم کلام وعلم فلسفہ میں عقلی اور فلسفیانہ اصولوں کی تبلیغ واشاعت کے لئے ہے اور ایک عدل وانصاف پھیلانے والے معاشرہ کی تشکیل کا باعث ہے۔ اپنے مقالہ میں انہوں نے اسلام میں عقلانیت اور موجودہ دنیا کے مسلمانوں کو اس کی ضرورت نیز اس کی اہمیت وافادیت پر تائید سے باقاعدہ بحث کی ہے چوتھا مقالہ رتن لال ہانگلو کا ہے جس کا موضوع ہے اسلام اور انسانی حقوق۹ جس میں مولف نے انسانی حقوق کے عالمی میموریںڈم کے سلسلے میں نامور مسلمان مفکرین اور دانشوروں کے افکار وعقائد کا تجزیہ کیا ہے۔ اپنے مضمون کو انہوں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے میزان انطباق اور عدم انطباق دونوں کو اسلامی منطق کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے بعد امریکہ میں قائم انجمن علوم سیاسی کے سکریٹری بہرام رجائی کا مقالہ ہے جو ایرانی نژاد ہیں اور عالمی ارتباطات وتطبیقی سیاست کے ماہر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ اپنے اس مقالے میں، جس کا عنوان ''امریکہ اور شدت پسند اسلام ۱۰'' ہے، فاضل مقالہ نگار نے جنوبی مغربی ایشیاء کے مسلمانوں کے موجودہ حالات پر تبصرہ کیا ہے۔ مقالہ نگار نے امریکی مفاد اور خارجہ سیاست پر عالم اسلام کے اہم مقام ومرتبہ پر زور دیتے ہوئے بتایا ہے کہ امریکی ماہرین سیاست نے اب تک تمدنوں کے درمیان ٹکراؤ کے نظریہ کی مخالفت اور اسلامی تمدن کا احترام کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسلامی دنیا میں مغرب مخالف رجحانات کے سایہ میں دہشت گردی کے تعاون سے سیاسی مقاصد میں حصول کامیابی کی کوشش کی مذمت کرتے ہوئے اسے ناجائز سیاست کا نام دیا ہے۔

لیکن اس روش میں ہمہ جہتی توازن کی حفاظت کو ایک دشوار امر قرار دیا ہے اور امریکی ماہرین سیاست سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسی راہ پر گامزن رہیں اور اپنی کوشش جاری رکھیں۔

چھٹواں مقالہ'' ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی موجود حالت''۱۱ عنوان پر لکھا گیا ہے جو

---

9. Human Rights and Islam

10. United States and Radical Islam

11. Islam and Indian Muslims Today

حیدرآباد یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں تحقیقی امور سے وابستہ جناب نے لکھا ہے۔ انہوں نے جنوبی ایشاء کومسلمانوں کی آبادی کا دوسرا بڑا مرکز قرار دیتے ہوئے ہندوستان اور پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات اور اس علاقہ میں آباد ہندوں اور مسلمانوں پر اس کے اثرات کا تجزیہ پیش کیا ہے اور یہ سفارش کی ہے لوگوں کو ان مسائل کے بارے میں باقاعدہ غوروفکر کرنی چاہئے۔

آخر میں ایم۔ این راجیش نے ۱۲ ''اسلام اور تبت کے مسلمانوں کا تجزیہ'' ۱۳ عنوان کے تحت لکھا ہے جس میں انہوں نے ذاتی شناخت کا ذکر کرتے ہوئے تبت میں آباد مذہبی اقلیت ''کاشہ'' کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ تبتی مسلمانوں کا یہ معاشرہ صدیوں سے اپنے اصل جغرافیائی اور ثقافتی معاشرہ سے الگ ہونے کی وجہ کسی حدتک شناختی تجرد و اکیلے پن کا شکار ہوچکی ہے اور عالم اسلام سے اس کا کوئی سروکار باقی نہیں رہ گیا ہے اور عالمی تاریخ میں کیا بنیادی تبدلیاں رونما ہوچکی ہیں ان کی بھی کوئی خبر اس اقلیت کونہیں رہ گئی ہے۔

جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے جناب ہانگلو نے موجودہ عالمی مسائل کے سلسلے میں اسلام کے مختلف پہلوؤں کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ان مقالات کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے تا کہ گرانقدر اسلامی میراث کو آئندہ نسل کے لئے محفوظ کیا جاسکے اور مولف کا یہ خیال یقیناً لائق احترام ہے۔ لیکن موضوعات میں تنوع کی کمی اور موجودہ مقالات کے درمیان ہم آہنگی کے فقدان سے مؤلف کو اپنے مقصد میں چنداں کامیابی نہیں حاصل ہوسکی ہے۔ ان کمیوں کے علاوہ عالمی اسلامی معاشرہ میں موجود دیگر ایسے ماہرین اسلام کے افکار عقائد کونظر انداز کردیا گیا ہے جو مذہبی معاملات میں سیکولر خیال کے حامل نہیں ہے۔ اگر ان باتوں کی طرف بھی توجہ کی گئی ہوتی تو کتاب کی افادیت میں کئی گنا اضافہ ہوگیا ہوتا۔

درحقیقت عالم اسلام میں رونما ہونے والے حالات وحوادث کا بالخصوص قطب خواہی (polarization) نقطۂ نظر سے تجزیہ کرنا اس کے ادراک میں یقیناً مدد معاون ہوتا ہے لیکن ان احوال وحوادث کی مکمل اور گہری شناخت پھر بھی باقی رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے مطالعہ وتجزیہ کا سطحی رہ جانا ممکن ہے اور مولف کا مقدمہ اور انسانی حقوق اور اسلام پر ان کا مضمون ایسے ہی تجزیہ کا حامل ہے۔

---

12. M.N. Rajesh

13. Islam on the Periphery- A case study on Tibetan Muslims

نام : محاصرۂ اسلام : ذلّت آمیز دور میں خطرناک زندگی
مولف : سید اکبر احمد
صفحات : ۸+۲۱۳
ناشر : وستار پبلیکیشن، نئی دھلی
اشاعت : ۲۰۰۳
تبصرہ : ڈاکٹر سید اختر مہدی

اسلام اور عصر حاضر بالخصوص ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ کو نیویارک میں رونما ہونے والے غیر انسانی اور تباہ کن دھماکوں سے قبل اور اس کے بعد کی صورتحال پر عالمی سطح پر بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس واقعہ کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو عالمی سطح پر ذلت آمیز زندگی بسر کرنی پڑ رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا رہا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا اس حادثہ سے دور دور کا کوئی رابطہ نہیں تھا بلکہ اس واقعہ کو اسلام دشمن مقاصد کے لئے استعمال کر لیا گیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایسا کوئی ثبوت اب تک حاصل نہیں ہو سکا جس کی روشنی میں اسلام اور مسلمانوں کا اس واقعہ کے ساتھ وابستہ ہونا ثابت کیا جا سکے۔

اکبر ایس احمد صاحب عصر حاضر میں اسلام اور مسلمان جیسے اہم موضوع پر اکثر لکھتے رہے ہیں اور اس مذہب کی نیرنگیوں کو انتہائی مفید و کارآمد انداز میں اجاگر کرتے رہے ہیں اور ان کی تحریروں کو علمی ثقافتی مراکز و درسگاہوں کے ساتھ ہی ساتھ عوام کے درمیان بھی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ اپنی بات نہایت سادہ، واضح اور حوصلہ آمیز انداز میں پیش کرتے ہیں اور اپنی لطیف تنقیدی طرز نگارش اور عمیق نگاہی کی وجہ سے ہی انہیں کافی شہرت حاصل ہے۔

زیر نظر کتاب **محاصرۂ اسلام** : ذلت آمیز دور میں خطرناک زندگی میں مولف کی مذکورہ بالاخصوصیات کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ سات ابواب پر مشتمل ایک کم ضخامت والی کتاب ہے۔ اسلام تاریخی تناظر میں، ۱۱ر ستمبر سے قبل اور بعد بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے حالات، اسلام اور آفاقیت کے درمیان تعامل، عصری اسلام میں ابن خلدونی اور آسابیائی نظریات کا استعمال، مسلم قیادت میں کشمکش اور مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کا طریقہ وغیرہ جیسے عنادین اس کتاب کی زینت ہیں مولف نے بعض عالمی گروہوں کے ذریعے قتل عام، عمومی عصمت دری اور نسلی نظافت کے

لئے لفظ عزت کا استعمال کیا ہے۔ اور اپنی بات کو واضح کرنے کے لئے ان ملکوں مثلاً بوسنی ہرزیگوینا، روانڈا، گجرات، کشمیر، فلسطین اور چیچنیا جیسے علاقوں کا نام بھی لیا ہے جہاں یہ گھناؤنے جرم رونما ہوئے ہیں۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر کوئی عمل انجام دیتا ہے تو وہ خیالی دشمن کے خلاف انتقامی عمل و کارروائی میں بدل جاتا ہے اور اہم بات یہ ہے کہ اسی وقار و انتقام کے ماحول میں انصاف، رحم، توازن اور عملی وسائل کے ذریعہ ملکوں کی تعمیر و ترقی کا کام انجام پاتا ہے تاکہ انسانی برادری سے عداوت اور جھگڑوں کا خاتمہ کیا جا سکے۔ مولف ان مشہور صفات کے ذریعہ ایک معیاری انسانی تہذیب وتمدن کی تعمیر وتخلیق کا خواہاں نظر آتا ہے اور قرآن مجید عالمی حاکمیت کے جن اصولوں کو غیر معمولی اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہے انھیں اس کام میں مدد معاون قرار دیتا ہے۔

احمد صاحب اسلام اور مغرب کے درمیان گفتگو کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دونوں کے درمیان گفتگو کا جو سلسلہ موجود تھا وہ منقطع ہو گیا ہے اور یہ ایک پریشان کن بات ہے۔ اور مولف اس انقطاع تسلسل کے لئے دونوں جماعت کے شدت پسندوں کو ذمہ دار قرار دیتا ہے اور ان کا خیال ہے جارج ڈبلو بش اور بن لادن دونوں کی مذمت کی جانی چاہیے اور دونوں جماعت سے وابستہ اعتدال پسند مفکرین اور دانشوروں کو پیش قدمی سے کام لینا چاہئے اور مٹھی بھر انتہا پسندوں کو اس مسئلہ سے دور رکھنا چاہئے۔ مؤلف طاقتور مغرب اور کمزور مسلمانوں کے درمیان گفتگو کی پرزور وکالت کرتا ہے۔ واضح رہے کہ موجودہ عالمی تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ گفتگو ایسی دو جماعتوں کے درمیان ہوتی ہے جو طاقت کے اعتبار سے ایک جیسی نہیں ہیں اور اس کا مقصد دو مذہبی جماعتوں کو یہ باور کرانا بھی ہے کہ انہیں اپنے باہمی اختلافات کو دور کرتے ہوئے ایک ایسی بات پر متفق ہونا ہے جو مشترکہ طور پر دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔

گفتگو میں شریک لوگ یا جماعتیں اختلافات کا حل تلاش کرتے ہوئے اپنے مدمقابل کے سامنے ایک ایسا نظریہ پیش کر سکتے ہیں جو انمیں مشترک ہو۔ اس کے علاوہ گفتگو کی اہمیت اس میں موجود جمہوری یا غیر جمہوری موضوعات سے وابستہ ہوا کرتی ہے۔

اس کتاب میں اخبارات میں شائع شدہ احمد صاحب کے گذشتہ مقالات اور اخباری کالموں کو بھی نظر ثانی کے ساتھ اس طرح شامل کیا گیا ہے کہ موضوعات کے درمیان ہم آہنگی اور یکسانیت میں

ذرہ برابر کمی نہیں آئی۔ مقالات موقر اور با اہمیت رسالوں مثلاً ,

The Middle East journal, The chronicle of higher education, History today, Ethnic and Racial studies, The World today, The independent, and The Guardian میں شائع ہو چکے تھے۔

کتاب معذرت خواہانہ نظریات پر مشتمل نہیں بلکہ اسلام کے توحید پرستانہ موقف پر مشتمل ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل ودماغ کا اٹوٹ حصہ ہے اور احمد صاحب نے یکتا پرستی کے اس اہم پہلو کو نہایت موثر اور دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

نام : **تاریخ عهد وسطیٰ**

تالیف : **پروفیسر سید عزیز الدین حسین**

صفحات : ۴۰۳ قیمت -/175روپئے

ملنے کا پتہ : ادارہ همدانیه، گڑھی ، جلالی ، ضلع علی گڑھ

ادارۂ همدانیه ،30.A نور نگر ایکسٹینشن ،

جامعه نگر ، نئی دهلی ۲۵، مکتبه جامعه. دهلی

تبصرہ : ڈاکٹر محمد تعظیم

تاریخ ماضی کے مطالعہ کا نام ہے جس میں ماضی کے واقعات وحالات ، روایات وثقافت کا مطالعہ حال کو بہتر بنانے اور مستقبل کو سنوارنے ومحفوظ کرنے کے مقصد سے ایک ربط وتسلسل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ماضی کو حال اور مستقبل کے حوالے کرنے کا یہ اہم ترین کام مورخ انجام دیتا ہے۔ وہ ایک طرح سے ماضی کا امین ہوتا ہے جو ماضی کو حال کے بدلتے تقاضوں کے مدنظر معروضی وتنقیدی نگاہ سے آنے والی نسلوں کے لئے تاریخ کو ایک نئے انداز میں قلمبند کرتا ہے۔ کیونکہ تاریخ کا علم نہ صرف علمیت کا معتبر میدان ہے بلکہ مجموعۂ معلومات بھی ہے۔

ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی تاریخ دیگر ممالک کے مقابلے اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس دور میں مختلف ثقافتوں ،تہذیبوں، زبانوں اور قوموں کا ایک حسین امتزاج ابھر کر سامنے آیا جس نے موجودہ ہندوستانی قومیت کو پیدا کیا۔

اردو تاریخ نگاری کی بنیاد سرسید احمد خان نے ڈالی تھی مگر آگے چل کر اردو تاریخ نگاری میں معروضیت کا لحاظ باقی نہ رہا بلکہ اردو تاریخ نگاری مختلف قسم کے جذبات کے تحت داخلیت کا بوجھ اٹھاتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو میں حقیقی وغیر جانبدارانہ تاریخ اس تعداد میں قلمبند نہ ہوسکی جتنا اس زبان کی افادیت واہمیت کے لحاظ سے اس کو لکھاجانا چاہئے تھا۔ اور اس طوطاچشمی کی وجہ سے غیر جانبدارانہ تاریخ کا مطالعہ ہنوز عنقا بناہوا ہے۔ ہندوستان کی شاندار مشترکہ تہذیب کے تناظر میں ماضی سے روشناس ہونا ضروری ہے۔ اور یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جس کا ہندوستانی عہد وسطیٰ کی تاریخ کے منابع ومصادر سے جو فارسی زبان میں ہیں، پوری واقفیت رکھتاہو۔ ساتھ ہی فارسی زبان اور اس دور کے مزاج وفیشن کا علم رکھتاہو۔ تبھی وہ ان فارسی ماخذات سے بھرپور استفادہ کرکے تاریخ کو آنیوالی نسلوں کے لئے ورثہ کی شکل میں دوبارہ قلمبند کرسکتا ہے۔

زیرِنظر کتاب'' تاریخ عہدوسطیٰ'' موضوع کے اعتبار سے اردو زبان میں بڑی اہم کتاب ہے اور مواد کے اعتبار سے یہ مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جو عہد وسطیٰ خاص طور پر مغل عہد کی سیاست، مذہب ، ثقافت، تعلیم ، شخصیات ، تصوف اور فن تعمیر کا احاطہ کرتی ہے۔ پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین نے حقائق وواقعات کو منابع و مصادر کے ساتھ بڑی دیدہ ریزی اور تحقیق وتلاش کے بعد اکٹھا کیا ہے۔ اورنگ زیب کے عہد کو خاص طور پر مختلف زاویہ ہاء نگاہ سے ایک غیر جانبدارانہ مورخ کے طور پر مطالعہ کیا ہے اور اورنگ زیب کی شخصیت کے مخلف پہلوؤں پر نئی روشنی ڈالی ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیعیت کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں مگر پروفیسر عزیز الدین حسین صاحب نے اپنی اس کتاب میں تاریخ کے مستند ماخذ ات کی روشنی میں ناقدانہ ومحققانہ انداز میں اس بھرم کو توڑا ہے ۔ ساتھ ہی اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ کس طرح خانقاہوں اور مدارسوں نے ہندوستان میں تعلیم کے فروغ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

شخصیات میں خاص طور پر عہد اکبری کی ہمہ جہت شخصیت قاضی سید نور اللہ شوشتری کی حیات وخدمات پر بڑا جامع اور تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے۔ قاضی نور اللہ شوشتری عہدوسطیٰ کے ہندوستان میں پہلے شیعہ قاضی تھے۔ حالانکہ روز اول سے ہی عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں حنفی مسلک کا رواج رہا ہے۔ اور عہدہ قضاء صرف سنی حنفی علمائے کے لئے ہی مخصوص تھا۔ مگر اکبر کی دور رس نگاہوں نے قاضی نور اللہ شوشتری کو باوجود شیعہ ہونے اور چاروں سنی فقہوں پر عبور رکھنے والے ایک غیر متعصب وعادل قاضی کی حیثیت سے پہچان لیا تھا اسی لئے انھیں عہدہ قضاء پر فائز کیا۔

فن تعمیر کی نئی خصوصیات اور شہروں کی تاریخ پروفیسر عزیز الدین حسین کے مطالعہ کا ایک خاص میدان ہے ۔ شہروں کی تاریخ اور فن تعمیر پر ان کی نگاہ بڑی عمیق اور ناقدانہ ہے۔ حالانکہ آثار وباقیات سے تاریخ اخذ کرنا اپنے آپ میں ایک اہم فن کی حیثیت رکھتا ہے ۔ جس کا مظاہرہ ہمیں پروفیسر عزیز الدین کے تحریر کردہ فن تعمیرات سے متعلق مقالات میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین اپنی علمی بصیرت اور زیرکانہ تحقیق کی بناپر علمی وتحقیقی دنیا میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں اس مناسبت سے ان کی یہ کتاب'' تاریخ عہد وسطیٰ'' کو تاریخ کے طلبہ اور تاریخ سے ذوق وشوق رکھنے والے حضرات میں نہ صرف عام مقبولیت حاصل کرے گی بلکہ تاریخ کے طلبہ واساتذہ کے لئے خصوصاً اور عام قاری کے لئے عموماً یہ کتاب بڑی مفید اور پراز معلومات ثابت ہوگی۔

نیشنل سمینار

عہدوسطی کے ہندوستان میں سماجی و ثقافتی تبدیلیاں۔ ایک تاریخی جائزہ

۳،۴ جنوری ۲۰۰۶ موہن لال سکھاڈیا یونیورسٹی، اودے پور، راجستھان

موہن لال سکھاڈیا یونیورسٹی، اودے پور، کے زیر اہتمام دو روزہ نیشنل سمینار ۴۔ ۳ جنوری ۲۰۰۶ کو منعقد ہوا۔ افتتاحی تقریر میں ڈاکٹر مینا گوڑ، صدر شعبہ تاریخ نے تمام لوگوں کا خیر مقدم کیا اور شکریہ ادا کیا۔ عہدوسطی کے ہندوستان میں آرہی سماجی و ثقافتی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد کے بعد ایک اہم تبدیلی صوفی و بھکتی تحریک کی مرہون ہے۔ کلیدی خطبہ پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین، سابق صدر، شعبہ تاریخ وثقافت، جامع ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی نے پیش کیا۔ انھوں نے اپنے کلیدی خطبہ میں سماجی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ترکوں کی جنگوں اور جنگوں کے بعد جو تلخیاں ہندوستانی سماج میں پیدا ہوئیں اسکو ختم کرنے کا کام اور سماج میں بھائی چارہ اور یک جہتی پیدا کرنے کا کام صوفیاء نے انجام دیا۔ صوفی سلسلے اس دور میں ہندوستان آئے لیکن ان میں سہروردی اور چشتی سلسلہ کا اثر زیادہ رہا۔ چشتی سلسلہ کا مرکز اجمیر، اجودھن اور دہلی، سہروردی سلسلہ کا مرکز ملتان اور اسکے قریب کے قصبات رہے۔ ان صوفیاء نے ہندوستان میں خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ مندر ہندوؤں کے لئے تھے اور مسجد مسلمانوں کے لئے لیکن خانقاہ کے دروازے ہر مذہب و ملت سے تعلق رکھنے والے لوگوں لے لئے تھے۔ صوفیاء کی اس کشادہ دلی نے ہندوستانیوں کا دل جیت لیا۔ خانقاہ میں آنے کے بعد صوفیاء کی محبت ہندوستانیوں کے دلوں میں جگہ کر گئی اور آہستہ آہستہ ہندوؤں نے اپنے آپ کو صوفی تحریک سے ہم آہنگ کر لیا۔ صوفیاء میں مذہب وملت کے فرق کی پرواہ کیے بغیر سب کو اسلامی محبت کا پیغام دیا۔ ان کا پیغام تھا کہ انسان کو سورج کی طرح ہونا چاہیے جو ہر شخص کو روشنی دیتا ہے، دریا کی طرح ہونا چاہیے جو ہر شخص کی پیاس بجھاتا ہے اور زمین کی طرح ہونا چاہیے۔ زمین ہر شخص کو جگہ دیتی ہے۔ انھوں نے سماجی تقسیم کے اصول کو بھی نہیں مانا۔ ہر انسان چاہے وہ بڑی ذات سے تعلق رکھتا ہو یا چھوٹی ذات سے تعلق رکھتا ہو ان کے لئے برابر تھا۔ وہ سماجی تقسیم کے قائل نہ تھے۔ جامی کہتے ہیں۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی ‌ ‌ ‌ ‌ کہ دراین راہ فلاں ابن فلان چیزی نیست

جو ہندوستانی پچھڑی ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے ان کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ صوفیاء نے ان کو اپنی خانقاہوں میں جگہ دی۔ اسی کے ساتھ عزاداری امام حسین کی تبلیغ واشاعت کی اور ہندووں کو عزاداری امام حسین میں شامل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ہندو بھی تعزیہ نکالتے اور کربلا کے پیاسوں کی یاد میں شربت کی سبیلیں لگاتے۔ یہ صوفیاء کا بڑا اہم کارنامہ تھا۔ صوفیاء کے اس عمل کے نتیجے میں نہ جانے کتنے ہندوؤں نے اسلام قبول کرلیا اور جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا انھوں نے بھی بہت سی اسلامی قدریں اپنی عملی زندگی میں اپنالیں۔ کل وہ خود اور انکی خانقاہیں قومی یکجہتی کا مرکز تھیں۔ انتقال کے بعد ان کی آرام گاہوں نے درگاہوں کی شکل اختیار کرلی۔ زندگی میں بھی کام کرتے رہے اور مرنے کے بعد آج بھی قومی یکجہتی، سماجی برابری، عدل وانصاف کے لئے انکی درگاہیں کام کر رہی ہیں۔ اگر اسکو انکی کرامت نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

دوسری سماجی ثقافتی تبدیلیاں اکبر کے عہد سے شروع ہوئیں جب ہندوستان کے دروازے ایرانی دانشوروں کے لیے کھول دیئے گئے۔ ان میں اہم کردار میر فتح اللہ شیرازی نے مدارس کے نصاب میں صحت مند تبدیلی لاکر کیا۔ مدارس کے نصاب میں تبدیلی کے نتیجے میں ثقافتی انقلاب برپا ہوگیا۔ فن تعمیر، فن موسیقی، فن مصوری میں زبردست تبدیلیاں آئیں۔ ملا عبدالسلام لاہوری مدرسہ کے فارغ احمد معمار نے سترھویں صدی میں تاج محل تعمیر کیا۔ سترھویں صدی عیسوی میں انڈین انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنولوجی موجود نہیں تھے بلکہ یہ کام مدارس کے فارغ طلباء کر رہے تھے۔ شہری زندگی اور اسکے پلان میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ اکبر نے علماء اور صوفیاء کو زراعتی زمین وجائداد مغل حکومت کے قصبات میں دیں اس شرط کے ساتھ کہ انھیں ان قصبات میں مثلاً جلالی، امروہہ اور سرسی وغیرہ میں رہنا اور مدرسہ قائم کرنا ہوگا۔ جسکے نتیجے میں عہد وسطی کا تعلیمی نظام قصبات تک پہنچا جو اس سے قبل کچھ خاص شہروں جیسے دہلی، ملتان، بدایوں، فیروزآباد وغیرہ تک ہی محدود تھا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ سترھویں صدی عیسویں میں ہندووں میں ایشور داس ناگر نے فتوحات عالمگیری، بھیم سین نے نسخہ دلکشا اور سجان رائے بٹالوی نے خلاصۃ التواریخ لکھیں۔ عہد وسطی کے ہندوستان کی قومی یکجہتی کو نقصان ہندوستان میں انگریزوں کے پلاسی کی جنگ ۱۷۵۷ میں فتح کے بعد پہونچا۔ ڈاکٹر بھٹناگر نے اس سیمنار میں آئے تمام دانشوروں کا شکریہ ادا کیا۔ سیمنار میں مقالے ڈاکٹر جی این ماتھر، ڈاکٹر مینا گوڑ، ڈاکٹر یعقوب وغیرہ نے پیش کئے۔

نیشنل سمینار

قرونِ وسطیٰ کے دوران پنجاب کے ارتقا میں صوفیاء کرام کا حصہ

بتاریخ ۱۳۔۱۴ دسمبر ۲۰۰۵

پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ، پنجاب اور ایران کلچر ہاؤس نئی دہلی کے تعاون سے دورزہ سمینار بہ عنوان'' قرونِ وسطٰی کے دوران پنجاب کے ارتقا میں صوفیاء کرام کا حصہ'' کے عنوان سے شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ میں منعقد ہوا۔

سمینار کا افتتاح ۱۳ر دسمبر ۲۰۰۵ کو ہوا جس کی صدارت پنجاب یونیورسٹی کے ڈین پروفیسر ویر سنگھ نے فرمائی۔ جناب محمد حسین مظفری ڈائریکٹر ایران کلچر ہاؤس نئی دہلی نے سمینار میں بطور مہمان خصوصی شرکت فرمائی۔ پروفیسر اقتدار حسین صدیقی، علی گڑھ نے سمینار میں کلیدی خطبہ پیش کیا۔

اس سمینار میں ہندستان اور پاکستان کے متعدد علماء، فلاسفہ اور طلبا نے شرکت کی، جس میں چھ صدیوں (۱۲۰۰۔۱۸۰۰) پر محیط صوفیاء کرام کی تاریخ، ان کے اعجاز اوران کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی۔ چشتی و سہروردی سلسلے اور ان ادوار میں تجارت اور آمد و رفت کا جایزہ لیا گیا۔ مباحثہ کے دوران سولہویں اور سترھویں صدی میں پنجاب کے ارتقا پر فلسفیانہ گفتگو ہوئی۔ قرون وسطٰی کے دوران پنجاب کے ارتقا میں صوفی بوعلی قلندر شاہ دولا گجرا میر خویلی اور شاہ شمس الدین کے صوفیانہ کردار اور دیگر صوفیاء کرام کی اہمیت اور تعاون پر روشنی ڈالی گئی۔ پنجاب کی تاریخ میں قرونِ وسطٰی کے دور کو خصوصی اور نمایاں مقام عطا کرنے کے لئے رونالڈ نکسن اور پروفیسر عرفان حبیب کی خدمات کو سراہا گیا۔

ڈاکٹر تنویر انجم، قایدآعظم یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان نے چشتیہ سلسلہ کے تذکرے کے دوران سرزمین اجودھن اور بابا فرید کے اعجاز کا تفصیلی جایزہ پیش کیا۔ پروفیسر حمیرا عارف دستی شعبۂ تاریخ بہاالدین ملتان، پاکستان نے بہاالدین زکریا کی خدمات کا تذکرہ کیا جو انہوں نے سلسلہ سہرودیہ کے صوفیاء کرام کے لئے انجام دیا تھا۔ پروفیسر عزیز الدین جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، سلیم محمد مالیر کوٹلہ وغیرہ نے قرون وسطٰی کے صوفیاء کرام کی خدمات اور ان کے اعجاز کا تفصیلی تذکرہ کیا۔ یہ دوروزہ سمینار ۱۴ر دسمبر ۲۰۰۵ کو اختتام پذیر ہوا۔

جلسۂ تحت خوانی

جامعہ کلچرل کمیٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی،

جامعہ کلچرل کمیٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی نے بتاریخ ۱۰ دسمبر ۲۰۰۵ کو ڈاکٹر انصاری آڈی ٹوریم میں جلسہ تحت خوانی کا انعقاد کیا۔

جلسہ کی نظامت کے فرائض جناب فیضان شاہد نے ادا فرمائے۔ پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین کلچرل کوآرڈینیٹر نے اپنے افتتاحی کلمات سے تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ اسکے بعد تحت خواانی کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اسکی بنیاد ملاّ محتشم کاشی نے روضتہ الشہداء لکھ کر ڈالی۔ اسکی اتباع ہندوستان میں ہوئی۔ ہندوستان میں عزاداری امام حسینؑ کا قیام صوفیاء کا بڑا اہم کارنامہ ہے۔ انھوں نے ہندوستان میں خانقاہ بنائی جسکے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے تھے چاہے اسکا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔ خانقاہ ہی میں عزاداری امام حسینؑ ہوتی اور بعد میں ایک علیحدہ عمارت امام باڑہ نام کی بنائی۔ جو درگاہ غریب نواز اجمیر اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیا دہلی میں آج بھی موجود ہے۔ عاشورہ محرم کو صوفیا نے غم کا دن مقرر کیا جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہوتے ہیں۔ عاشورہ محرم کا پروگرام شاملات کی زمین پر منعقد کیا جس پر سب لوگوں کا حق تھا تاکہ عاشورہ کے پرگرام میں کسی طرح کی بندش نہ رہے۔ صوفیا نے مقامی زبانوں کو سیکھا اور اس میں بات چیت شروع کی۔ جس میں راجستھانی، پنجابی، دکنی اور ہندوی زبانیں تھیں۔ اسی نے بعد میں اردو زبان کی شکل اختیار کی۔ اور اسی زبان میں کربلا کے واقعات لکھے گئے۔

چشتی صوفیا سماع کے قائل تھے لیکن اس سماع میں مزامیر کی اجازت نہ تھی اور سماع میں رقت ہوتی تھی اور اکثر سماع کے دوران صوفیاء کرام روتے روتے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اکثر نے اسی حالت میں انتقال بھی فرمایا۔ کیونکہ عزائے حسینؑ کے بانی صوفیا تھے لہٰذا انھیں کے ذریعہ سماع کی دوسری شکل سوز خوانی اور تحت خوانی وجود میں آئی۔ اپنے جد میر سید محمد گیسودراز کی سیرت کی پیروی کرتے ہوئے میر انیس نے مرثیہ نگاری کے ذریعہ ہندوستان میں واقعہ کربلا کی تبلیغ کا کارنامہ انجام دیا۔ کربلا کا پیغام ہر ہندوستانی تک پہنچانے کا کام اردو مراثی کا زبردست کارنامہ ہے۔ واقعہ کربلا پر مراثی ہندوؤں نے بھی لکھے جن میں چھنولال دلگیر کا نام سرفہرست ہے۔ دراصل یہ کارنامہ صوفیا کا ہی ہے کہ انھوں

نے مذہب، سماج اور زبان کے سلسلے میں کسی قسم کی عصبیت سے کام نہیں لیا۔ اور یہی انکی تبلیغ اسلام تھی۔ واقعہ کربلاء کے در پردہ صوفیا اسلام ہی کی تبلیغ کر رہے تھے اس لئے کہ ناخواندہ عوام کو عربی اور فارسی نہیں آتی تھی اور وہ امر بالمعرف اور نہی عن المنکر کی بحث کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ لہٰذا صوفیا واقعہ کربلا کو ہندوستانی زبانوں میں بیان کرکے اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ واقعہ کربلا نے ہندوستانیوں اور خاص طور سے ہندو عوام و خواص کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا۔ گوالیار میں عاشورہ محرم کے تعزیہ کا جلوس تب ہی شروع ہوتا جب سندھیا راجہ تعزیہ کو کندھا لگادیتے تھے۔ جبلپور میں ایک مندر ہے وہاں ایک تعزیہ دسویں محرم کی شب میں رکھا جاتا ہے اور جب دس محرم کا جلوس اس مندر تک پہنچتا ہے تو مندر کا تعزیہ بھی جلوس میں شامل ہوجاتا ہے۔ یہ وہ جھلکیاں ہیں جو آج بھی صوفیاء کے اس عظیم کارنامہ کی نشانیوں کی نشاندہی کر رہی ہیں۔

اس پروگرام کے دوران سوزخوانی سید لیاقت حسین اور جناب ضمیر احمد نے فرمائی۔ تحت خوانی جناب سید صابر رضا جلالوی، جناب سید صابر رضا میمونوی اور جناب سید تنویرالحسن عظیم آبادی نے فرمائی۔ آقای محمد حسین مظفری ڈائریکٹر، ایران کلچر ہاؤس، نئی دہلی اور آقای عبداللہ عطائی نے بھی اس جلسہ میں شرکت فرمائی۔ آقای محمد حسین مظفری نے سوزخواں اور تحت خواں حضرات کو کتابوں کا تحفہ پیش فرمایا۔ جلسہ کا اختتام پروفیسر نثارالحق، ممبر جامعہ کلچرل کمیٹی کے شکریہ پر ہوا۔

اطلاع

راہ اسلام کا آئندہ شمارہ "آزادی بیان" پر مشتمل ہوگا۔ صاحبانِ فکر و قلم سے التماس ہے کہ وہ اپنی تحقیقات ادارہ کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

تجزیہ و تبصرہ

فصلنامہ راہ اسلام کے آئندہ شماروں میں نئی کتابوں کے مکمل تعارف و تبصرہ کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے۔ خواہشمند حضرات اپنی مطبوعات کے دو نسخے ادارہ فصلنامہ راہ اسلام کے نام ارسال فرمائیں۔